وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ

بلغ العلیٰ بکمالہٖ + کشف الدجیٰ بجمالہٖ + حسنت جمیع خصالہٖ + صلوا علیہ و آلہٖ

مصری اہرام اور نجات عالم کا خدائی انتظام

یا

حقیقت معرفت

(شیعی نقطۂ نظر سے)

از نتائج فکر و سعی اذل الکونین

خاکپائے سید الثقلین عبداللہ سید حسین

بن سید محمد حسین الموسوی الانبالوی

※

مطبوعہ اثنا عشری پریس گلی قاسم جان دہلی

نوٹ

اس تصنیف میں تمام سنین کتاب مستطاب "تاریخ محمدی" مؤلفہ مولوی سید بہادر علی شاہ صاحب مرحوم مغفور سے ماخوذ ہیں۔ ان سنین کی تصدیق توریت و دیگر کتب تواریخ سے ہوتی ہے۔ مولوی صاحب مرحوم نے بجائے خود اس رسالہ (تاریخ محمدی) کو توریت سے اخذ کیا۔ من یشاء فلیرجع الیہا۔

دنیائے قدیم کی مدت کے سوا باقی کل سنین کے لئے ہمارا ماخذ از ولادت حضرت نوح علیہ السلام تا ولادت حضرت ابراہیم علیہ السلام تاریخ عرب۔ نسب نامہ رسول۔ حیات القلوب جلد اول ہے۔

اس کتاب کی تیاری میں پیرانڈ پیسجز مصنفہ پادری ایڈگر مارٹن۔ کتاب مقدس۔ قرآن مجید احادیث۔ کتب تواریخ تصنیفات جناب قبلہ مولوی مظہر حسن صاحب مدظلہ۔ تفسیر مکاشفہ پادری سی ٹی رسل۔ انجیل برنباس۔ ہادی التواریخ۔ ینابیع المسیحیت۔ رسالہ عصمت آدم ع۔ تصدیق الاسلام تاریخ گبن وغیرہ سے اکثر امداد لی گئی ہے۔

راقم

عاصی سید حسین موسوی غفرلہ'

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ؕ

الحمد للہ کفی وسلام علی عبادہ الذین اصطفی

میں نے اس رسالہ شریفہ کو اول سے آخر تک دیکھا۔ اور جہاں جہاں مناسب معلوم ہوا کچھ خفیف سا رد و بدل بھی کر دیا۔ حقیقت یہ ہے کہ اس کے مؤلف محامد نصاب جناب سید حسین صاحب انبالوی نے اسکی تالیف میں نہایت ہی عرق ریزی اور دماغ سوزی کی ہے۔ اور منارۂ مصری سے نہ صرف تاریخ حضرات انبیاء علیہم السلام بلکہ تاریخ حضرات ائمہ اثنا عشر علیہم السلام اس خوبی سے استنباط کی ہے کہ اس کا پڑھنے والا اس کی داد دیئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ مسیحی پادریوں نے تو اس منارہ سے صرف حضرت مسیح علیہ السلام تک ہی سلسلہ ثابت کیا تھا لیکن ہمارے نوجوان اور باہمت مولف نے انہی اصول کی بناء پر اس سے نبوت خاتم انبیاء اور امامت ائمہ اثنا عشر علیہم السلام ثابت کر کے صداقت اسلام کی ایک جیتی جاگتی تصویر دنیا کے سامنے رکھدی ہے۔ غالباً میرا یہ کہنا مبالغہ سے بری ہوگا کہ یہ اپنی قسم کی پہلی تصنیف ہے جو اردو زبان میں لکھی گئی۔ اور مؤلف ممدوح اس تقدم پر مستحق مبارکباد ہیں۔ اگرچہ میں اعداد و شمار مندرجہ کی جانچ نہیں کر سکا۔ لیکن میرا خیال ہے کہ اس کی صحت میں بہت کم کلام کی گنجایش ہوگی۔ اس لئے میں نے جناب ممدوح کو یہ رائے دی کہ وہ اسے شائع کر کے پبلک میں پیش کریں۔ تاکہ مبصرین اس پر نگاہ غائر ڈالیں۔ اور اگر کوئی غلطی نکال سکے تو اسے دیکھا جائے۔ لطف یہ ہے کہ اگر اصل مضمون علوم ہندسہ پر مشتمل ہونے کی وجہ سے نہایت ہی خشک ہے لیکن سید صاحب نے اس خشک مضمون کو ایسا سرسبز کر دیا ہے کہ چاروں طرف سبزہ زار نظر آتا ہے۔ گل ریاحین کھلے ہوئے ہیں اور مشام ایمان کو معطر کر رہے ہیں خداوند عالم آپکو جزائے خیر دے اور ہمارے دیگر نئے تعلیم یافتہ حضرات کو بھی توفیق دے۔ کہ وہ اپنی انگریزی دانی سے دین مبین کی خدمت کر سکیں۔ میں صرف اہل اسلام سے بلکہ دیگر مذاہب سے بھی پر زور سفارش کروں گا۔ کہ وہ ایک دفعہ ضرور اس کتاب کا مطالعہ کریں۔ والسلام علی من اتبع الھدیٰ۔

مرزا احمد علی
محلہ شیعہ۔ لاہور

۳ شعبان المعظم ۱۳۴۷ھ
۱۴ جنوری ۱۹۲۹ء

دوران ملازمت میں میرے ایک اینگلو انڈین دوست نے پادری ایڈگر مارٹن کی مؤلفہ کتاب پیرامڈ پیسیجز مطالعہ کے لئے دی۔ مؤلف ممدوح کی محنت قابل صد آفرین ہوتی۔ اگر وہ اپنے نتائج کے اخذ کرنے میں پیمائش کی ابتدا زمانۂ خلقت انسانی سے شروع کرتے اور قدم بقدم آگے چلکر انتہائے پیمائش پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک جا پہونچتے۔ موجودہ صورت پیمائش اندھیرے میں اندھے کی لاٹھی سے زائد اور کچھ نہیں۔

دوئم کسی مدمقابل یا مخالف کی اس کی ناکامیابی پر ہجو کرنا اس کی قومیت اس کے نسلی اور ملکی عیوب پر معترض ہونا۔ مؤلف ممدوح کی شان سے بعید تھا۔ یہ مسلم ہے کہ مامون نے مینار مذکور میں خزانے کی غرض سے نقب لگایا۔ ناکامیاب رہا۔ کیا اس عرب کی ناکامیابی اس کو وحشی، جاہل، بے علم ثابت کر سکتی ہے؟ ہر گز نہیں۔ اس کا اونٹ کا گوشت کھانا یا اونٹنی کا دودھ پینا قابل اعتراض نہیں۔ البتہ ایک قاعدے کو تسلیم کرتے ہوئے ایک قانون کے پابند ہوتے ہوئے اور ایک مقدس تحریر کو احکامات الٰہی مانتے ہوئے اس کے احکامات سے روگردانی کرنا ایک بڑا عیب ہے جس سے زیادہ اور کوئی عیب نہیں ہو سکتا تعجب بالائے تعجب تو یہ ہے کہ وہ معترض اور عیب جو ایک عیسائی پادری ہو۔ کتاب مقدس کی مخالفت کرنیوالا اور ایک عالم مسلمان بادشاہ پر نکتہ چینی کرے۔ یا للعجب

صرف یہی دو وجوہ ایسی تھیں جو ایک غیور مسلمان کو پادری صاحب کی غلطی پر تنبیہ کرنے کے لئے آمادہ ہو جاتی
مامون عباسی میرا یا میرے آبا و اجداد کا دوست نہیں۔ اگرچہ میرے جسم میں وہی خون جاری و ساری ہے جو مامون کے کے جسم میں جاری تھا وہ اگر اسطرف توجہ کرتا تو ایک مینار سے علمی آثار کے اخذ کرنے میں عاجز نہ ہوتا۔ اور پھر ایسے وقت جبکہ علوم کا خزانہ اس کے گھر میں موجود تھا۔

علوم کی روشنی اس عرب میں جو مامون کا وطن تھا۔ صدیوں سے درجۂ کمال کو پہونچی ہوئی تھی جسوقت یورپ والے خواب غفلت میں سرشار اور ساغر جہالت میں مدہوش تھے اسوقت یہی عرب تھے جو علمبردار علم بنکر اہل یورپ کو وہ کچھ پڑھا گئے۔ جو اسوقت اہل یورپ کو میدان عمل میں سب سے آگے کئے ہوئے ہے۔

مامون کا عرب ہونا اس کے لئے صد فخر کا باعث ہے یہ عرب اس نسل سے پیدا ہوا جو پسر موعود ابراہیم علیہ السلام سے جاری ہوئی۔ بنی اسرائیل اس کے بنی اعمام تھے نسلی حیثیت سے مامون عیسےٰ علیہ السلام کا مدمقابل تھا اگر نبوت سے قطع نظر کر لیا جائے

اندریں صورت ہر اس شخص پر جو حضرت مسیح علیہ السلام پر ایمان لانیکا مدعی ہو ہر ایک ایسے شخص کا احترام فرض عین ہے جو آنحضرت کا ہمجدی ہو۔ اس کے لئے اسمٰعیل بھی پسر ابراہیم ہے۔ اور اسحٰق بھی۔ وعدۂ الٰہی دونوں کے لئے کتاب مقدس میں موجود ہے۔

اونٹ کا گوشت کھانے یا اونٹنی کا دودھ پینے سے انسانی دماغ خراب نہیں ہوتا یہ صفت گدھی کے دودھ اور گوشت میں ہوتی ہے

علوم کا سرچشمہ سام اور ان کی مسوح اولاد ہوا کی۔ دیگر اولاد سام بھی کم وبیش ذائقہ علوم سے بہرہ مند ہوئی
یہی برکت اس موجودہ تالیف کی مؤید ہے۔ شاہ بلوطا اور زوفا کے پجاری علوم مقدس کو کیا جانیں۔ اور حقیقت
معرفت سے کب آگاہی حاصل کرسکتے ہیں

ثانیاً ناظرین باتمکین کی خدمت میں عرض ہے کہ مقدمات پیمائش میں اپنی جانب سے انتہائی جدوجہد کی گئی کہ نتائج درست نکلیں لیکن آخر انسان۔ انسان ہی ہے غلطی ہونا تعجب خیز نہیں۔ اگر کسی مقام پر غلطی نظر آئے تصحیح سے قلم نہ روکیں۔ اور مطلع فرما کر باعث صد شکریہ ہوں۔

آخراً ملتمس ہوں۔ نہ مجھے علمیت کا دعویٰ ہے نہ تحقیق کا۔ البتہ توسل ان حضرات سے ہے۔ جو راسخون فی العلم ہیں۔ جو مرکز تحقیق ماکان ومایکون قرار پائے۔ اس لئے اپنی یہ ناچیز پہلی کوشش ارباب نظر کی خدمت میں پیش کر کے مستدعی ہوں کہ اس مضمون کی کمی کا پورا کرنا اس ہیچمدان کی طاقت سے باہر ہے۔ امید کہ زمانۂ حال کے نباض جوان توجہ فرما کر اس کمی کو پورا کر کے عنداللہ وعندالناس ماجور ومشکور ہونے کی سعی فرمائیں۔

احقر کونین۔ انبالوی
سید حسین بن سید محمد حسین موسوی

۷۸۶
۱۲۱
+ بندۂ عاصی سید زوار حسین ولد سید بشیر حسین موضع میمن سادات ضلع بجنور تحصیل نجیب آباد بقلم خود +

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ رب العلمین ٥ والصلوۃ والسلام علی خیر خلقہ محمد و آلہ الطیبین و الطاہرین

اما بعد: علمائے یورپ کی طباعی وجدت پسندی کی حد نہیں منطقی و فلسفی۔ ریاضی و ہیئت۔ اقلیدس و مساحت وغیرہ وغیرہ علوم کی کامیابی نے ایسا مست و سرشار کیا کہ اب راز قدرت کے انکشافات پر تل گئے۔ اور اپنی فہم کے مطابق راز قدرت کے پردہ اٹھانے کے مدعی بن بیٹھے۔ اہرام مصر یعنی وہ سنگلاخ عمارتیں جن کی تعمیر کا یا بنانے اور بنوانے والے کا انکو علم تک نہیں۔ اسپر اپنی کمند قیاس پھینکی کبھی آتشکدۂ نمرود بنا دیا کبھی غلہ یوسف کا کھتہ۔ ستارہ گھر۔ بیت الشمس و القمر (ایت وسوم کا مندر) یا اسپر بھی ترقی کی تو آثار نبوت کھڈالا۔ اپنی کوشش وسعی کی کامیابی پر اتر آئے۔ دوسروں میں عیب نکالنے شروع کئے۔ اور آثار نبوت کی گردن میں پھانسی ڈال کر مچھندر کے بندر کیطرح ناچ نچائے۔ اقلیدس و مساحت منطق و فلسفہ اپنی خیالی تعلیم پر قربان کر ڈالے۔ دور از کار تاویلوں سے انوکھی اور نئی چالوں سے عجیب و غریب استدلالوں سے اپنے اقانیم ثلاثہ کا وجود بیچارے اہرام مصر کے میناروں میں جڑے ہوئے دکھلانے لگے۔ علم ہندسہ کسی ایک قوم یا ایک ملک کی ملکیت نہیں ہی علوم کسی خاص ملت کی میراث نہیں۔ پھر نا معلوم یہ اترانا اور دوسروں کے منہ آنا کیسا۔

تعجب بالائے تعجب یہ ہے کہ مہذب اقوام میں ہونے کا دعویٰ اور استادوں سے سوء ادب۔ اسلام سے پیشتر یورپ عیسائیت سے خالی نہ تھا۔ اناجیل عنقا نہ تھیں۔ حکومت بھی اپنی ہی ہمخیال تھی۔ اور اگر ہمخیال نہ بھی ہو تو بھی غیر نہ تھی۔ علمائے ملت کا قحط نہ تھا۔ مسیح علیہ السلام اور ان کے حواریین نے سکھلانے سے دریغ نہیں کیا۔ ان کی تعلیم دنیا سے غائب نہیں ہوئی۔ باوجود اسقدر موافقت اسباب کل یوروپ تاریکی ضلالت اور جہالت ہی میں رہا۔ نہ تعلیم پھیلی۔ نہ علم کی روشنی چمکی۔ مسلمانوں کا اسپین پر قبضہ کرنا تھا کہ علوم کے سرچشمے سرزمین ہسپانیہ میں پھوٹ نکلے۔ اور تمام یوروپ میں بہ نکلے۔ علوم عقلیہ و نقلیہ منطقیہ و فلسفیہ ہیئت و نجوم۔ ریاضی و اقلیدس و مساحت۔ تاریخ و جغرافیہ۔ سیمیا و ریمیا و کیمیا (ملمع کاری۔ کیمسٹری۔ ریسرچ) طب و جراحت۔ غرضیکہ وہ کونسا علم تھا جس میں شیر شتر پینے والے عرب قبول اسلام کے بعد ید طولیٰ نہ رکھتے تھے۔ ہاں وہ کونسا علم تھا۔ جو اہل یوروپ سے اہل عرب نے دریغ رکھا۔ اور اپنے شاگردوں کو نہ سکھایا۔ استاد اپنے شاگرد سے کبھی کم درجہ نہیں ہو سکتا۔ ان شاگردوں کی اولاد آج کس منہ سے اپنے بزرگوں کے استادوں پر زبان طعن دراز کر سکتی ہے۔ تاریخ عالم ببانگ دہل پکار پکار کر کہہ رہی ہے۔ اہل عرب علمبردار علوم تھے۔ جسطرف رخ کیا علوم کے دریا بہا گئے۔ جو ملک ان کے زیر نگیں ہوئے۔ دار العلوم بنگئے۔ حقانیت اسلام کا یہ ادنیٰ کرشمہ تھا۔ کہ اس کے پیرو علوم کے چاند ہو کر چمکے۔

اسلام لاتے ہی کچھ سے کچھ بنگئے۔ کایا پلٹ گئی مشعل علم ہاتھ میں لی۔ اور تمام دنیا سے تاریکی و ضلالت و جہالت مٹانے پر مستعد ہو گئے۔ فلسفۂ یونان کے اغلاط مٹائے۔ وحدانیت کے سبق پڑہائے۔ تثلیث کے مسئلہ پر تبصرے کئے اور وہ وہ جواہر ریزے بکھیرے کہ دنیا اون کی سخاوت کی معتقد ہو گئی ان کے فضل و کمال کا لوہا مان گئی اور ان کے علوم سے بہرہ ور ہوئی۔ مصر و یونان کے علوم کے فانوس اس الہی نور کی روشنی میں بے رونق ہو گئے۔ صرف دو صدیوں کے قلیل عرصے میں چین سے لیکر ہسپانیہ تک انہی کے دار العلوم کی ضیا باری تھی۔ تمام یوروپ انکے مکتب سے کسب علوم کو فخر سمجھتا تھا۔ آج ہٹ دہرمی سے جو چاہیں کہہ اُٹھیں۔ لیکن حقیقت تو یہ ہے کہ سعادتمند اولاد اپنے بزرگوں اور ان کے استادوں کے حضور سر تسلیم خم کرتی ہے۔ سپوت اپنے محسن کو ہمیشہ عزت و وقعت کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ ناخلف سے کسی قسم کی توقع نہیں ہو سکتی۔

مامون عباسی ۲۱۸ھ میں سریر حکومت پر جلوہ افروز تھا۔ اس کے شغف علمیہ سے کتب تواریخ لبریز ہیں حکومت کا قیام اسباب ظاہریہ پر مبنی ہوتا ہے۔ نہ ایسی کوئی سلطنت دنیاوی اسوقت تک ہوئی جو مال سے مستغنی ہو۔ ضرورت ملکیہ کے لئے اخراجات اور اخراجات کے لئے مال و دولت دنیاوی اشد ضروری۔ اگر ضرورت نے اسکو نقب زنی مینار مصر و حصول خزانہ پر مجبور کیا تو تعجب خیز نہیں۔ اس قسم کے افعال سے کوئی زمانہ حتٰی کہ زمانۂ حال بھی خالی نہیں پھر اسپر اعتراض چہ معنی۔

مامون عباسی اس زمانہ کی رپورٹ کے مطابق اس خزانہ کے حصول میں کوشاں ہوا جو اس میں نہ تھا۔ اہل یوروپ نے زمانۂ حال میں کونسی کسر حصول خزانہ میں اٹھا رکھی۔ مامون نے ایک خاص رپورٹ کے مطابق اس طریقہ پر نقب لگائی کہ مینار بھی قائم رہے۔ اوپر جانے کا راستہ ملے۔ اور خزانہ قبضہ میں لائے۔ لیکن ہاورڈ (Howard) نے جو نقب اسی مینار کے بالائی حصہ میں لگائی اس کا مقصد بھی بجز حصول دولت اور کچھ نہیں تھا۔ اگر مامون شتر خوری کے باعث اس قابل نہ تھا کہ خزانۂ مینار کی کلید حاصل کرے اور خزانہ پر متصرف ہو تو ہاورڈ کے بارہ میں اور نیز دیگر علماء و محققین یوروپ کی نسبت کیا کہنا پڑے گا۔؟ جو درجہ علوم کا مامون اور اسکے زمانہ کے علماء و فضلاء کا تہا اس کا عشر عشیر بھی یوروپ اسوقت دکھلا نہیں سکتا۔

علم ہندسہ اس میں شک نہیں قابل اعتبار اور بھروسہ کی چیز ہے۔ لیکن پیرامڈ پیسیجز کے مصنف اڈگر مارٹن کے پاس اس کا کیا ثبوت ہے کہ جو نتائج تاریخی پیمائش سے انہوں نے پیدا کئے اور تاریخ سے ان کی مطابقت کی وہ بالکل درست ہی ہے۔ یا ان ہندسوں کے ہیر پھیر سے دیگر نتائج مرتب نہیں ہو سکتے۔

علم تاریخ تسلسل واقعات کا لفظی خاکہ ہے۔ اگر اس کا گراف بنائیں تو ضرورت ہے کہ ابتدا و انتہا مقرر کرنے کے بعد ایک مقررہ قاعدے اور نصاب کے مطابق تیار ہو گا۔ یہ نہیں کہ جس طرف سے مطلب حل ہوتا دیکھا۔ اسی طرف جھک گئے۔ اور ترتیب واقعات کے مطابق گراف سے روگردانی کی۔ اس کر ترتیب کو مسنخ کر دیا

پر روشنی ڈالتے۔ اور پھر بنانے والے کا نام و دیگر کمالات کا تذکرہ کرتے۔ بعدازاں اس کے کمال علمیہ کی تدقیق و تحقیق میں سرگرم ہوتے۔ نہ بنانے والے کا پتہ۔ نہ زمانۂ تعمیر کا علم۔ اور اسپر یہ لن ترانیاں۔ یاللعجب

۲۔ (دوئم) آجتک جسقدر بھی پیمایش اہرام مصر کی گئیں۔ ایک دوسرے سے مختلف ہر ایک محقق اپنے اعداد کی صحت کا مدعی۔ لیکن ایک مقررہ پیمانہ سے دو نقطوں کے درمیان پیمائش کے اعداد میں فرق کے کیا معنی۔ ایک غیر شخص کو یہ کہنے کا حق حاصل ہو کہ اپنے حصول مطلب کے لئے اصل پیمایش بدل ڈالی۔ کیا زمانہ حال کی تحقیقات کی انتہا محض اختلاف ہی ہے۔ جب تک صاحب موصوف اپنے ہی گھر میں تمام پیمائشوں کی صحت کا فیصلۂ باہمی نہ کریں۔ اپنے اعداد پر دعوی صحت پیش نہیں کر سکتے۔ تعمیر کنندہ مینار کا مقصد بنا گیا تھا۔ اور عمارت مذکور کی مختلف پیمائشوں کے اعداد اس نے کس قدر رکھے۔ اسوقت کوئی نہیں جانتا۔ اور نہ یہ معلوم ہے کہ اس نے اس معمہ کے حل کرنے کے لئے کیا کلید مقرر کی۔ اب ہم جو کچھ بھی اس کے اعداد سے برآمد کریں گے۔ ہمارا قیاس ہوگا نہ کہ بنانیوالے کا مقصد۔ ممکن ہی ہمارا قیاس درست ہو لیکن قیاس کا غلط ہونا اغلب ہی۔ اس صورت میں ہماری سعی لاحاصل ہوگی۔

۳۔ (سوئم) تعمیر عمارت کے متعلق مصنف مذکور کی زرین رائے یہ ہے کہ بنانیوالے یقطان بن عبر کے بارہ پسر تھے۔ زمانہ حال تک (بموجب تاریخ توریت) طوفان نوح کو چار ہزار دوسو بیاسی سال کے قریب ہوئے اور یقطان بن عبر تک بموجب بیان توریت تمام دنیائے معلومہ کی آبادی اسقدر نہیں ہوسکتی کہ اس تعمیر کے کام کو انجام دیتی۔ ورنہ اس مذہب کی بنیاد ہل جائیگی جس کا ماخذ کتاب مذکور رہے۔ توریت کہتی ہے۔ دنیا کی کل نسلیں سام، حام، یافث کی اولاد ہیں۔ دوئم یہ بتلاتی ہے کہ کشتی نوحؑ میں صرف اسی مرد و زن تھے۔ اصحاب نوح سے اولاد نہیں ہوئی۔ لہذا ابن یقطان کے زمانہ میں تین شخصوں (سام، حام، یافث) کی نسل اس قدر کام کرنیوالے پیدا ہوتے جو اس عمارت کو بناتے۔

اسی کنبہ کی دوسری مثال موجود ہے۔ بنی یعقوب داخلۂ مصر کے وقت تعداد میں ایک سو تیس تھے۔ اور جب چار سو بیس برس کے بعد وہاں سے نکلے تو چھ لاکھ مرد و زن تھے یعنی ایک سو بیس سال میں ایک نفر کے تقریبا پانچہزار بن گئے۔ اس میں وہ اعداد بھی آگئے۔ جو فرعون مصر کی عنایات سے قتل ہوئے لہذا دوسو برس میں تین نفر یا حد چھ مرد و عورت سے زیادہ سے زیادہ اٹھارہ ہزار مرد و عورت اور بچے ہوسکتے ہیں۔

مینار مذکور کی تعمیر میں بیس ہزار نفر کام کرتے رہے۔ جن کا ہر تیسرے مہینہ تبادلہ ہوتا رہا۔ تعمیر سو سال جاری رہی۔ پس ایک سال میں کم از کم چالیس ہزار اور زیادہ سے زیادہ اسی ہزار نفوس نے کام کیا۔ لیکن یہ چالیس ہزار یا اسی ہزار نفوس کہاں سے آئے جبکہ آبادی کل اٹھارہ ہزار رہے۔ پادری صاحب نے تا حال نہیں بتایا۔

مقابلہ میں پست ہے۔

بنائے عمارت مینار کے وقت دنیائے قدیم کی کل موجودات خراب وہلاک ہو جاتی ہیں۔ حضرت نوح علیہ السلام اور ان کے بیٹوں کے سوائے دنیا کی آبادی غائب کے برابر ہے۔ تعمیر مینار میں اس قدر علمی مسائل استعمال ہوئے ہیں جو شمار نہیں ہو سکتے۔ اگر موجودہ دنیا میں تعمیر مینار کے وقت وہ علوم رائج تھے تو ضرور ہے کہ اس کا عالم بھی دنیا میں موجود رہا ہو۔ ورنہ پھر ایجادات کا سہرا نیوٹن کے سر باندھنا کیا معنی۔ اقلیدس کے روبرو زانوئے ادب تہ کرنے کی وجہ۔

۵۔ مصنف موصوف کا یہ خیال ہوگا کہ اعداد سے کسی تاریخ کا نکالنا صرف ان کا ہی کام ہے۔ دوسرا شخص اس دل ودماغ کا پیدا ہونا ممکن نہیں جو اس خلجان میں پڑے۔ لیکن ان کو حیرت ہوگی کہ وہی اعداد جس سے ان کا مدعا ثابت ہوتا ہے۔ ترتیب منظم کے ساتھ ان کے دعوے کو غلط ثابت کرتی ہیں اور بتلاتی ہیں کہ ان کا "مسیح" "راز نجات عالم" نہیں۔ بلکہ اس راز نجات عالم کا ہراول اور پیشرو ہے اور وہ آمد راز نجات عالم کی منادی کرتا ہوا۔ اپنے عہد کو پورا کر گیا۔

توریت کی ظاہری تعلیم کے بموجب یہودی اور عیسائی حضرات کے نزدیک اس زمین پر انسانی آبادی کا آغاز صرف (تقریباً) ۵۱۳۸ سال سے ہوا جو محققین کے نزدیک بالکل غلط ہے۔ پادری صاحب موصوف نے اس غلطی کی تصحیح میں کیا کوشش فرمائی۔ اور بصورت غلطی تعلیم توریت کیونکر قابل اعتبار سمجھی۔ اور ان کے اعداد کی صحت کی کیا سبیل نکالی۔ مسیح کی تار و پود کا وجود توریت کی صحت پر منحصر ہے جبکو وہ اپنی کتاب میں مستند اور قابل اعتبار تحریر فرماتے ہیں۔ توریت غلط ہوئی۔ تو تمام پیشگوئیاں جو مسیح علیہ السلام کے لئے ثابت کی جاتی ہیں۔ پایۂ اعتبار سے ساقط ہوں گی

(۷) بموجب توریت پیدائش نوح علیہ السلام تک ۱۰۵۶ آدمی سال ہوتے ہیں۔ ساتھ ہی یہ بھی کتاب موصوف سے ثابت ہوتا ہے کہ آدم علیہ السلام کا ایک دن ہزار سالہ تھا۔ توریت کے بموجب سال کے ۳۶۰ دن ہوتے ہیں۔ لہذا ۱۰۵۶ سال آدمی ہمارے زمانے کے ۳۸۰۱۶۰۰۰۰ سال کے برابر ہوگا۔ اب صاحب موصوف اپنے سنین میں ۱۰۵۶ سال کی کمی پوری کریں۔ اور بتلائیں۔ ساتواں ہزار سال کب شروع ہوا (حساب مذکورہ کے مطابق پیدائش نوح علیہ السلام سے اسوقت تک صرف ۴۸۸۲ سال ہوئے۔) یا وہ غلطی توریت تحریر فرمائیں جس کے باعث ۱۰۰۰ سال سے زیادہ کا فرق حسابات میں آیا۔ حساب سنین آدمی کی تفصیل اس طرح پر ہے۔

۱ سال آدمی بحساب ۱۰۰۰ سال فی یوم = ۳۶۰ × ۱۰۰۰ = ۳۶۰۰۰۰ سال ÷ ۱۰۵۶ سال آدمی = ۱۰۵۶ × ۳۶۰۰۰۰ = ۳۸۰۱۶۰۰۰۰ سال۔

(۸) پادری صاحب موصوف نے اپنی قیاسی تاریخ بائبل قائم کر کے اس کے مطابق پیمائش مینار سے اعداد اخذ کرنے میں اپنی مطلب براری کا خیال رکھا اور یہ نہ سوچا کہ مصری تاریخ ...

...۱۹۰۰۰ سال چینی تقریباً...... ۸۷ سال ہندی تقریباً...... کا انسان کے آبادی کا پتہ کوئے ...
نام بنام شاہان گذشتہ کی تاریخ تحریر کرتے ہیں۔ باوجود ان شہادتوں کے وہ اپنی غلط تاریخ کو حق سمجھتے اور اسقدر اقوام دنیا کو دروغگو خیال کرتے ہیں۔ حالانکہ زمانہ موجودہ میں محققین کی یہ رائے ہی کہ انسانی آبادی اس زمین پر تقریباً ....۵ سال سے ہے۔ ہاں یہ کہہ سکتے ہیں کہ موجودہ نسلیں اس قدیم آبادی سے کوئی تعلق نہیں رکھتیں۔ بلکہ اپنی خلقت میں ان سے علیحدہ ہیں لیکن تاریخ اقوام ایران وچین ومصر سے ثابت ہے۔ اقوام حال کے ہم جنس ان ملکوں میں ...۶ سال سے مدتوں پیشتر حکمران تھے۔ ان کے شجرۂ انساب سے ان کا وجود ثابت ہے۔ پھر ایسا کوئی قاعدہ یا اصول نہیں جس کی بنا پر ان کی ہستی سے انکار کیا جائے۔ اور ان کی تواریخ کو طومار اغلاط سمجھا جائے۔ حق تو یہ ہے کہ اگر ایک کے مقابلہ میں دو یا تین ایسی شہادتیں موجود ہوں جو دیگر قرائن سے درست معلوم ہوتی ہوں۔ ان پر توجہ کرنا ضروری ہے۔ اور اس منفرد شہادت کی اچھی طرح تنقید کیجائے جو تمام دیگر شہادتوں کے مخالف ہی محض ہٹ دھرمی سے اپنے اعتقاد کو واقعات پر ترجیح دینا اور دوسروں کو اس کے سچ سمجھنے پر مصر ہونا انصاف کا خون کرنا ہے۔ البتہ دھوکا دینے کے لئے ایسی جدجہد ممکن ہو درست ہو۔ لیکن دھوکا دینے والا کبھی سچا نہیں ہو سکتا۔

(۹) مختلف ممالک میں رسم ورواج ومشاہدات کے اسباب مختلف ہوتے ہیں۔ مثلاً توریت کے مطابق زمانے کی اکائی ۳۶۰ سال ہے جسکو عموماً ۳۶۰ دن سے ظاہر کیا جاتا ہے یعنی ایک دن سے ایک سال مراد ہی جو زمین کی قطبینی گردش سے ماخوذ ہے ان قطبینی ممالک میں چھ ماہ کا دن اور چھ ماہ کی رات ہوتی ہے۔ پھر ایک سال کو چاند کی گردش سے مطابق کرکے دیکھا تو چاند کے بارہ دور اس عرصہ میں ہوئے۔ لہذا بارہ مہینہ کا سال اور ۳۰ دن کا مہینہ قرار دیا۔ اس طرح اکائی ۳۶۰ برآمد کی۔ اور ۳۶۰ دن کا سال، ۳۶۰ سال کا زمانہ ہوا۔ اہل ہند نے بھی سال اور مہینہ اسی طرح قائم کئے۔ لیکن زمانے کی تخریج میں انھوں نے معلوم کیا کہ چاند کے حساب سے موسموں میں تغیر ہوتا ہے۔ اس لئے سورج کی گردش پر غور کیا۔ اس کی ایک دور کی مدت کو بارہ پر تقسیم کرکے اسکو زمانے کی اکائی قرار دیا۔ اور اکائی ۴۳۲۰۰ قائم کی۔ اس کے بعد اس مرکز شمس پر غور کیا جس کے گرد سورج گھومتا ہے۔ تو ظاہر ہوا اس کا دور سورج سے ..۱ گنا زیادہ مدت لیتا ہے اس طرح اس نظام کے زمانے کی اکائی ...۴۳۲ سال قرار پائی۔ لیکن بیضوی اشکال میں مرکزی فاصلہ کم وبیش ہوتا رہتا ہے۔ اس لئے کم از کم فاصلہ قلہ (apex) اور مرکز (Focus) کے درمیان ...۴۳۲ قائم کرکے دوسرا زمانہ اس سے دو چند تیسرا پہلے سے سہ چند اور چوتھا پہلے سے چوگنا اور ہر ایک مدت کو ایک جُگ کا نام دیکر چوگی کی مدت جمع کی تو ....۴۳۲ سال ہوئی۔

لیکن مشاہدے سے ثابت ہوا کہ یہ مرکز شمس دوسرے مرکز کے گرد گھومتا ہے جو مرکز المراکز ہے۔ اور

سال کے ۱۰ گنا زمانے کو طے کرنے کے بعد رجعت کرتا ہے۔ پھر ۲۰۸۰۰۰ ۱سال کے عرصہ تک رجعت میں رہکر دوری حرکت میں آجاتا ہے۔ اس خاصیت سیارگان کو بکری اور مارگی کہا جاتا ہے۔ اور پورے دور میں ۴ مرتبہ رجعت ہوتی ہے۔ ابتک اس مرکزالمراکز نے سات مرتبہ رجعت کی۔ اور ساتویں مرتبہ سیدھا چلنا شروع کیا جس کے ۲۷ زمانے ختم کرکے اٹھائیسویں زمانے کی آخری منزل کے ۵۰۰۲۱ سال طے کر چکا ہے۔

لیکن یہ تحقیقات متعلق بہ نجوم ہے۔ اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ مرکزالمراکز کے موجود ہونے کے وقت دیگر سب سیارے موجود تھے۔ بلکہ علم ہیئت سے معلوم ہوتا ہے کہ سیارجات اس مرکزالمراکز کی حرکت دوری کے باعث اس کے اجزا کے تفتت (ٹوٹنے اور علیحدہ ہونے) سے وجود میں آئے۔ ہمارا نظام خود نہ نظام اولی ہے نہ ثانیہ بلکہ تیسرے (یا چوتھے) درجہ کا نظام ہے۔

یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ علمائے نجوم زمانۂ حال نے ایسے ایسے دو نظام معلوم کئے ہیں جو مدار سیارگان شمالی و جنوبی ہیں۔ اور یہی مرکزالمراکز قطب کہلاتے ہیں تحقیقات زمانۂ موجودہ ان ہر دو اجرام فلکی کی نسبت بتلاتی ہے کہ وہ خود کسی دوسرے مرکز کے گرد دور لگاتے ہیں۔ اندریں صورت ہمارا نظام چوتھے درجہ کا نظام ہے

توریت سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ سورج چاند چوتھے دن بنے۔ ہماری زمین بھی سورج کا ایک جزو ہے۔ یہ بھی چوتھے دن کی موجودات میں ہے۔

لیکن یہ زمین وجود میں آتے ہی مخلوقات کی بود و باش کے قابل نہ تھی۔ خود زمانۂ حال کی تحقیق سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ عرصہ دراز تک سیارے اس قابل نہیں ہوتے کہ ان پر آبادی ہوسکے۔

توریت کے مطابق پانچواں دن (یا بقول ہنود پانچویں منونتر میں) پرند۔ چرند۔ نباتات وغیرہ تری و خشکی کے حیوانات پیدا ہوئے۔ لیکن انسان وہ حضرت انسان جو اس تمام موجودات ارضی سے مستفید ہونیوالا تھا چھٹے دن پیدا ہوا۔

اہل ہنود نے مرکزالمراکز (یا برہما) کے بکری اور مارگی ہونے کی مدت ۳۰۸۴۴۸۰۰۰۰ سال کو منونتر کہا۔ توریت نے اسکو ایک دن سے تعبیر کیا۔ لہذا انسان جو چھٹے دن پیدا ہوا اسکو ولادت نوح علیہ السلام تک ۳۸۰۱۰۶۰۰۰۰ سال ہوئے۔ اور اس طرح حساب کرنے سے انسان کی خلقت چھٹے منونتر کے بارہویں چترجگی کے دواپر میں ہوئی ہوگی۔ یہ مدت اتنی ہی کہ اس میں آبادی تمام روئے زمین پر پھیل جائے اور ترقی کے زینے طے کرتی ہوئی اس منزل تک پہونچے جس میں ایسی سنگلاخ عمارت کی بنا ڈالی۔ یا اسقدر علم نجوم کی تحقیقات میں بال کی کھال نکالی۔ اور تجربات و مشاہدات کی بناء پر علم جوتش کی تصحیح و تجرید کی۔

اس میں کلام نہیں کہ عمارت بنار کسی قدیم نبی کی سرپرستی میں تیار ہوئی۔ اس میں علامات و نشانات علم الانبیا

میں اس کے سمجھنے کی قابلیت کہاں۔ اس پانچہزار سال کے عرصہ میں جو طوفان نوح علیہ السلام سے اسوقت تک گذرا بہت سے صحف انبیا تحریر ہوئے اور تی زمانہ بھی موجود ہیں۔ لیکن ان کے سمجھنے والے ہزاروں مدعیوں میں سے کسقدر دعوی صحت کر سکتے ہیں ایک عالم دوسرے کے مخالف ہے یہ لفظی تعلیم کا حال ہے جس کو سب جانتے ہیں پھر ایسی تعلیم کا سمجھنا کیونکر ممکن ہے جو محض رموز سے لبریز ہو۔ اس لئے جو کچھ بھی اس کے متعلق خامہ فرسائی کی جائے وہ محض ہمارا تخیل ہوگا نہ کہ ان رموز کا حل جو میناری تحریریں منضبط ہیں۔ یہ ثابت ہے قیاس اگرچہ سچ بھی ہو تب بھی عقائد کے قابل نہیں ہوسکتا۔ قیاس کا پہلا شکار ابلیس سا عالم باکمال اور عامل بیمثال ہوا جس پر ابد تک لعنت کی بوچھاڑ پڑتی رہے گی۔ اس لئے مامون رشید کے سوال پر جناب امام ضامن ثامن آل محمد صلوٰۃ اللہ علیہم نے یہ کہکر ٹالدیا کہ "یہ خزانۂ امام ہے" خزانۂ امام علم ہے جس کے باعث انسان کو فرشتوں پر فوقیت حاصل ہوئی نہ کہ مال دنیا جسکو ہر کس وناکس حاصل کر سکتا ہے۔

اندریصورت میناری تعلیم کی حقیقت کا انکشاف اس نفس طاہر سے متعلق ہے جس کے لئے اس کی بنا ہوئی۔ جو دنیائے حال کی بڑہتی ہوئی تعلیمی روشنی کے مقابلے میں اس میناری تعلیم کو اپنے الفاظ میں ادا کریگا حق بھی یہی ہے جب تک کلید رموز معلوم نہو ان کا حل ناممکن ہے۔ پادری صاحب کے اصول کے مطابق ان ہی کے اعداد سے اور ان کے مقررہ وسلمہ تاریخ کی بنا پر ہر شخص اعداد مرتب کر سکتا ہے۔ اسی تصنیف میں ایک مکمل تعداد نہیں منضبط ہے۔ جو نہ صرف پادری صاحب کے اعداد کو ظاہر کرتی ہے۔ بلکہ اس سے بھی زائد اصلی راہ نجات عالم تک رہبری کرتی ہے۔ چونکہ پادری صاحب حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک کے اعداد کے مصدق ہیں۔ اس لئے اس حد تک صحت اعداد کا مدار ان کے سر اور اس کے بعد کے اعداد کی صحت کے ذمہ دار ہم۔

یہ معلوم ہے کہ انسان اول یعنی ابوالبشر آدم علیہ السلام کی خلقت چھٹے روز ہوئی اس لئے ابتدائے آفرینش سے نوح علیہ السلام تک تقریباً ۱،۹۶۰،۰۰۰،۰۰۰ سال گذرے۔ اور انسانی آبادی صرف ۳۸،۱۰،۶،۰۰۰ سال سے ظاہر ہوئی۔ سن آفرینش جس کو سمت سرشٹی بھی کہتے ہیں ۱،۹۵،۵۸،۸۵،۰۳۱ ہے۔

دراصل عبری یا یہودی تاریخ کا آغاز حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ہوا۔ تاریخ عرب سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرات نوح علیہ السلام وحضرت صالح کے درمیان تقریباً ۵۵۰ سال کا زمانہ ہے حضرت صالح وہود علیہما السلام کے درمیان ۲۵۰ سال اور ہود وابراہیم علیہما السلام کے درمیان تقریباً ۲۰۰ سال۔ عمر حضرت صالح علیہ السلام ۴۳۵ سال۔ عمر حضرت ہود علیہ السلام ۴۶۴ سال لہذا کل مدت ۹۵۰ + ۵۵۰ + ۲۵۰ + ۲۰۰ = ۱۹۵۰ سال سال پیدائش ابراہیم علیہ السلام توریت میں ۱۹۴۹ ہے۔ جو تقریباً اس حساب سے درست ہے۔ وفات ہود علیہ السلام کے وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام ۷۵ سالہ تھے۔

چونکہ متن رسالہ ہذا میں کچھ بیان تاریخ ہند سے متعلق ہے۔ اس لئے پیشتر اس کی تشریح اور مضمون ہذا سے اس کا تعلق نیز اون کی نسل کے اغاز کا معلوم ہونا بھی ضروری ہے۔ اس لئے پیشتر ہم مختلف شجرہ انساب ہندو عرب و مغل تحریر کرتے ہیں۔

شجرہ عرب

آدم

شیث — انوش — قینان — مہلائیل — یارد — اخنوع (ادریس) — متوسلح — لامک — نوح

نوح: یافث — حام — سام

[illegible]

قابیل یا قین (قاین)

حنوک (عناق)

ایراد — مہوائیل — متوسائیل — لمک

عوبید — طہورث — جمشید

تارخ بن — یومان — فطر — روح — ہرس یا — ذوالقرنین

لمک: (زوجہ) عدہ — طلہ (زوجہ)

یابل — یوبل — توبل قین — نعمہ دختر

گوجر اہیر اور راعیوں کا مورث اعلیٰ - راگ گیروں کا مورث اعلیٰ - بادشاہ

شجرہ ہند

برہما — مریچ — یو یو (شوہر ایلا)

اتری — سوم — بدھ — پراوکھا — ایو — پنچ پسر — پلوناتم — ایمی — شرادہ دیو

سوریکے — ہرنیکے — ہرناکے — شکن — بلوماد گ — دیوراج — مرتاگن — گرر

بن: وامن دیو — تیتی دختر — سورگ

بن: سنگھکا — سنگھبلاد — پرلاد — اہلاد — باشکل — ہیکاسر

پنج جن یا تاپی وانو — بروچن — بلی — باناسر وغیرہ

بن: سرباتی — وشر — اکشواک — سوپسر

شجرہ تاتاری از اکبر نامہ

نوح — یافث — ترک خاں — النجہ خان

دیت ماقوی — کنوک خان — امی خان — یلدوز خان

مغل خان — قرا خان — اغوز خان

مقابلہ شجرہ انساب سے چند امور ظاہر ہوتے ہیں

(۱) ترک خان - ہرنیہ کشیپ اور تارخ ایک ہی شخص ہو جس کی اولاد مختلف ممالک میں آباد تھی - اور وہ یافث یا بابو کا پسر تھا - جاپانی تاتاری منگول (مغل) اور ہندی اقوام اس کو اپنا مورث اعلیٰ تسلیم کرتے ہیں -

(۲) اس بابو کے بیٹے کی بعض اولاد دیوتا اور بعض دیت کہلاتی ہے - نیز دانو وبت جن یا اسر وغیرہ اولاد کشیپ ہیں

(۳) دیت ماقوی اور دھکا سر (یا دھک اسر) ایک ہی شخص ہے - اور باشکل مغل (منگول) ہو - کیونکہ مغل (منگول) اور باشکل (باشوکول) ایک ہی ہے مغل عربی تلفظ منگول ہو - ایرانی تاریخ شاہنامہ میں بھی ان کو اہرمن کہا گیا ہے -

(۴) میکاسر کا باپ اہلاد اور دیت ماقوی کا النجہ - بظاہر اہلاد و النجہ میں مغائرت تلفظی ہے لیکن ذرا غور کرنے سے مختلف ممالک کی آب وہوا کے تاثر کا پرتو نظر آتا ہے - النجہ کو النگہ اور الندہ بھی کہہ سکتے ہیں لیکن بعض تلفظ ایسے ہوتے ہیں کہ وہ ایک زبان سے مخصوص ہوتے ہیں اور دوسری زبان میں اسکی صورت مسخ ہو جاتی ہے - اندریںصورت النجہ یا النجہ (ممکن ہو الندہ ہو) میں کوئی مغائرت نہیں رہتی خصوصاً جبکہ ان کے اب وجد کے اسما بھی ملتے ہوں -

(۵) اہلاد ہرنیہ کشیپو کا پسر ہے - ہرنیہ یا ہرنا ہرن کرنیوالا ہے - اور ہرن کرنا زبردستی پکڑنے کو کہتے ہیں لہذا ہرنیہ یا ہرنا شکاری اور ظالم ہوا - کشیپو کے شو یا کے بن یا پو ہوا - اسی طرح مغلوں کی (تاتاری) زبان میں حن یا خن شکاری اور سردار کو کہتے ہیں - اور تور بادشاہ کے لئے مستعمل ہوتا ہے - لہذا تور کے خان بن یافث اور ہرنیہ کشیپو میں بھی کوئی مغائرت نہیں رہی :

سوریہ اور کشیپو ایک شخص ہو جو داماد یافث ہو - اور ہرنیہ کشیپو یافث کا پسر ہے - سوریہ کی اولاد دیوتا اور ہرنیہ کی دیت کہلاتی ہے - جیساکہ آئندہ بیان سے معلوم ہوگا -

سوریہ کے پسر یم یمی شجرۂ ہند سے ملتے ہیں ان کو یمونا بھی کہتے ہیں - اندر دیو راج ، اور بامن دیو ادتی زوجۂ (سوریہ) کشیپ کے بطن سے تھے - یم یمی اور سری ادّو دیو سنجھا کے بطن سے (اسکندہ - ادہیائے ۸ بھاگوت پران) یمونا کی اولاد کا شجرۂ ہند میں نشان نہیں - لیکن شجرۂ عرب میں تارخ کے پسر یومان (یمونا) کے بیٹے کا نام فطر دیا ہوا ہے جو ذوالقرنین دہرس ، بن روح کا دادا تھا -

شجرہ ہند میں ادتی زوجۂ کشیپ دکھلائی گئی ہے - جس کے بطن سے بامن دیو پیدا ہوئے - جیساکہ بھاگوت پران اسکندہ ۸ - ادہیائے ۱۸ سے پیشتر مذکور ہوا - لیکن شجرہ میں سوریہ کے پسر کا نام بامن دیو ہے - (دامن دیو یا دیوس

فرق ہی یعنی ہیں کوئی فرق نہیں

اس بیان سے ثابت ہوگا کہ سوریہ۔ ویوس منو۔ وامن دیو اور کشیپ ایک ہی شخص کے نام ہیں۔ نیز یہ بھی کہ ادتی ہی سنجھا بھی ہے۔

شجرۂ میں سوریہ (کشیپ) کے پسروں میں شرادہ دیو کا نام بھی آتا ہے۔ جسکو ستیہ ورت۔ ویوسوت اور ہوتا بھی کہتے ہیں۔ ویوسوایت (سوریہ کا پسر) بموجب شجرہ اکشواکو کا باپ تھا۔ اور بموجب بھاگوت پران اسکند ۹۔ ادھیائے ۱و ۲ اکشواکو ویوس منو کا سب سے بڑا بیٹا تھا۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ شرادہ دیو منو ہی ویوس منو بھی تھا اندریںصورت کشیپ کو سوریہ۔ ویوسوت۔ ویوس منو۔ بوسوان۔ بامن دیو۔ ہوتا۔ شرادہ دیو (سری اودیو) بھی کہتے ہیں۔ لیکن ویوسوت (یا ویوسوایت) حام کا پسر ہوا جسکا نام ایت یا اطلس ہے۔ توریت میں حام کے پسر کو کش ظاہر کیا ہے۔ وہ یافث کا داماد تھا۔ اور مدعی نبوت نیبوگس یا نبی کش کے متعلق عالم مسیحی پادری ہسلپ نے اپنی کتاب دو بابل میں مفصل کیفیت تحریر فرمائی ہے من یشاء فلیرجع الیہا۔

پس سوریہ کشیپ کا پسر اکشواکو تھا جس کے یک صد پسر ہوئے۔ کل اولاد کا ذکر شجرہ میں نہیں ملتا۔ البتہ ۱۳ بیٹوں کا حال سرسری طور سے بھاگوت پران میں مذکور ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ۵ پسر بندھیاچل اور ہمالیہ پہاڑ کے درمیان پورب کیطرف آریہ ورت میں سمندر تک ایک ایک ملک کے راجہ ہوئے۔ اور ۵ بیٹے مغرب میں۔ اور تین بیٹے وسط جنوب اور راجہ کے سنگھاسن پر۔

تاریخ سے گوتم بدھ کے متعلق یہ ظاہر ہوتا ہے کہ وہ بھی اکشواک کی نسل سے تھا۔ اکشواکو کا ایک پسر کپل نے شہر کپل وستو بسایا۔ اور یہی کپل بدھ کا مورث اعلیٰ ہے۔ شجرۂ ہند میں کپلاشو کا نام ملتا ہے لیکن وہ اکشواکو کا پسر نہیں دکھلایا جاتا۔ بلکہ محض اس کی نسل میں۔ اس سے یقین ہوتا ہے کہ شجرہ میں اکشواکو کے بیٹوں کا نام بے ترتیبی سے درج ہوا۔ جس کے باعث آیندہ نسلوں نے بیٹوں کو پوتے اور پروتے یا ان کی اولاد میں شمار کیا۔ جیسا آیندہ ظاہر ہوگا۔

راجہ اکشواکو کا پایہ تخت پٹالا تھا۔ جو وادی سندھ میں تھا۔ لہذا یہ کہنا درست ہوگا کہ اکشواکو پنچال دیش (پنجاب) کا راجہ تھا۔ اس نے بہت سی فتوحات حاصل کیں۔ بیٹوں کو مفتوحہ ممالک کا گورنر بنا کر بھیجدیا اور تین بیٹے علاقہ مقبوضہ یعنی وسط ہند۔ دکن اور پنجاب میں رہے۔ ستیہ ورت جسکو راوادھی پتی کہتے ہیں اغلباً جنوبی ہند میں تھا۔

ہندوستان کی قدیم آبادی میں دو قوموں کا پتہ چلتا ہے۔ اول کول۔ دوم دراوڑ۔ لیکن تیسری قوم بھی اس وقت تک علاوہ ان دو اقوام کے اپنی ہستی کا پتہ دیتی ہے۔ وہ بالکل برہنہ اور وحشی قوم ناگا کہلاتی ہے۔ اور بھاگوت پران میں بھی اس کا ذکر آیا ہے۔ ستیہ ورت بن اکشواک اسی قوم ناگا کا

جنگی ہو۔ کیونکہ سوریہ کی اولاد کے دیوتاؤں اور ہرنیہ کشیپو کی نسل کے دیتوں میں جنگ عظیم ہونا بھاگوت پُران
سے ثابت ہے راجہ بلی کا پاتال یا سطح مرتفع کے ممالک سے ہند کے میدانوں میں آنا تسلیم کرنا پڑتا ہے۔ یہ
کول اہلاد کی اولاد سے تھے۔

وسط ایشیا میں قزاقستان اسوقت موجود ہے۔ اس میں رہنے والے قزاق نسل کے لوگ ہیں" کے
زاکے" یا" کے شوکے" ایک ہی بات ہے۔ جنوب کے ممالک میں ناگا نسلوں کی خوشحالی کے افسانے سُنکر یا آپس
کے نزاع سے تنگ آکر یا ہندی خاندانوں کی طلبی پر راجہ اکشواکو نے شمالی دروں سے نکلکر پنجاب پر حملہ کیا۔
اور اسپر قبضہ کر لیا۔ اور رفتہ رفتہ اپنی سلطنت کو وسعت دی۔ شہر پٹالا اپنا پایہ تخت مقرر کر کے اپنے
بیٹوں کی زیر کمان فوجیں روانہ کیں۔ اور اسی طرح تمام ہندوستان پر رفتہ رفتہ اسی کا سکّہ رواں ہو گیا
اصلی وطن راجہ اشکواک قزاقستان معلوم ہوتا ہے۔ اغلباً یہاں کے باشندے راجۂ موصوف کی اولاد ہوں۔
کول اور ناگا مغلوب ہوئے۔ ناگا قوم ہندوستان میں آباد تھی۔ ان کا پایہ تخت قنوج تھا۔

※

اس موقع پر قابیل کا تذکرہ بعید از معنی نہ ہوگا

توریت کے مطابق قابیل اپنے بھائی کو قتل کرنے کے بعد جنوب کیطرف نودھایا دا نودہا، کی سرزمین
میں آبسا۔ اس کا پسر حنوک (عناق، بڑا شہزورا اور جبار ہوا۔ جن یا خن شکاری کو کہتے ہیں۔ یہ پہلا شخص ہے
جس نے دھاتوں سے اوزار بنائے اور ان کے ذریعہ نہتے مخالفوں پر زبردستی اپنی حکومت کا جُوا رکھا
اسی نے اپنے نام پر شہر بسایا جسکو آجکل قنوج کہتے ہیں۔ خنوک (کھنوک، یا قنوج تا حال اپنے بسانیوالی
کی یاد دلاتا ہے۔ جب کول ہند میں داخل ہوئے تو اولاد قابیل حکمران تھی۔ وہ یا مغلوب ہو گئے۔ یا اور کسی وجہ سے
قدیم باشندوں میں مل جل گئے۔ لیکن دوبارہ جب شمال سے آندھی اٹھی تو اس پایہ تخت قدیم کو بنیاد سے
ہلا گئی۔۔ ہوا خواہ اور شاہی نسل کے لوگوں نے فرار پر قرار پکڑا۔ کول اور ناگا (قابیلی) جسطرف موقع ملا
بھاگ گئے۔ ان فراریوں کی اولاد جو ناگا نسل سے تھے۔ ناگا پربت (برہما) میں تا حال موجود ہے۔
یہ دوبارہ حملہ کرنے والے دراوڑ نسل کے مورث اعلیٰ تھے۔ کیونکہ بموجب بھاگوت پُران ستیہ ورت
بن اکشواک دراوڑ آدہی پتی (قوم دراوڑ کا مورث اعلیٰ) تھا لیکن ستیہ ورت یا ترشنکو ناگا (قوم) کا نواسہ
تھا۔ پس یا تو لڑائی میں قنوجی سردار کی لڑکی قید ہو کر آئی۔ اور پسند ہو کر داخل حرم اکشواک ہوئی۔ یا لڑکی
کی شادی راجہ موصوف سے ٹھہرا کر قنوجی سردار نے اپنی جان بچائی۔ اس میں شک نہیں کہ ستیہ ورت
دراوڑ یا زراوڑا (زرہ ڈول تھا" اور" قدیم زبان کا لفظ ہے۔ جو سرحدی علاقوں میں اب بھی مستعمل ہے
قابیل (آدریا) آتش پرست تھا۔ اس لئے اس نسل کی لڑکی سے جو لڑکا پیدا ہوا۔ وہ پسر زن آتش پرست کہلایا

دراوڑ قوم کی یہ ابتدا ہے۔
اگر یہ اکشواکو ستیہ ورت کا پسر ہوتا وہ بھی دراوڑ کہلاتا۔ لیکن وہ اوتی کا پسر تھا نہ کہ نیمی (نمہ)، کا جو ستیہ ورت کی ماں تھی۔ اور اکشواکو کی زوجہ۔
راجہ اکشواکو کی ازواج کی تعداد معلوم نہیں۔ نہ کل بیٹوں کے نام کا پتہ لگتا ہے یکصد پسر کا ایک بیوی سے ہونا تو بمشکل سے باور آسکتا ہے۔ نیمی (وڈوا)، کا نام البتہ معلوم ہے۔ اکشواکو کے بیٹوں کا نام حسب ذیل ہو نگا۔ سریاتی۔ وشر۔ دہرشر۔ کرس۔ نرشینت۔ برشدہر۔ نبھگ۔ کوی۔ سدہومن۔ دیکوکش۔ وندھکاوی۔ پرونجی۔ جنک۔ اینا۔ اوداسو۔ پرتھو۔ نند وردہن۔ واسوگیندہ۔ سکیت۔ چندر۔ دیورات۔ یوناشو۔ برہدرت شاوست۔ مہاویریہ۔ شاوستی۔ سدہرتی۔ برہداشو۔ دہرشٹ کیتو۔ کولیاشو۔ ہریشو۔ ورڈاشو۔ کپیلاشو۔ بھدراشو۔ مرو۔ ہریاشو۔ پرتاپ نکنبھ۔ کرترتھ۔ واہولاشو۔ دیومٹھا۔ کرشاشو۔ وشتو۔ سیناجیتو۔ مہادہرت یووناشو۔ کرتارتھ۔ ماندھاتا۔ مہارومہ۔ پوروکنس۔ ابرکچھ۔ موچوکندجوگی۔ سورنروما۔ ترسدرسیو۔ ہاریت۔ ہرسوروما۔ ہرشو۔ ترشنگ یا ستیہ ورت۔ سردہوج۔ ورن جی۔ تری بندہن۔ ہرشچندر۔ رہتاشو۔ ہرت چھک۔ چمپا آنک۔ واسودیو۔ بجے۔ بھروک۔ برک۔ باہک۔ سگر اسمنجس۔ آنسومان۔ دلیپ۔ بھاگیرتھ۔ سرت۔ نابھ۔ سندھودیپ۔ ایوتایو۔ رتوپورن۔ سروکام۔ سوداس۔ سداس یا کلماش پاد۔ اشمک مولک یا دشرتھ۔ ہرسرام۔ ایڈوڈی۔ وشوسہہ۔ کھٹوانگ۔ دروباہو۔ رگھو۔ مہیشری آج۔
یہ صرف ۹۵ نام ہیں۔ ان میں چند نام دوبارہ اور سہ بارہ آئے ہیں۔ اغلبا یہ راوی کی غلطی ہے مثلاً یوناشو دو مرتبہ۔ ہریاشو تین مرتبہ اس طرح کل نام ۹۲ ہوتے ہیں۔ آٹھ بیٹوں کا نام معلوم نہیں۔ اگرچہ شجرۂ انساب میں صرف تین نام پسران اکشواک کے دئے ہوئے ہیں اور بقیہ اسماء اس کے بیٹوں کی اولاد کے ظاہر کئے جاتے ہیں لیکن واقعات تاریخی تبلاتے ہیں کہ راجہ جنک کی بیٹی سیتا کی شادی دشرتھ کے پسر رام سے ہوئی۔ رامچندرجی اکشواکو سے اٹھاونویں پشت میں ہوتے ہیں۔ اور سیتاجی تئیسویں پشت میں۔ اکشواکو کی نسل میں صرف ایک ہی جنک ہو۔ اس کی بیٹی سیتا نہیں۔ شجرہ میں سیتاجی کا پدر سروہوج ہو۔
یہ شادی اوسی صورت میں درست ہوسکتی ہے جبکہ دشرتھ اور جنک دونوں بھائی ہوں۔ نہ اسوقت کہ دونوں کے درمیان ۳۵ پشت کا فاصلہ ہو۔
اگر رام دشرتھ کا پسر ہے۔ اور سیتا جنک کی بیٹی تو یہ ضرور ہے کہ دونوں اکشواکو کے بیٹوں کی اولاد ہوں۔ علاوہ ازیں شجرہ میں نرگا کے پڑوتے واسو کی پڑوتی اور گھواتی کی شادی سدرشن سے دکھائی گئی ہے جو رامچندرجی سے سترہویں پشت میں ہو۔ یعنی اکشواکو کے بھائی نرگا کی ساتویں پشت اکشواکو کی اٹھترویں پشت کی زوجہ تھی۔ یہ اور بھی محال عقلی ہے۔

یہی صورت ریونی دختر ریوت بن انارت بن سریاتی میں پیش آتی ہے۔ جو زوجہ بلدیو بن لیندیو یا باسدیو تھی۔ جو انشواکو سے تینتیسویں پشت میں تھا۔

توریت سے ظاہر ہے کہ نوح علیہ السلام کے ساتھ کل اٹھ نفوس تھے جن میں حام کی عمر طوفان کے وقت تنو سال تھی۔ حام و یافث کو محققین یورپ سام سے بڑا بتلاتے ہیں۔ بلکہ یافث کو حام سے بھی بڑا کہتے ہیں۔ اس تحقیق کے مطابق یہ خیال کرنا بجا ہوگا کہ یافث طوفان کے وقت کم از کم چار سو یا پانچسو سال کا ہوگا۔ اور صاحب عیال بھی بلکہ اس کا پہلوٹھا بھی طوفان کے وقت ۳۰۰ یا چارسو سال کا ہوا۔ اور اس پہلوٹھے کا پہلوٹھا ۲۰۰ سال سے کم عمر نہیں ہو سکتا۔ اگر ترک خان یافث کا پہلوٹھا ہو تو اسکا بڑا بیٹا جسکا نام ہرنیہ کشیپو ہے۔ طوفان کے وقت ۲۰۰ سال سے کم نہیں تھا۔ اور یافث کا داماد کش (دیوسوت یا سوریہ) بھی اسکے لگ بھگ ہی ہوگا۔

شاہنامہ کے پڑھنے والوں سے پوشیدہ نہیں۔ ضحاک مرداس تازی کا پسر تھا۔ اسکو بیوراسپ دیکھزاری بھی کہتے تھے۔ ضحاک نے بطلبی سرداران جمشید اوس کی سلطنت کا خاتمہ کیا جو ۷۰۰ سال حاکم رہا۔ شاہنامہ کے مطابق اس کا شجرہ نسب حسب ذیل ہے۔

جمشید بن تہمورث بن ہوشنگ بن کیومرث۔

ہوشنگ یا ہوشوناگا بن کے باکیو مہرشی تھا۔ ناگا عناق (حنوک) ہے جو قابیل کا پسر ہے۔ اسکا ایک پسر عوبید تھا۔ اور جمشید اسی کی اولاد سے تھا جسکو ہوشنگ یا عوپسر حنوک کہتے تھے۔ یہ حنوک وہی قنوج کا بسانیوالا تھا۔ جس کا نام اس شہر کے نام میں اسوقت تک اپنی قدامت کا پتہ دے رہا ہے۔ عوبید یا دانا عو وہی عوج ہے جو طوفان نوح علیہ السلام میں پایاب اترا۔ ہوشنگ ہی نے جبرًا آتش پرستی کو رواج دیا۔ اور آتشکدہ کی بنیاد قائم کی جشن چار سدہ (ہولی) کی بنا ڈالی۔

اکشواکو کی نسبت معلوم ہے کہ وہ تمام ہند کا حاکم تھا۔ اس کا پایہ تخت پٹالا تھا۔ اور جمشید کی نسبت معلوم ہے کہ وہ کچھ عرصہ کابل میں رہا۔ سپہبد کابل کی لڑکی سے شادی کی۔ اور کیانی دیا قیانی نشان سے پہچانا گیا۔ کابل سے فرار ہو کر کشمیر پوشیدہ ہوا۔ اور گرفتار ہوا۔ اندریں صورت السداد وانفذ کے لئے اکشواکو کا قنوج سے وادی سندھ میں اپنی راجدھانی تبدیل کرنا تحت ضروری تھا۔ ہمیں یہ یقین کرنے سے کوئی امر مانع نہیں ہو سکتا کہ جمشید کا پایہ تخت قنوج تھا۔ اور فریدوں جس نے پھر ضحاک سے سلطنت چھینی۔ وہ سپہبد کابل کی لڑکی کی اولاد سے تھا۔ اغلبًا موجودہ آفریدی قوم اسی فریدوں کی یادگار ہے جس نے نہ صرف پنجاب فتح کیا بلکہ قزاقستان اور کل وسط ایشیا کی اقوام کو جو ضحاک کے اقارب وجدی تھے۔ تہ و بالا کر دیا اور اپنی سلطنت کا سکہ تمام ایشیا اور پنجاب میں چلایا۔

بیان بالا سے ظاہر ہے کہ اصولِ تاریخ نہ چار یا پانچ ہزار سال سے زیادہ نہیں ہے تاہم یوں اعتقادات کی بنا پر
کوئی ایک کو ہزار سمجھے۔ یہ اس کی مرضی۔ لیکن زمانے کی بحث کا مدار واقعات تاریخی پر
منحصر ہے۔ اعتقادات کی بنار پر اس کی بحث نہیں ہوتی۔

نیز یہ بھی اسی بیان سے ظاہر ہوگا کہ خاندان "کیا" حام
کی نسل سے اور خاندان "کیان" قابیل کی نسل سے ہے
کیائی اور کیانی میل جول سے دراوڑ قوم
ظہور میں آئی۔ ⁂ ⁂ ⁂ ⁂ ⁂ ⁂

⁂ ⁂ ⁂ ⁂ ⁂ ⁂ ⁂

⁂ ⁂ ⁂

⁂

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم والہ الطیبین والطاھرین

دیباچہ

※

هرگیاہے کہ از زمیں روید
وحدہٗ لاشریک لہٗ گوید

یہ دنیا بھی عجائبات کا گنجینہ ہے۔ ان پر غور کرنے سے ان کے صانع کے کمال کے جلوے نظر آتے ہیں۔ کہیں سبزہ زار ہے لالہ وگل کی قطار ہے۔ سرو و یاسمین کی بہار ہے تو دوسری جگہ بنجر ریگستان ریت کے ٹیلے یا ببول کے کانٹے اس عالم ہو کے نگہبان۔ ایک جگہ دن ہے۔ ہر طرف نور کی ضیا اور سفیدی کا راج نظر آتا ہے۔ دوسری جگہ رات کی سیاہی نے ہر شئی کو اپنے پردے میں ڈھانکا ہوا ہے۔ جدھر دیکھو وحشت برستی ہے۔ کالی کالی صورتیں بھوت کیطرح نظر پڑتی ہیں۔ الغرض جدھر نظر اٹھائیے مختلف مناظر قدرت نظر آتے ہیں جو اپنے وجود سے کسی صانع کا پتہ دیتے ہیں ایسے ایسے لاانتہا جلوے ہیں جو ایک قدیم لازوال کا سبق دیتے ہیں ذرہ ذرہ اسکی صنعت کا معترف ہے ان مناظر قدرت کا احداث ایک قدیم ہستی پر دال ہے اسکی بیمثل و یکتا ہونیکا مقر وہ ذات ایسی قادر ذو الجلال ہے جس نے ایک لفظ کن سے اس تمام عالم کو کتم عدم سے خلعت شہود بخشا۔ اور پھر معرض شہود سے عالم وجود کی بنا ڈالی۔ بیشک وہ ذات وحدہ لاشریک لہ ہے۔ نہ کوئی اس کا سہیم ہے۔ نہ عدیل۔ ہر ایک بلند اوس کے سامنے پست اور اسکے جاہ و جلال کا مقر عقلیں اس کے ادراک سے قاصر۔ اوہام اس کی کنہ دریافت کرنے سے عاجز۔ زبان اس کی تعریف میں لال۔ یا ھو یا من ھو یا من لا یعلم این ھو وکیف ھو ومتی ھو الا ھو۔ فلك الحمد حمداً محموداً انت اهله حمداً داعماً ابداً ؁

اپنی رحمت سے اس نے کل مخلوق کی ہدایت کی۔ تاکہ اس کی ضعیف مخلوق اس کی نافرمانی سے بچے اپنے خالق کو پہچانے اس کے قانون کی متابعت کرے اور اس کے غضب سے محفوظ رہے فسبقت رحمتہ علی غضبہ اس کی رحمت اس کے غضب پر سبقت لے گئی۔ اپنی اس رحمت کو اس نے اول خلعت شہود پہنایا اور پھر خلعت وجود سے ممتاز فرما کر اپنی مخلوق کی رہبری کے لئے بھیجا۔ تاکہ ان میں سے جو کوئی اس رحمت کے دامن سے وابستہ ہو وہ ہدایت پائے اور ابدی زندگی کا وارث ہو جس میں نہ سورج کی تپش کا خوف ہو۔ نہ سردی کے کڑاکے کا دھڑکا۔ لا یرون فیھا شمسا ولا زمھریرا

ذات واجب الوجود نور کو نورانی کرنے والی ہستی تھی۔ لہذا وہ خود نور ہوئی۔ اور اس کی رحمت جو اول مخلوق تھی نورانی قرار پائی۔ دوسری مخلوقات کے لئے ہادی بنی۔ خود رحیم تھا۔ اس لئے اس کی رحمت یعنی اول مخلوق رحمت للعالمین ٹھہری۔ آیۃ قرآنی وما ارسلنک الا رحمۃ للعلمین۔ اور حدیث شریف اول ما خلق اللہ نوری اسپر شاہد ہے۔

ہر ایک حادث الوجود کے لئے عالم وجود میں فسادنی الوجود لابد ہے اس لئے ضرورت ہے کہ ایک حادث وجود کے فاسد ہونے پر دوسرا حادث وجود اس کا قائمقام ہو جیسا کہ باپ کے بعد بیٹا یا بادشاہ کی غیبت میں اس کا نائب علی ہذا القیاس۔ عالم شہود کا عالم وجود لیکن عالم شہود کا اثر قبول کرنے کے لئے مادہ قابلہ کی ضرورت ہے جو عالم وجود میں اس اثر سے متاثر ہو کر عالم شہود کا قائمقام ہو سکے۔ بنا بر ایں ضرورت ہوئی کہ رحمت للعالمین کے عالم وجود میں آنے سے قبل اور عالم شہود کیطرف مراجعت کرنے کے بعد ایسے نفوس قدسی صفات دنیا میں موجود ہوں جو مابین خالق و مخلوق وسیلۂ ثانیہ ہو سکیں۔ اور وسیلۂ اول یعنی رحمۃ للعلمین کا اثر عالم شہود سے اخذ کر سکیں تاکہ مخلوق کی ہدایت کا باعث ہوں چنانچہ کلام پاک میں خداوند عالم اسی گروہ کا ذکر فرماتا ہے۔ وکذلک جعلنکم امۃ وسطا لتکونوا شھدآء علے الناس ویکون الرسول علیکم شھیدا (ترجمہ) اور ایسا ہی ہمنے تمکو امت وسطہ قرار دیا تاکہ تم لوگوں پر گواہ بنو۔ اور رسول تمپر گواہ بنے گا۔

اندریں صورت یہ گروہ خداوند بندگان خدا کے مابین وسیلۂ ثانیہ ہوا

ہر ایک دربار کا قاعدہ ہے کہ اس میں کچھ مقربین ہوتے ہیں۔ کچھ امرا و وزرا۔ یہ کل سلسلہ چنا ہوا ہوتا ہے حاکم اپنے لئے اپنی محکوم رعایا سے کچھ ایسے نفوس چھانٹ لیتا ہے جو نفیس ترین ہوتے ہیں۔ پھر ان کو یکے بعد دیگرے خود ہی مقرر کرتا ہے۔ رعایا کو اختیار نہیں ہوتا کہ دربار شاہی کے لئے۔ امرا، وزرا، مقرر کرے یا مقربین کا انتخاب کرے۔ لہذا احکم الحاکمین نے بھی اپنی رحمت کی نیابت کے لئے کچھ نفوس انتخاب کئے ان کی محبت مؤدہ اور متابعت کل مخلوق پر فرض کر دی۔ اس نیابت کو مخلوق کے انتخاب پر نہ چھوڑا قرآن پاک اسپر شاہد ہے جیسا کہ خلیفہ اول حضرت ابو البشر آدم علیہ السلام کی نسبت متواتر ذکر ہوتا ہے۔ نیز آیۃ محولہ بالا میں ایک گروہ کو مخاطب کر کے کل صنف آدم سے اس گروہ کے وجود پر نص کر دی۔ پھر اس گروہ مابین سے انتخاب کر کے دو گروہ قرار دیئے۔ ایک کو عالم وجود میں اقربائے قریب گردانا۔ اور دوسرے کو اقربائے بعید۔ ذریۃ بعضھا من بعض حب اقربائے قریبی وجود میں آئے تو فرمایا قل لا اسئلکم علیہ اجرا الا المودۃ فی القربی (ترجمہ) (اے محمد) تو کہدے کہ میں اس تبلیغ رسالت کا تم سے کوئی اجر نہیں مانگتا۔ لیکن اتنا کہ تم میرے عزیزوں سے دلی محبت رکھو۔ پس تمام امت اس مخصوص جماعت سے خارج ہو گئی۔ تاہم

اپنے انتخاب کو مبہم نہیں چھوڑتی۔ بلکہ ایسا واضح اور صاف بنا دیتی ہے کہ آنکھیں بند کئے بلا خوف و خطر راہ پر چلے۔ کیا ممکن کہ راہ بیراہ ہو جائے۔ لہٰذا اقربائے رسول کو گنتی کے چند نفوس میں محدود کرنے کے لئے لاینال عھدی الظلمین کی شرط لگا دی۔ اور نیابت رحمۃ للعلمین اقربائے رسول سے ان نفوس میں محدود ہو گئی جو ظالم نہ ہوں۔ بقیہ گروہ اس سے خارج ہو گیا۔

اب اس صفت ظلم کے سمجھنے کی ضرورت ہوئی۔ تاکہ جس میں یہ صفت نہ ہو عہد الٰہی کا حامل سمجھا جائے ورنہ ہزار ہا مدعین میں سے کس کو حق پر کہا جائے اور کس کو حق کے خلاف۔

ظالم وہی نہیں ہوتا جو کسی دوسرے نفس کو بلا قصور ستائے۔ بلکہ ظالم وہ ہے جو کسی شے کو اس کے مقام مخصوص سے گھٹائے یا بڑھائے۔ مثلاً زید فاجر و فاسق ہے۔ بکر زاہد و عابد ہے۔ اب اگر عمر یا خالد زید کو زاہد متقی و عبادت گذار بتلائے اور بکر کو اس کے برعکس۔ تو یہ ظلم ہے لیکن اس کا امکان ہو سکتا ہے کہ زید زاہد و متقی اور بکر فاسق و فاجر بنجائے۔ لہٰذا عمر یا خالد کا خلاف واقعہ بیان کرنا ظلم تو ضرور ہے لیکن ظلم عظیم نہیں ہاں اگر وہ زید کو ایسے اوصاف سے متصف کرتے جسکو انسان حاصل نہیں کر سکتا بلکہ وہ صرف ذات الٰہی کے شان شایاں ہوں تو یہ ظلم عظیم کہلائیگا۔ کیونکہ اس میں حدود عبدیت سے تجاوز کرکے زید کو معبود کا ہم پلہ بنا دیا ہے۔ لہٰذا یہ شرک ہے۔ اور شرک ظلم عظیم ہے۔ پس ہر ایک قسم کا گناہ ایک نوع ظلم ہے یعنی معمولی ظلم ہے یا درمیانی درجہ کا۔ یا عظیم۔ لیکن سب ظلم ہی کہلائینگے

لاینال عھدی الظلمین فرما کر خداوند عالم نے نیابت رحمۃ للعلمین کو ایسے گروہ میں مخصوص کر دیا جو صفت ظلم سے قطعاً بری ہوں۔ پس نائبان رحمۃ للعلمین خلیفہ اول حضرت آدم علیہ السلام سے لیکر خلیفۂ آخر حضرت قائم علیہ السلام تک سلسلۂ معصومین علیہم السلام ہے جسکو کلام پاک میں شجرۂ طیبہ کے لقب سے ممتاز کیا گیا ہے۔ انبیاء کی عصمت تو عقلاً ضروری ہے لیکن ختم نبوت کے بعد اس کا دعویٰ تسلیم کرنا سخت مشکل تھا۔ اس لئے خداوند عالم نے گروہ مخصوص کی عصمت پر خود ہی مہر لگا دی اور ان اقربائے رسول کو اہلبیت رسول میں محدود کر دیا۔ چنانچہ فرماتا ہے۔ انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت ویطھرکم تطھیراً۔ (ترجمہ) اے اہلبیت رسول خدا ارادہ کرتا ہے کہ تم سے ہر قسم کے رجس کو دور کر دے۔ اور ایسا پاک کرے جو پاک کرنے کا حق ہے۔

اندریں صورت وہ گھرانہ جو نیابت رحمۃ للعلمین کے لئے منتخب ہوا۔ یہ رسول کا گھرانہ تھا۔ اور اسمیں سے صرف وہ نفوس طیب انتخاب میں آئے جنکو رسول اللہ صلعم نے اپنی کملی میں لیکر اسوقت محدود کر دیا باقی کل موجودہ اقربائے و اہلخانۂ رسول اس گروہ نائبین رحمۃ للعلمین سے خارج ہو گئے۔

یہ عطیۂ الٰہی ہے جسکو جس قابل دیکھا عطا کیا۔ ان اللہ یخلق ما یشاء و یختار ما کان لھم الخیرۃ

یہ خدائی منشاء پر منحصر ہے جسکو چاہے پیدا کرے۔ اور جسکو چاہے اپنے لئے ...

اختیار نہیں ملائکہ وہ منتخب کرے۔ خدا نے کسی کو وقف کر دیں کے رکھو ملت ... شاہ شیدا مد
پس نیابت رحمۃ للعلمین عہدۂ منصوص ہوا شوری مخلوق کو اس میں دخل نہیں ہو سکتا۔ خواہ ملائکہ ہوں
یا انسان ضعیف البنیان۔ خلافت قبل از وجود فی الارض رحمۃ للعلمین ہو یا بعد از انتقال از عالم وجود
ہر دو صورت میں نیابت عالم شہود ہوگی جیسے قبل از وجود تقرر خلیفہ بحکم خدا ہوا اور شوری ملائکہ نا
منظور رہا اسی طرح بعد انتقال رحمۃ للعلمین از عالم وجود بھی تقرر خلیفہ شوری سے نہیں ہو سکتا۔ بلکہ انی
جاعلٌ فی الارض خلیفہ کے ماتحت جسکا انتخاب خدا کرے وہی خلیفہ ہوگا۔ اور لا ینال عھدی الظلمین
کی شرط کو پورا کرے گا

اس لئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے امت کو بتلایا۔ انی تارك فیکم الثقلین کتاب
اللہ وعترتی اھل بیتی فما ان تمسکتم بھما لن تضلوا بعدی فانھما لن یفترقا حتے یردا علی الحوض
(ترجمہ) میں تمہارے درمیان دو گرانقدر چیزیں چھوڑے جاتا ہوں۔ کتاب الٰہی اور اپنی اہل بیت
عترت (ذریت)۔ پس اگر تم ان دونوں سے وابستہ رہے تو میرے بعد کبھی گمراہ نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ
یہ دونوں ایک دوسرے سے جدا نہ ہوں گے۔ یہانتک کہ حوض کوثر پر مجھ سے ملیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مطلب اس سے یہی تھا کہ قرآن کی تاویل تشریح معانی و
مفہوم منطوق ومطلوب تمکو میری اہل بیت سے لینا چاہئے جنکو یہ علوم حاصل ہیں۔ ان سے دریافت کرو ہدایت
پاؤ گے۔ حکم خدا بھی یہی ہے۔ فاسئلوا اھل الذکر ان کنتم لا تعلمون (ترجمہ) اگر تمہیں معلوم نہ ہو تو ذکر
کے اہل (اہل بیت یا آل محمد) سے دریافت کرو۔ چنانچہ جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے
بعد کے معلم اپنے نائب کا نام ونشان بتلایا۔ اور فرمایا۔ انا مدینۃ العلم وعلی بابھا فمن اراد العلم
فلیات الی الباب۔ پس جس علم کے رسول مقبول شہر ہیں اس کا دروازہ علیؑ ہیں جو اس شہر میں داخل
ہونا چاہے وہ علیؑ کے پاس آئے۔ دوسرا کوئی دروازہ ایسا نہیں جو اس شہر میں پہونچائے۔ اگر علیؑ
کے سوا کوئی دوسرا دروازہ بھی ہو تو قول رسولؐ (معاذ اللہ) جھوٹا ہے۔ ورنہ اس قول نے علی کے در
کے سوائے اور سب دروازہ بند کر دئے ہیں۔ لہذا علی اول امت وسطی یا وسیلہ ثانیہ اولی (بعد از
رحلت رسول اللہ) مابین خالق ومخلوق قرار پائے۔ جیسا کہ حضرت آدم علیہ السلام خلیفہ اول وو سیلہ
ثانیہ اولی (قبل از ولادت رحمۃ للعلمین قرار پائے۔ یہ ہی خلافت مطلقہ الٰہیہ جسکو نیابت رحمۃ للعلمین کہتے ہیں
دنیاوی اقتدار یا وشاہت کو اس سے کیا نسبت ؎ چہ نسبت خاک را با عالم پاک۔

خیر خدا نے ہدایت خلق میں کوئی دقیقہ نہیں چھوڑا۔ اپنی مخصوص مخلوق کی متابعت کا پورے زور
وشور سے اعلان کیا۔ ایک طریقہ سے نہیں بلکہ متعدد پہلو سے لیکن یہ حضرت انسان ایک ایسی ہستی نکلی

برحق۔ لیکن خلیفہ رسول وہی ہوگا جسپر اجماع واقع ہوجائے۔ اللہ! اللہ!! اور لیجئے۔ بعض نے اسپر بھی ترقی کی۔ اور وجود رحمۃ للعلمین کی منکر ہوگئیں۔ بعض نے ایک قدم اور بڑھایا۔ واجب الوجود کی ہستی سے انکار کردیا۔ نہ خدا ہوگا نہ شریعت کی پابندی عائد ہوگی۔ غور سے دیکھا جائے۔ تو ایسے منکرین کو مبہوت کرنے کے لیئے ہی ہادیان خلق کی ضرورت ہوتی ہی۔ ان برگزیدہ ہستیوں سے وقتاً فوقتاً ایسے معجزات اور خرق عادات ظاہر ہوتے ہیں کہ جس سے منکرین کو آخر کار اقرار حقانیت کرتے ہی بنتی ہی۔ یہ معجزات اسوقت تک باقی رہتے ہیں جب تک اوصیائے نبی مذکور باقی ہیں اور اس کے بعد غائب۔ مثلاً ید بیضائے موسیٰؑ عصائے موسیٰؑ۔ احیائے اموات عیسےٰ علیہ السلام ان کی امت سے مفقود ہیں۔ اگرچہ لاکھوں نہیں بلکہ کروڑوں نفوس ان کی متابعت کے مدعی ہیں اسکی وجہ یہ ہی کہ بقائے معجزہ وجود فی الارض معجز نما یا وصی معجز نما کو چاہتا ہے۔ نہ وہ موجود ہیں نہ معجزہ ان کی امت میں باقی ہی۔

قرآن شریف من حیث التنزیل و تاویل فصاحت و بلاغت تعلیم و تدوین معجزہ ہی معجزہ اسکو کہتے ہیں جس کے مثل و مانند پر عوام الناس فرداً و اجتماعاً قادر نہ ہوں۔ پس معجزہ صداقتِ معجز نما پر زبردست علامت اور الہی شہادت ہی۔ قرآن بہیئت معجزہ اپنے دعوئے اعجاز میں اور اپنی بقا میں معجز نما یا وصی معجز نما کا محتاج ہوگا۔ کیونکہ قاعدۂ مقررۂ مستمرہ یہی ہی۔ لیکن وصی رسول وہی ہے جسکو بحکم خدا خود رسول مقرر کرکے اعلان کرے۔ ورنہ وہ رسول کا نمایندہ نہیں ہوگا۔ بلکہ ان لوگوں کا نمایندہ ہوگا جنھوں نے اسکو چنا۔ پس رسول کا نمایندہ داعی الی الحق ہی۔ بلکہ مجسّم حق ہی۔ جیسا کہ فرمان رسول الحق مع علی و علی مع الحق والحق یدور معہ حیثما دار۔ (ترجمہ (حق علی کیساتھ اور علی حق کیساتھ ہی بلکہ حق اسیطرف گھومتا ہی جطرف علی گھومتا ہے) سے ثابت ہوتا ہے۔ بنا بریں تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ اعجاز قرآن کا حامل۔ اس دنیا میں ذریت رسول سے ضرور موجود رہا۔ اور موجود فی زمانہ ہی۔ ورنہ بصورت دیگر معجزہ قاعدہ مستمرہ کے مطابق عرصہ سے مفقود ہوگیا ہوتا۔

ایک دوسرا معجزہ بھی ہی جس کا ذکر کلام پاک میں ان الفاظ میں موجود ہے۔ اقتربت الساعۃ وانشق القمر۔ جب وقت مقررہ آیا۔ چاند پھٹ گیا۔ تحقیقات زمانہ حال سے ظاہر ہے کہ چاند زمین کیطرح کا ایک سیارہ ہی۔ جس میں پہاڑ دریا جنگل بیابان حرارت یبوست وغیرہ سب ہی ہونے ضروری ہیں جیسا کہ زمین میں ہیں۔ لیکن جسوقت چاند کے دو ٹکڑے ہوئے حرارت لامحالہ زائل ہوگئی اور برودت اس کی جگہ آ رہیگی۔ جسکا خاصہ قطع نسل ہی۔ لہذا موجودات قمر سب منجمد ہوگئی ہوں گی۔ اور آثار فناہر طرف ظاہر۔ زمانہ حال کی تحقیق کے بموجب چاند میں آبادی نہیں نہ وہ اسباب جنپر حیات کا مدار ہے۔ مثلاً ہوا پانی وغیرہ لیکن آثار اس قسم کے موجود ہیں جن سے ان ذرایع معیشت کا کسی گذشتہ زمانہ میں

از قبل اسقدر عرصہ سے ایک دوسرے کے ساتھ چپکی رہنا اور [illegible]
علیحدہ نہ ہونا۔ وجود معجز نما یا وصی معجز نما کی زبردست دلیل ہی۔

ہدایت کے دو طریقہ ہو سکتے ہیں۔ تقریری و تحریری۔ اول الذکر کچھ عرصہ کے لئے کار آمد ہوتی ہے۔ پھر امتداد زمانہ کے باعث نسیان کا شکار ہو جاتی ہی۔ یا قصۂ پارینہ سمجھکر اس کے منطوق و مفہوم میں شاخیں پیدا ہو جاتی ہیں جس کا اصلیت سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ اس کی روک تھام کے لئے تحریری طریقہ تعلیم کی ضرورت ہوئی کیونکہ اس کا اثر دیرپا اور وسیع ہی۔ لیکن یہ جدت پسند طبائع انسانی بھی خاموش رہنے والی نہیں۔ اختراع کا بازار چمکا۔ اصلی تعلیم و معانی معلم کے خلاف عجیب و غریب معانی نئی نئی تاویلیں ہونے لگیں۔ یہانتک کہ اصلی تعلیم عنقا ہو جاتی ہے۔ اور اختراعی بیگم تخت ہدایت کی مالکہ بنجاتی ہی۔ اور پھر اس کا سکہ ایسا رائج ہوتا ہے کہ اصلی تعلیم کا نشان بھی نہیں رہتا یہی وجہ ہی کہ زمانہ موجودہ میں باوجود کوشش بلیغ اصلی نسخہ جات اسفار انبیاء یا اُن اسفار کی مصدقہ نقلیں دستیاب نہیں ہو سکتیں۔ اب جو کچھ میسّر ہے وہ گذشتہ قصہ کہانیوں ضرب الامثال کہاوتوں کی صورت میں۔ یا ایسے رموز ہیں جن کو تغیر و تبدل کرنا بے سود سمجھا گیا۔ کیونکہ ان کا سمجھنا خود ہی چیستان کا ہم معنی تھا۔

بڑی چھان بین اور تحقیق و تدقیق کے بعد محققین اس امر پر متفق ہوئے ہیں کہ موجودہ رسم الخطوط کسی قدیم طریق تحریر کی ترمیم شدہ شکلیں ہیں۔ مثلاً خط میخی۔ خط سرو وغیرہ۔ اور یہ قدیم طریقہ تحریر قدیم ترین خط نسخ کے مرہون منت ہیں۔ جس کو نئی زمانہ خط تصاویر (ہیرو گراف) کہتے ہیں۔ مثلاً مکان سے مکین مراد لینا۔ خوشہ چین سے کاشتکار۔ گھوڑے سوار سے سردار۔ اگر ترکش لگائے ہوئے ہو اور کمان ہاتھ میں لئے ہوئے۔ تو "خان" یا سردار فوج زرہ پوش بیل سے پہلوان جنگجو۔ اگر پر پرواز بھی رکھتا ہو تو پہلوانوں کا سردار۔ اُسپر مستزاد اگر تاج سر پر ہو تو شاہنشاہ۔ شاخ درخت سے اولاد یا نسل۔ غرضیکہ مطلب کو کسی طریقہ سے ذہن نشین کرنا مدنظر.... ہوتا تھا۔ یہ طریقہ کسی خاص زبان کی ملکیت نہیں ہو سکتا۔ ہر ایک زبان میں اس کا ترجمہ اس کے رواج کے مطابق ہم معنی ہی ہو گا۔ البتہ مترجمین کے مذاق و استعداد کے مطابق کم و بیش تغیر ضرور آ جائیگا۔ مثلاً چینی طریقہ تحریر کل علاقہ چین و ماچین تبت و تاتار جاپان و جزائر میں رائج ہے لیکن زبان ہر ایک جگہ کی مختلف ہی۔ ایک چینی اپنی زبان میں کسی جاپانی یا تبتی کو خط لکھتا ہے جو چینی زبان سے ناواقف ہی، یہ مکتوب الیہ اس خط کو اپنی زبان میں پڑھتا ہے۔ اور چینی کاتب کا مطلب حل ہو جاتا ہے۔ زمانہ کی رفتار اور بعد ممالک جدت پسند طبائع اختراعات پسند انسان اپنی سہولیت کی تجویزیں سوچتا رہتا ہے۔ چنانچہ رفتہ رفتہ مختلف ممالک میں علماء نے

گذرتا گیا۔ اور یہ شکلیں بھی بدلتی گئیں۔ یہاں تک کہ زمانہ موجودہ کے رسم الخط وجود میں آگئے۔ اس طرح سے فاصلہ کے ساتھ زبان اور رسم الخط بدلتے بدلتے اتنی زبانیں اور رسم الخط دنیا میں پھیل گئے۔ اور پھیلتے جاتے ہیں۔ بابل قدیم کے برآمد شدہ کتبے اس بیان کے موئد ہیں

اہرام مصر خصوصًا مینار اعظم کی نسبت بھی یہی خیال پیدا ہوتا ہے کہ یہ بھی اسی ابتدائی قسم کی طرز تحریر میں کسی قدیم زمانے کی نبی کی پیشینگوئی ہی۔ یہ خیال یقین کی صورت اختیار کر لیتا ہی۔ جبکہ ہم امام ضامن ثامن حضرت علیؑ ابن موسیٰ الرضا علیہم وعلی آبائہم الآف التحیۃ والثنا کے اس ارشاد پر غور کرتے ہیں۔ جو آنحضرت نے بجواب مامون عباسی فرمایا تھا۔ کہ "یہ مینار خزانۂ امام ہے"۔ خزانۂ امام دولت دنیاوی نہیں ہوتی بلکہ علم ان کی دولت ہی۔ جو میراث انبیا ہے۔ لہذا یہ کہنا کہ یہ مینار کسی قدیم زمانہ کے نبی یا وصی نبی کی یادگار ہے بعید از قیاس نہیں ہو سکتا۔ اب صرف یہ معلوم کرنا رہا کہ آخر یہ کس نبی کی یادگار ہو سکتی ہی؟ روایات اس امر کی مؤید ہیں کہ تحریر کی ابتدا حضرت اخنوخ یعنی حضرت ادریس علیہ السلام سے ہوئی۔ آنحضرت طوفان سے پیشتر کی دنیا کے آخری نبی ہیں۔ اگر ہم حضرت نوح علیہ السلام کو دنیائے موجودہ میں شمار کریں۔ اس وقت ہر ایک فن اپنے انتہائی عروج پر تھا۔ لہذا آثار نبوت کو اس طریق سے آیندہ کے لئے یادگار رکھنا مدنظر تھا کہ جدت پسند انسان کی دست برد سے محفوظ رہے۔ اور ایک خاص مدت تک محفوظ رہکر اپنے وقت مقررہ پر رفتہ رفتہ آثار و علوم گذشتہ مخلوقات الٰہی پر منکشف کرے۔ راز نجات عالم یعنی نبوت آخری کا ثبوت اپنی غیر محو ہونیوالی تحریر میں پیش کرے اور شہادت دے کہ مسیا وہ ہی جو ذبیح کی نسل سے اس قدر عرصہ ابتدائے ولادت آدم ثانی علیہ السلام سے (۴۷۷۸ برس) گذر جانے پر ظاہر ہوگا۔ نہ کہ وہ جو اسی ابتدا سے ۴۹۱۴ برس گذر جانے پر اپنا زمانہ ختم کرتا ہے۔ نیز یہ ظاہر کرنا کہ لفظ مسیا سے خمسۂ نجبا کا ایک وقت میں ہونا مراد ہے
درس کی ابتدا بھی حضرت ادریس علیہ السلام سے منسوب ہی۔ اور علم نجوم بھی۔ نجوم کے لئے علم مساحت و علم ہندسہ و علم الاشکال ضروری ہے مینار مذکور میں کل علمی نکات موجود ہیں۔ آثار و علامات علوم ایک خاص طرز تحریر میں روشن نظر آتے ہیں۔ لہذا اسکو آنحضرت علیہ السلام سے منسوب سمجھنا قرین عقل ہی۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ مینار آنحضرت کے آثار و نبوت اپنے سینہ میں لئے ہوئے ہے۔ جیسا کہ کلام امام علیہ السلام سے اس کا پیشینگوئی ہونا ہویدا ہی۔

اہرام مصر سے صرف وہ مینار جیزہ مراد لئے جاتے ہیں۔ ان کے اندر ذیل کے خاکہ کیطرح راستے اور مکان بنے ہوئے ہیں۔ اگر راستہ سے سلسلہ اور مکان سے گھرانہ یا خانوادہ مراد لیا جائے جیسا کہ اصول تحریر تصاویری ہی تو اس سے یہ امر ذہن نشین ہو جائیگا کہ سلسلہ ہدایت ایک گھرانہ میں محدود تھا ایک خاص [illegible]

کا وجود صرف اس امر پر مامور رہا کہ مخلوق الہی کو صراط مستقیم سے گذرنے نہ دے اور حتی الوسع سطح
کے ہمراہ رکھے ۔ اسکو اصطلاح میں کمال نفس کہتے ہیں۔ دوسری شاخ اس امر پر مامور ہوئی کہ مخلوق
الہی کی درجہ کمال نفس سے ترقی کر کے معراج نفس کے مدارج عالیہ پر فائز ہونے پر رہبری کرے
مینار دوم میں محض سلسلہ ہدایت کی اصل و فروع اور فرو عات کی ہدایت کی غایت دکھلانی مقصود
تھی۔ اور مینار اول میں ان کی تعلیمی و تبلیغی زندگی کا زمانہ دکھلانا مدنظر تھا۔ پس یہ کہنا بیجا نہیں ہے
کہ مینار دوم مینار اول کے خاکے کی کلید ہے۔

(ب) مینار دوم

(۱) مینار اول

خاکہ حسب بیان نیقودیمس کاتب (7) مندرجہ انجیل برنباس فصل ۱۹۱
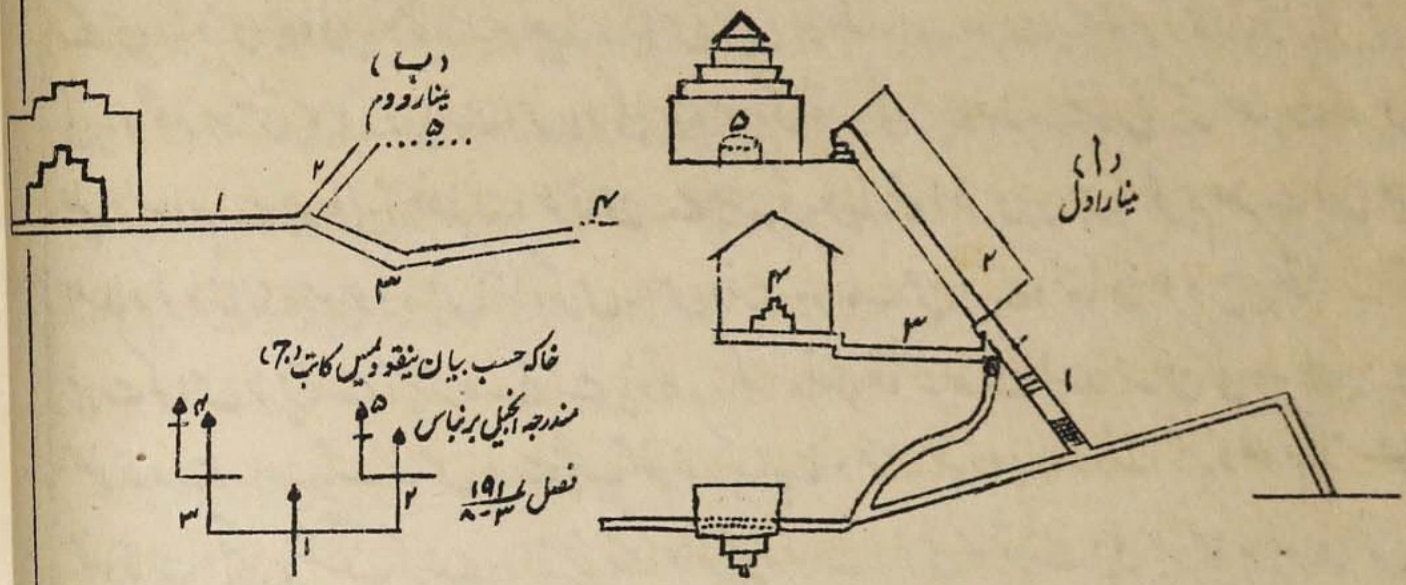
مینار ہائے مذکور میں خاکہ ہائے مندرجہ (۱)، و (ب)، کے مطابق چونے پتھر کی نہ مٹنے والی تحریر
میں وہ تفصیل موجود ہے جس کے مختلف زمانوں کی تشریح کی کوشش ان اوراق میں کی گئی ہے۔ یہ عرض
کر دینا بھی ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اس خاکہ کی تائید کتاب ناموس (خروج ۲۷) سے بھی ہوتی ہے۔
من یشاء فلیرجع الیہا

ان خاکوں سے زمانوں کی تشریح کرنے سے پیشتر یہ ظاہر کر دینا بہتر معلوم ہوتا ہے کہ مینار ہائے
مذکور کے علمی خزانوں پر حضرت انسان کو کب دسترس ہوئی؟ اور اسقدر عرصہ تک ان کا کس مپرسی
کی حالت میں پڑا رہنا کیا مصلحت ہو سکتی ہے۔ وما توفیقی الا باللہ العلی العظیم۔

اٹھارہویں صدی عیسوی تاریخی اعتبار سے عام ازادی مذاہب کا زمانہ تھا۔ اس سے پیشتر کی
اندھا دھند تقلید سے پناہ بخدا۔ ذرا کسی کی زبان سے تعلیم علماء کے خلاف کوئی حرف نکلا اور کفر کے فتوی
نے بیچارے کو ہمیشہ کے لئے ٹھنڈا کر دیا۔ ایسے تاریک زمانہ میں علم فلسفہ ہیئت، مساحت وغیرہ کے رموز

اور اس علمی خزانہ کی اینٹ سے اینٹ بجا دینا بھی اول لوگوں کو کچھ بعید نہ تھا۔ سب سے پہلے مامون رشید عباسی نے خزانہ حاصل کرنے کی طمع میں اس مینار کے اندر داخل ہونے کی کوشش کی۔ نقب لگایا گیا۔ اور راستہ کھلنے پر اندر پہونچے۔ لیکن جس خزانہ کی اس کو تلاش تھی وہ یہاں موجود نہ تھا۔ اس لئے مزید تحقیقات کا سلسلہ تقریباً ساڑھے آٹھ سو سال تک بند رہا۔ یہاں تک کہ اٹھارہویں صدی عیسوی میں علمائے یورپ نے کلیسائے کا زبردست جوا اپنی گردن سے اتار پھینکا۔ اور بلا خوف تکفیر ہر ایک آزادانہ اپنی رائے کا اعلان کرنے لگا۔ علم کی روشنی میں تحقیقات کی چاشنی نے قند مکرر کا لطف پیدا کیا جہالت و تنگ نظری کی جگہ علم و وسیع النظری نے اپنے قدم جمائے اسی دور آزادی میں ان سربمہر عمارات کی چھان بین شروع ہوئی۔ علمانے ان کی ساخت کیوجہ اور غایت دریافت کرنے میں سعی بلیغ کی۔ ان کی محنت کے ثمرے ہم بھی فائدہ اٹھانے کے قابل ہو گئے۔

یہ دونوں عمارتیں منارہائے جزع کہلاتی ہیں۔ ایک بڑی عمارت ہے دوسری چھوٹی۔ لیکن چھوٹی عمارت سرسری نظر سے دیکھنے والے کو بڑی معلوم ہوتی ہے جیسا کہ سطحی نظر سے دیکھنے والے حضرت مسیح علیہ السلام کو حضرت مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر فوقیت دیتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ دوسری پہلی کی نسبت بلند مقام پر بنی ہوئی ہے (جیسا کہ مسیح علیہ السلام سارہ کی اولاد سے تھے جو انبیا کی نسل سے تھیں۔ اور حضرت مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ ہاجرہ کی اولاد سے جو قبطی نسل سے اور حام کی اولاد تھیں یہ دونوں زمینوں کا سطحی فرق ہے۔ عمارت کو اس فرق سے نہ فائدہ ہو سکتا ہے نہ نقصان) مینار اول میں خاکہ منارجہ (ا) کے مطابق مکانیت ہے اور مینار دوم میں خاکہ (ب) کے مطابق۔ دوسری صورت پہلی صورت کی کلید معلوم ہوتی ہے۔ تحقیقات سے یہ ثابت ہوا کہ مصر میں تقریباً ۸۰ میناروں میں صرف یہی دو مینار ایسے ہیں جن میں قبروں کا کوئی نشان نہیں۔ دوسرے میناروں میں ہزاروں کاسۂ سر دستیاب ہوئے۔ بعض محققین علمائے یوروپ نے ان میناروں کی نسبت بڑی ضخیم تصانیف شائع کی ہیں ان تصانیف سے ایک مختصر سا خلاصہ ذیل میں پیش کیا جاتا ہے۔ جو خالی از دلچسپی نہ ہوگا۔ اسی بیان سے یہ معلوم ہوگا کہ انسانی طبائع نے اپنی جولانی کس کس صورت میں دکھلائی۔

نوٹ۔ بیان متذکرہ بالا میں ایک لفظ "قبطی" آیا جو تشریح طلب ہے۔ ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ قبطی اور ہندی نسلیں اگر کل نہیں تو بعض ایک ہی ہیں۔ یہ قدیم زمانہ کا لفظ ہے جو "قا" "بیت" اور یائے نسبتی سے مرکب ہے "قا" یا "کے" کش بن حام کا نام ہے جسکو قاموت بھی کہتے ہیں۔ یہ شخص بڑا ماہر علم موسیقی معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ سروں اور لنغموں کی ایجاد اس کی ذات سے وابستہ نظر آتی ہے۔ جیسا کہ الفاظ سرگم نغمہ گیمٹ وغیرہ میں اس کا نام شامل ہونا ظاہر کرتا ہے۔ سرگم گیمہ کی الاپ نائے غیمہ (نغمہ) غیمہ کی آواز میں گیمہ یا گیم یا غیمہ لفظ قاموت کی دوسری شکل ہے۔ خود قاموت بھی مرکب لفظ ہے جو اصل میں قا سی موت تھا عربی

[illegible] عربی زبان میں کثرت استعمال سے ان کا قاموت بنگیا

ہوت یعنی سورج "عالم لاہوتی" میں اب تک موجود ہے۔ اس سے مراد وہ زمانہ ہے جس میں سورج موجود نہ تھا۔ اسی طرح عالم ملکوتی سے وہ زمانہ مراد ہے جس میں صرف فرشتے ہی تھے۔ اور عالم ناسوتی وہ زمانہ ہوا جس میں حضرت انسان نے (ناس) یا نسناس (خناس دبی جان) نے ظہور کیا۔

یہی قبط ہندی زبان میں بھی موجود ہے۔ چنانچہ قدیم شاعر و گویئے کبت کہلاتے تھے۔ کے بیت یا قابیت ملتے جلتے ہم معنی الفاظ ہیں۔ اور قبطی یا کبیت شاعر کا خطاب ہے۔ جو قاموت کے فن میں مہارت رکھتا ہے۔ (حام کا نام اطلس ہے۔

ترجمہ از کتاب پیرامڈ پے سیجز جلد اول (

مینار مصر کی اصلیت بنائے مینار کا مقصد اور عام تذکرے

دنیا کی سات بڑے عجائبات میں مصر کے مینار بھی شامل ہیں۔ بلکہ ان سب کے سرتاج۔ بدیں وجہ کہ یہ قدیم ترین اور بہت ہی بڑی عمارت ہے۔ اس کو ہر ایک پہلو سے عجیب ترین تسلیم کیا گیا ہے مظبوطی کے لحاظ سے تو یہ بے نظیر ہے۔ کیونکہ منجملہ سات کے ایک یہی پرانی عمارت باقی رگئی ہے۔ جو اکتالیس صدیوں سے خاموشی کے ساتھ دریائے نیل کے دہانہ پر پہرہ دے رہی ہے۔

(نوٹ: محققین یورپ کے نزدیک اس عمارت کی عمر ۴۱ صدیاں ہوتی ہیں۔ جو کسی طرح قابل قبول نہیں ہوسکتیں۔ کیونکہ طوفان کے بعد زمین پر انسانی آبادی کے پھیلنے کے لیے ایک عرصہ درازکی ضرورت ہے۔ اور کم از کم ۳۰۰ یا ۴۰۰ برس تک صرف مصر میں اسقدر آبادی ہونی قرین عقل نہیں جو تعمیر مینار کلاں کے لئے کافی ہو سکے۔ نہ اس ابتدائی زمانہ میں ایسی مشنیری کا پتہ چلتا ہے جو میناری کو ہزار شہتیروں کو ان کے مقام مطلوب تک پہونچا سکے جیسا کہ آیندہ مذکور ہوگا۔ پس یہ بہت ممکن ہے کہ دوسرے مینار کی عمر اسقدر ہو جسقدر کہ مذکور ہوئی۔ اور طوفان کا نشان مینار اول میں ملنا تعجب خیز نہیں جبکہ ہم اس کو آیندہ واقعات کی پیشینگوئی فرض کر چکے تو اس کی تعمیر کے بعد میں ہونے والے کل واقعات اس میں موجود ملیں گے۔

علاوہ ازیں اسی قسم کے مینار جنوبی امریکہ میں بھی پائے جاتے ہیں۔ لیکن آبادی کے لحاظ سے ان کا اس ملک میں تیار ہونا اور بھی مشکل معلوم ہوتا ہے۔ الا یہ سمجھنا کہ کسی زمانہ میں امریکہ بھی پورانی دنیا

۵ھ موسیقی کی اصلی کتابی صورت موثیقی ہوتی ہے جو ہوثی قی سے مرکب ہے۔ ہے یعنی ابن ہوثی یعنی ہورس یا حور جس کی کتابت خور بھی ہے حور یا خور سورج کو کہتے ہیں۔ علاوہ ازیں اتھ یا اث یعنی سیاہ نام ہے جو حام کا لقب ہے اس لئے اسکو ایتھیپ اور ملک حبش کو ایتھیوپیا کہتے ہیں۔ قی گش کا نام ہے جس کی دوسری کتابت قا اور [illegible]

کیساتھ پیوست ہے کیفدر اس کو نقل بنا دیتا ہے۔ تحقیقات حال کے مطابق تو یہ خیال درست ہے کیونکہ
امریکہ کا مقررہ رفتار سے مغرب کیطرف چلنا بیان کیا جاتا ہے۔ اب اگر اسی مقررہ رفتار سے اس کو
مشرق کیطرف کھینچیں۔ تو غالباً ۴۵۰۰ برس میں یہ اپنے قدیم مقام پر آجائے گی خلیج فارس بحر قلزم
وغیرہ عرب اور افریقہ کے مشرقی جانب حرکت کرنے سے غائب ہو جائیں گے۔ بلکہ افریقہ خود گھوم کر
ہندوستان سے اس طرح آملیگا کہ کیپ کالونی بمبئی سے ملحق ہو گی اور جنوبی امریکہ افریقہ کے موجودہ غربی
ساحل سے اس طرح آملے گی کہ کل خشکی ایک مربع صورت میں نظر آئے گی جس کے چاروں طرف پانی
نظر آئے گا۔ لہذا یہ رائے قائم کرنا کہ مینارہائے مصر و امریکہ ایسے زمانے میں تیار ہوئے جبکہ دونوں
دنیا باہم پیوست تھیں۔ علوم و فنون صنعت و حرفت اپنے اوج پر تھیں۔ اور بستیاں معمور تھیں زیادہ
وقعت رکھتا ہے خصوصاً اوسوقت جبکہ ایک روایت عالم ربانی خطیب لاثانی جناب امیر علیہ السلام اس
کی موید موجود ہو۔ جس کے بموجب تعمیر مینار کا زمانہ تقریباً تیرہ ہزار سال نکلتا ہی۔ یہ اعداد تقریباً قرین
قیاس بھی ہیں۔ بچند وجوہات اول یہ کہ اختراعات و سامان ازمنہ گذشتہ اتنی جلدی یعنی کل چار ہزار
سال میں فراموش نہیں ہو سکتیں اور علم جر ثقیل جسکو دریافت ہوئے ایک ہزار برس بھی نہیں ہوسے اس
عمارت کے چپہ چپہ میں بھرا ہوا نظر آتا ہے۔ اگر یہ علم اسدرجہ کمال کو پہونچا ہوا تھا۔ تو ممکن نہ تھا کہ نیوٹن
کے نام سے اس کا دریافت کرنا منسوب کیا جاتا۔ دوم علم مساحت الاضلاع پر اس زمانہ میں کامل عبور
نظر آتا ہے جبکہ تعلیمی سلسلہ موجود تھا۔ تو ناممکن ہی کہ اقلیدس اور ٹولیمی کے نام سے ان علوم کی اختراعات
مشہور ہوتیں اقلیدس کے زمانہ کو تقریباً ۳۵۰۰ برس ہوئے اور ٹولیمی مصری بادشاہوں کے ایام
سلطنت میں تخت مصر پر متمکن تہا۔ اس کو ابھی پورے دو ہزار برس بھی نہیں ہوئے۔ سوم اسقدر رطاقتور
مشینری کا رائج ہو کر حرف غلط کیطرح دنیا والوں کے ذہن سے یک لخت محو ہو جانا ناممکن ہی چہارم
انسانی آبادی سے پیشتر بنی جان کا دنیا میں موجود ہونا ہے جس کا ذکر ہنود یہود نصاری و اہل اسلام
کی متبرک کتابوں میں موجود ہے۔ بنی جان کی آخری زمانے میں انسان کی خلقت ہوئی۔ پس ایسی عظیم
الشان عمارت کی بنا موجودہ زمانے کے ان اسلاف سے بہت بعید ہے جو بعد از طوفان پیدا ہوئے
جن کی طاقت نہ ہونے کے برابر۔ ذرائع تا حال محدود۔ کمال علمی اوہورا۔ اور مشینری اس عمارت کے
سامان کو مقام مقصود تک پہونچانے سے قاصر ہے۔ لہذا بنائے مینار کے بانی طوفان نوح علیہ السلام
سے پیشتر ہوئے۔

قول جناب امیر علیہ السلام اس طرح روایت ہوا ہی۔ بنی الھرمان والنسر فی السرطان (یہ دونوں
مصری مینار اسوقت تعمیر ہوئے جبکہ نسر برج سرطان تھا۔ آنحضرت علیہ السلام کے زمانے میں نسر برج

تیرہ ہزار برس ہوگی۔ اور یہ وہ زمانہ ہوگا جس میں یغوث ویعوق ونسر کی پوجا ہوتی تھی۔ ان تینوں کا
ذکر کلام پاک میں طوفان سے پہلی آبادی کے تذکرے میں پایا جاتا ہے۔ ود و سواع بھی اسی زمانے
کی خدائی کے مالک شمار ہوتے تھے۔ اور ابتدائی عمر نوح علیہ السلام میں ان کی پوجا بڑے زوروں
پر تھی۔ یغوث ویعوق ونسر ان دونوں سے بھی پرانے تھے۔ لیکن انکا وہ زور و شور نہ تھا۔ جو ود و سواع
کو حاصل تھا۔)

یہ عمارت دریائے نیل کے دہانے کے جنوبی ضلع پر واقع ہے۔ تقریباً ہر قرن میں ابنائے زمانہ
نے یہ سوال اٹھایا کہ اس عمارت کی بنا کا مقصد کیا تھا۔ اور بنانیوالا کون تھا؟ اس سوال کے
جوابات بیشمار دیے گئے۔ لیکن سب اٹکل پچو اور دور از کار۔ ایسے بے سر و پا کہ ان کو پڑھکر انسانی
تخیل کی کمزوری پر بے اختیار ہنسی آتی ہے۔ صرف زمانۂ حال کے محققین نے اس سوال کا صحیح جواب
اپنی تحقیقات سے دیا۔ اطالوی شاعر پٹراچی کے اشعار میں زمانۂ قدیم کے خیالات کا فوٹو اس طرح
پر کھینچا ہوا ہے۔

(ترجمہ اشعار) "میں نے زمانہ سے دریافت کیا یہ بڑی شاندار عمارت کس نے بنائی جو اس
ویرانے میں سڑ رہی ہے؟ اس نے کچھ جواب نہ دیا بلکہ اپنے تیز پرواز بازوؤں کو فضائے آسمانی
میں زیادہ تیزی کے ساتھ ہلاتا ہوا روانہ ہوا۔ اب میں شہرت کیطرف متوجہ ہوا اور اس سے دریافت
کیا۔ کہ یہ کس نسل کی یادگار ہے جو زمانہ کے تباہ کن ہاتھوں کا اس کامیابی کے ساتھ مقابلہ کرکے
اپنی زندگی کا ثبوت دے رہی ہے؟ اس نے ایک ٹھنڈی سانس بھری اور خاموشی کے ساتھ آنکھیں
نیچی کرلیں۔ جس سے ظاہر ہوتا تھا کہ وہ بدرجۂ اشد رنج و الم کا شکار تھی۔ میں فوراً آگے بڑھا۔ مگر افسردہ
خاطر اور اپنے خیالات میں غلطاں و پیچاں دیکھتا کیا ہوں کہ فراموشکاری اس عالیشان عمارت کے
ہر ایک پتھر پر جلوہ افروز ہے۔ اب تو میں نے زور سے چلا کر کہا اے خوفناک طاقت، تو ہی بتا یہ
کس منچلے کا نقشہ ..... اتنا ہی کہنے پایا تھا کہ اس نے میری بات قطع کرکے لاپرواہی کیساتھ کہا۔ یہ عمارت
پہلے کس کی تھی مجھے اس کی پرواہ نہیں لیکن آج کل تو اسپر میرا سکہ جما ہوا ہے۔"

اس عمارت کے متعلق دوسرے بیانات یہ بھی ہیں کہ یہ عمارت سورج چندرمان دیوتاؤں کا
مندر ہے (یعنی بیت الشمس والقمر) یا متبرک آگ جلانے کی جگہ۔ یوسف ؑ کے غلہ کا گودام یا آیندہ طوفان

ـــــــــ

ـــہ طاغوت و یغوث ایک ہی لفظ ہے جو مختلف زبانوں سے معرب کئے گئے۔ طاغوت گاتھہ قوم کا بادشاہ تھا۔ جدید لفظ ہے یغوث۔ یوگاتھ کا معرب
گاتھہ قوم کا نہ یہ قوم یورپ میں آباد تھی۔ ڈلفی واقعہ یونان کا مندر اس قوم کی یادگار رہتا۔

لیکن جس بیان کو قبولیت عامہ کا اعزاز ملا یہ ہے کہ مینار مذکور ایک بہت بڑا قبرستان ہی مصر کے دیگر میناروں کے بارے میں عموماً اور میناراہائے جزرع کی نسبت خصوصاً پادری انڈریتامسن اپنی تصنیف "ان دی ہولی لینڈ" میں تحریر فرماتے ہیں: "یہ سوال کہ کس نے ان سنگلاخ میناروں کی بنا ڈالی یا اون کے بانیو الونکا اس بنا سے کیا مقصد تھا۔ ایسا ہے جو ابتدائے علم تاریخ سے اس دو ہزار برس کے عرصہ میں ہوتا چلا آیا ہے۔ ابوالمورخین (ہیروڈوٹس۔ مترجم) نے اس عمارت کو جو دست برد زمانہ کا مقابلہ کر رہی تھی۔ صرف قدیم عمارت کہکر چھوڑ دیا۔ اب ایک ہی پرانا خیال ان کی نسبت یہ ہے کہ یہ شاہی قبرستان ہیں۔ اغلباً یہ خیال درست ہے خصوصاً اس صورت میں جبکہ تحققات زمانہ حال سے بعض چھوٹے چھوٹے میناروں میں نعشیں برآمد ہوئی ہیں...... اس بیان کے مطابق یہ عمارتیں اس بادشاہ کی جس کا نام ان پر کندہ ہے اور جو ان کی بنا کا باعث ہوا تاکہ اس کی وہ عظمت و شان ظاہر ہو جو اسقدر نسیان کا شکار ہوئی یعنی شوکت بیوقوفی اور جرم کا اظہار کرتی ہیں۔"

لیکن یہ سنگلاخ عمارتیں جو علم تاریخ کی تکوین سے پیشتر بنا ہوئیں۔ اور ابتدا سے زمانہ حال تک کہ زمانۂ عروج و کمال علم تاریخ ہے قائم ہیں کئی ایک نتائج پر منتج ہوتی ہیں۔ ان سے ثابت ہوتا ہے کسقدر قدیم زمانے میں انسانی حکومت نے مطلق العنانی اختیار کی مورخ ہیروڈوٹس کا بیان ہے کہ بیس ہزار اشخاص جو تیسرے مہینہ بدلدیئے جاتے تھے۔ صرف ایک مینار چیوپ (جزرع) کی تعمیر میں بیس برس تک کام کرتے رہے۔ ایک مکمل قوم کی کل طاقت اور ذرائع آمد کا اسقدر عرصہ تک ایک ہی سمت لگے رہنا۔ تاکہ فرعون کی خواہش ولی بر آوے ظاہر کرتا ہے کہ مصر ہی قدیم انسانی بستی ہے۔ اور یہی ملک صنعت و حرفت کا منبع ہے۔ وحشیانہ تسلط شاہی کے علاوہ کوئی اور طاقت بھی پوشیدہ کارکن تھی۔ یعنی علم مساحت جر ثقیل، حرکات، خواص الاشیاء وغیرہ جن کے ذریعہ سے وہ اس بڑی عمارت کے پتھروں کو مقام مقررہ تک لے گئے۔ اور ان میناروں کی بنا ڈالی۔ نیز جب ہم مصر کے قدیم قبرستان میں موچی کے رنبہ چلانے کی نلی (نالی) اور سنار کی دھونکنی کی دہی تصاویر دیکھتے ہیں جو زمانۂ حال میں ان کی صورت ہے تو اس پرانے شاعر کے کلام میں کوئی مبالغہ نہیں معلوم ہوتا۔ جو اسطرح پر کہتا ہے۔ "اس زمانہ میں مصر کے زرخیز میدان آبادی و دولت سے بھرپور اور صنعت و حرفت کے معدن تھے جبکہ دوسری قومیں خواب غفلت میں سرشار تھیں۔ مصریوں ہی سے دوسرے لوگوں نے علم و ہنر سیکھا۔"

اگرچہ یہ حقیقت الامر ہے کہ چھوٹے میناروں میں سے بعض یا سب کے سب قبرستان تھے لیکن اس

نہیں ہوا باوجودیکہ یہ انسانی صنعت ہو لیکن اس کی صنعت میں خدائی پیشینگوئیاں پوشیدہ ہیں۔
جو اپنی زبان حال سے خدا کے علم ازلی و ابدی کی ضروری حقیقت تعلیم کرتی ہیں۔ سب سے پیشتر جان ٹیلر
نے اس امر کو بیان کیا۔ صاحب موصوف لندن کے رہنے والے اور مصنف کتاب "گریٹ پیرامڈ
(مینار اعظم)" تھے ۱۸۵۹ء میں انھوں نے اپنی اس رائے کا اعلان کیا۔ جو ان حقائق علم ہیئت پر مبنی
تھی۔ جنکو صاحب موصوف نے اس عمارت میں مشاہدہ کیا۔ اس نتیجہ پر پہونچنے میں صاحب موصوف
کو قدیم مورخین ہیروڈوٹس اور مناتھو کی تحریروں سے بہت زیادہ مدد ملی۔ اول الذکر مورخ کا
بیان ہے کہ مصری لوگ ان بادشاہوں کے نام سے بھی متنفر تھے جنھوں نے سب سے بڑے اور دوسرے
میناروں کی تعمیر میں ان کے بزرگوں کو لگائے رکھا ہے۔ کچھ تو وجہ مذکورہ بالا کے باعث اور کچھ اس
وجہ سے بھی کہ ان بادشاہوں نے ان مصریوں کے مندر بند کر دئے تھے۔ اس لئے وہ ان بادشاہوں کا
نام لینے کے روادار نہ تھے۔ اور ان دونوں میناروں کو فیلیشین کے نام سے پکارتے تھے جو ایک
گڈریا تھا۔ اور اپنے مویشی ان میناروں کے قریب چرایا کرتا تھا۔ مصری مورخ مناتھو کا بیان ہی
کہ شرقی ممالک سے رذیل نسل کے لوگ عجیب طریقہ سے داخل ہو گئے۔ یہ تحقیق ہی کہ انھوں نے مصر
پر حملہ کیا اور بلا جنگ و جدل قبضہ جما لیا۔ یہ سب کے سب ہکساس (Hyksos) یا راعی گڈریے تھے اس کے
بعد وہ بیان کرتا ہے۔ کہ کس طرح وہ لوگ یہودیہ کو چلے گئے۔ اور شہر یروشلم کی بنا ڈالی۔ یہ زمانہ
اس سے بہت قبل گذرا ہی جبکہ بنی اسرائیل (حضرت) موسیٰ کے ہمراہ مصر سے نکلے۔

جان ٹیلر نے مصریوں کی بت پرستی اور دیگر نامعقول حرکات کے باعث یہ نتیجہ نکالا کہ یہ حملہ آور
جن سے مصری متنفر تھے۔ اغلباً خالص ترین عبادت گذار اور عمدہ چال چلن والے تھے۔ نیز یہ بھی فیصلہ
کیا کہ یہ خدا کے پسندیدہ لوگوں کی جماعت تھی۔ جس کو خداوند عالم نے اس نسل سے چن لیا تھا جس سے
کہ ابراہیمؑ (علیہ السلام) تھے۔ لیکن یہ نسل ابراہیمؑ کے زمانے سے پیشتر تھی ممکن ہی کہ خود سامؑ کے ہمراہ یا ملک
صدوق کے ہمراہ ہوں لیکن جان ٹیلر کا پختہ خیال ہی کہ میران عمارت لیقطان بن عبرؑ سامؑ کے پڑوتے
کے تیرہ بیٹے تھے۔ اگر یہ خیال درست ہو تو مصریوں کی ان بادشاہوں سے نفرت کی وجہ ظاہر ہے۔
اس لئے کہ بحیثیت رعایا مصریوں کو نہ صرف تعمیر مینار اور مندروں کو ہی بند کرنا پڑا بلکہ وہ سانڈ کی
قربانی بھی دیکھنے پر مجبور تھے۔ جو ان کا معبود تھا لیکن ان کے مخالف اس کی قربانی کرتے تھے۔ اس
جگہ پر کتاب پیدائش ۴۶/۳۴ خروج ۸/۲۶ و نیز پیدائش ۴۳/۳۲ کا مطالعہ بعید از معنی نہ ہوگا۔ رہا یہ سوال
کہ یہ خیال سچ تھا کہ غلط۔ آئندہ ثبوت سے ظاہر ہوگا کہ جان ٹیلر دراصل اپنی رائے قائم کرنے میں حق
پر تھا۔ اور یہ کہ بڑا مینار وحی الہی کے مطابق تیار ہوا۔

نوٹ۔ کتاب پیدائش [illegible]

طوفان سے دو سال بعد سلح بن ارفخشد ۳۵ سال بعد اور عبر بن سلح ۳۰ سال بعد پیدا ہوئے۔ کتاب سلح کو صالح نبی اور عبر کو ہود نبی (علیہما السلام) بتلاتے ہیں پیدائش عبر سے ۲۲۵ سال بعد ابراہیم علیہ السلام کی ولادت ہوئی طوفان سے اسوقت تک ۲۸۷ سال گذرے جان ٹیلر کا خیال اور ہیروڈوٹس و مناتھو مورخین کے بیانات اس ۲۸۷ سال کے عرصہ میں کیونکر پورے اترتے ہیں کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔ اول تو اس ۳۰۰ برس کے عرصہ میں دنیا علوم ہیئت، ہندسہ، اشکال، حرکات و نقاط میں اتنی ترقی یافتہ نہیں ہوئی۔ کہ کسی خاص شخص کے خیال کو وجود کا جامہ پہنا سکے۔ دوم اسقدر مردم شماری کا ملک مصر میں ہونا بھی مشکل امر ہے کہ صرف ۲۰۰۰۰ کارکن تعمیر مینار میں لگ رہیں اور پھر تیسرے مہینہ ان کو علیحدہ کر کے اور بیس ہزار نفر لگائے جائیں۔ شاید تین شخصوں کی اولاد ۳۰۰ برس میں مرد عورت بچے ملاکر بھی اتنی نہیں ہو سکتی کہ صرف مصر میں چالیس ہزار خالص مرد ہوں اور بچے عورتیں ان کے علاوہ یعنی کم از کم مصر کی آبادی ایک لاکھ عرب، عراق، شام بھی اسی حساب سے ایک ایک لاکھ۔ ایران، ہندوستان چین وغیرہ کی آبادی اس پر مستزاد ہوگی۔ یہ بھی ظاہر ہے کہ طوفان کے بعد پیدائش ابراہیم علیہ السلام تک صرف دس پشتیں ہوتی ہیں۔ اور اگر ہر شخص نے ۲۰ سال کی عمر میں پوتا حاصل کر لیا ہو تب بھی اس عرصہ میں کل آبادی کروڑوں تک نہیں پہونچ سکتی۔ لہذا اس کا فیصلہ دو صورت سے ممکن ہے۔ اول یا تو توریت غلط ہے، اس کے سنین غلط اس کا بیان دربارہ طوفان غلط۔ یا دوسرا طریقہ یہ کہ مورخ ہیروڈوٹس و مناتھو کے بیانات غلط اور جان ٹیلر کا لیفطان بن عبر کو تعمیر مینار اعظم میں شریک کرنا ان غلط بیانات پر مبنی ہونے کی وجہ سے غلط لیکن توریت الہامی کتاب ہونے کے باعث ایسی غلطی سے بری ہے۔ البتہ بعض مقامات میں دولت کی کلید نے کتابت کا قفل کھولا۔ اور محرمات کو حلال یا حلال کو حرام یا اسی قبیل کی دیگر تراسیم سے اس کتابت کو رائج کیا۔ لیکن حسابی معاملہ میں کمی بیشی ناممکن ہے۔ نہ کسی کو عمروں کی کمی بیشی سے دنیاوی فائدہ حاصل ہو سکتا تھا۔ علاوہ ازیں توریت کی غلط بیانی سے عیسویت کا شیرازہ بکھرتا ہے اور اس کی بنیاد کو ایسا صدمہ عظیم پہونچتا ہے جس کی تلافی ممکن نہیں ہو سکتی۔

تحقیقات کی لہریں برقی رو کا کام کر رہی ہیں وہ اس عرصہ میں مصر کو دلدل کا مقام ثابت کرتی ہیں۔ صحرائے اعظم کا سطح سمندر سے نیچا ہونا طے شدہ امر ہے لہذا طوفان کے بعد اس علاقہ کا دلدل ہونا محتاج دلیل نہیں

بڑے مینار کو مخصوص علامت سے ظاہر کرنے کے لئے اس کے قریب دوسرے مینار کی بنا پڑی جس کے محاذ میں چٹان تراش کردہ شکل بنائی گئی جسکو ابوالہول کہتے ہیں اس کا رخ مشرق کیجانب ہے یہ پہلے ذکر ہو چکا ہے۔ کہ دوسرا مینار پہلے سے بڑا نظر آتا ہے۔ اور یہ بھی ذکر ہو چکا ہے کہ یہ بلندی محض مقام تعمیر کی سطحی بلندی کیوجہ سے ہے۔ ورنہ مینار اول مینار دوم سے بڑا ہے۔ پس اگر مینار اول علامت

بلند نظر آتا ہے اسی طرح ایک دوسرا ہدایت کرنے والا بھی اسی کام کے لئے ... دکھائی
دیگا۔ اگرچہ فی نفسہ وہ چھوٹا ہوگا۔ ابوالہول کے چہرہ کی ساخت سے اس طرف اشارہ کیا گیا ہے جس
جگہ اس ہدایت کنندہ نے مبعوث ہونا تھا۔ مینار اول میں اس کو راہ داخلۂ مینار کے زاویہ سے ظاہر
کیا گیا ہے۔ مینار دوم میں ابوالہول کی نظر کی سیدھ اسی طرف ہے۔

ہماری اس تمام بحث کا نتیجہ یہ نکلا کہ مینار اول کی ساخت اس زمانہ میں نہیں ہوئی بلکہ صرف
مینار دوم کی۔ جس کی تعمیر اس زمانے میں آبادی اور وسائل کے لحاظ سے ممکن ہے۔

ان راعی بادشاہوں کی نسبت جان ٹیلر کا بیان دلچسپی سے خالی نہیں۔ وہ لکھتے ہیں کہ یہ لوگ
ملک میں اجنبیوں کی طرح داخل ہوئے۔ نہ مصرائیم کی نسل سے تھے نہ اس مذہب کے پیرو جو مصریوں
کا تھا۔ علاوہ ازیں انہوں فاتح اقوام کی طرح ملک پر حملہ بھی نہیں کیا۔ اگرچہ مناتھو کے بیان سے معلوم
ہوتا ہے کہ انھوں نے مصریوں کو بغیر جنگ کئے آسانی سے مغلوب کر لیا۔ اس لئے یا تو وہ اسقدر کثیر تعداد
میں آئے ہوں گے۔ کہ مقابلہ کرنا فضول سمجھا گیا یا عام رعایا نے اپنا محسن سمجھکر استقبال کیا ہوگا جس کے صلہ
میں ان اجنبیوں نے انکو ملازم رکھ لیا۔ ان کی واپسی کے بعد مخالفین نے قصہ کہانی کے طور پر ان کی یاد کو
مطعون کیا۔ ان کے ظلم کے افسانے رائج ہوئے۔ ظاہرًا یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ وہ ایک خاص کام
کی دُھن میں لگے ہوئے تھے۔ اور اس کے پورا کرنے میں ہمہ تن مصروف۔ کام پورا کر کے اپنی مرضی آ
انھوں نے ملک سے کنارہ کیا اور اس عمارت کو جو اپنی ساخت میں عجیب اور انوکھی تھی۔ اصلی
باشندوں کی حفاظت میں چھوڑ کر چلدیئے۔ اس عمارت کے صلہ میں انہوں نے ملک کو مالامال
اور باشندوں کو خوشحال کر دیا۔ اور اس طرح گئے کہ پھر کبھی اپنی محنت کے دعویدار بنکر نہ آئے۔ بلکہ
ایسے ملک میں سکونت اختیار کی جس میں انہوں نے اس قسم کی کوئی عمارت نہ بنائی۔ وہ ظالم اور فاتح
کے الفاظ سے صرف اسی قدر آشنا تھے کہ ملک نے دوران قیام میں ان کو حاکم تسلیم کر لیا اور انہوں
نے رعایا کو مجوزہ تعمیر کے کام پر لگایا جس کے لئے ان کو غالبًا نہایت ہی مفصل ہدایات جاری کرنی پڑی
ہوں گی۔ ان کی دماغی قوت کے کمال نے جاہلوں کو ان کا دشمن و حاسد بنا دیا۔ اس طرح سے
جہلا نے ان کو اصلیت سے گرا کر خراب پیرایہ میں ذکر کیا۔ ان کے قیام سے ملک کی حالت کا درست
ہونا اظہر من الشمس ہے اس کو تسلیم ہی کرنا پڑتا ہے حقیقت الامر بھی یہ ہے کہ اپنے تقریبًا صد سالہ قیام میں انہوں
نے جہلا کی دماغی و تمدنی حالت درست کر دی جیسا کہ عمومًا جاہل قومیں عالم و اعلیٰ دماغی قابلیت رکھنے
والے فاتحین سے مستفید ہوا کرتی ہیں۔

لوٹ :- جان ٹیلر و مناتھو کے بیانات پر غور کرنے سے ... گذشتہ بیانات کی صداقت

اوران کے ہم قوم حکومت کے بدلنے سے دست و پاشکستہ ہوچکے تھے ملکی آبادی زیادہ تر فاتحین کے
ہمقوموں اور طرفداروں کی تھی ایسی حالت میں حکومت موجودہ سے جنگ چھیڑنا بلائے بیدرمان
خریدنا تھا۔ لہذا حکومت وقت کی اطاعت کی۔ کشت وخون کی نوبت نہ آنے دی۔ اس کی وجہ ایک
اور بھی معلوم ہوتی ہے۔ جب ضحاک نے جمشید پر فوج کشی کی اور فوجیں مقابل آجمیں تو ضحاک نے جمشید
کو دست بدست مقابلہ کے لئے طلب کیا اور کہا کہ تو اپنے زعم میں خدا بنا ہوا ہے اور مجھکو اپنی مخلوق
سمجھتا ہے۔ لہذا بہتر یہ ہے کہ رعایائے طرفین جنگ سے ہاتھ اٹھائے ہم تم دونوں قسمت آزمائیں۔ جو
فاتح ہو وہی بادشاہت کا مالک رہے۔ چونکہ تم خدائی کے مدعی ہو۔ تم ضرور اپنی مخلوق پر غالب آجاؤگے
اور ملک کے مالک رہوگے۔ اور اگر تم کاذب ہوگے تو میرا خدا میری مدد کرے گا۔ اور تم مغلوب
ہوجاؤگے۔ اس طرح بندگان خدا قتل سے محفوظ رہیں گے۔ یہ قرارداد طرفین نے منظور کی۔ لڑائی
میں ضحاک غالب رہا۔ اور تمام قلمرو میں بادشاہ تسلیم کیا گیا۔ مصر بھی حکومت کیانی کا صوبہ تھا۔ لہذا
وہ بھی مطیع ہوگیا۔ فاتح کے ہوا خواہ بلا مزاحمت ملک پر عمل دخل کرنے کے لئے آئے۔ اور رعایا
نے ان کا خیر مقدم کیا۔)

اگر مینار اول کے اندرونی راستوں پر غور کریں تو معلوم ہوگا کہ سنگ سیاہ سے دو راستے
نکلتے ہیں ایک اوپر کیجانب دوسرا نیچے کیجانب جو داخلہ مینار کے تنزلی سلسلہ سے ملتا ہے پس نوح
علیہ السلام کے زمانے میں دو شریعت رائج ہوگئیں ایک وہ جو شریعت نوح کہلاتی تھی۔ دوسری
آتش پرستی اور نجوم پرستی۔ جس کے باعث طوفان آیا۔ یہ تنزلی راہ سطح فرش کمرۂ خورد اور زینۂ اول
کے مقام تقاطع کے قریب ہے۔ آیندہ حسابات کے ذیل میں معلوم ہوگا کہ وفات نوح علیہ السلام
اسی مقام تک پیمایش کرنے سے برآمد ہوتی ہے۔ اب ہدایت کا سلسلہ اولاد سامؑ میں قائم ہوا جو آیندہ
زمانے میں دو شاخوں میں منقسم ہوتا تھا۔ لہذا مینار دوم میں محراب یا وعدہ گاہ قرار دیکر اس نے سامؑ
بن نوحؑ علیہما السلام کو ہادی منصوص ظاہر کیا اور بعد میں اس کے سلسلہ نسل سے دو خانوادۂ ہدایت
کا ہونا ظاہر کیا جو اسی وعدہ الٰہی کے بموجب ہونے تھے اس طرح سے مینار دوم صرف اس زمانے
سے متعلق ہے جو تقرر سامؑ کے بعد ہوا۔ اور مینار اول خلقت آدم علیہ السلام کے بعد کے کل زمانے
سے مربوط ہے۔

اپنی وفات سے پیشتر جان ٹیلر نے پروفیسر سی پیازی سمتھ شاہی منجم متعینہ سکاٹلینڈ سے درخواست
کی کہ مصر جاکر اس بڑے مینار کی عالمانہ تحقیقات کرے۔ پروفیسر صاحب موصوف نے سرمائے سنہ ۱۸۶۵-۶۷ء
میں اپنا وعدہ پورا کیا۔ عمارت کے ضروری حصص کی پیمائش کی۔ صرف بیرونی حصص۔ فرشی پتھر تہ خانے

سے فرق کے ساتھ دیگر محققین نے بھی ان پیمائشوں کی تصدیق کی ہے۔ ان میں سے مشہور ترین پروفیسر فلائنڈرس پٹری ہے جس نے اکثر علمی و مذہبی بیانات کی بنا پر پروفیسر سمتھ کا مضحکہ اڑایا ہے۔ لیکن صحت پیمائش کا وہ بھی قائل ہے۔

پروفیسر سمتھ کی تحریر پر اکثر اہل علم چونکے انہوں نے مختلف مسئلوں کی جو بڑے مینار سے ثابت ہوتے ہیں تلاش کی۔ ان محققین میں سے بعض کا بیان ہے کہ یہ مینار نہ صرف علمی دقائق کا خزانہ ہی ہے بلکہ اپنی علامات اور پیمائش کے ذریعہ سے نجات عالم کی تجویز الٰہی کو اپنے سینہ میں لئے ہوئے ہے اور مسیا کے بارہ میں زبردست پیشینگوئی ہے۔ اس خیال کا موجد خود پروفیسر سمتھ تھا۔ لیکن سی ٹی رسل اسکا زبردست واعظ ہوا۔ آخر الذکر کلیسائے بروکلن واقعہ امریکہ میں پادری تھا

اس تمہید کے بعد ہماری توجہ مینار کی دوسری خصوصیات کیجانب منعطف ہوتی ہے مصر میں چھوٹے بڑے تقریبًا ۷۰ مینار ہیں جو دریائے نیل کے مغربی کنارے پر صحرائے اعظم کے لبیائی گوشہ میں ہیں۔ سب کے قاعدے چوکور اور چاروں ضلعے مثلثی مخروطی ہیں جو قاعدے کے وسط میں چوٹی پر ملجاتے ہیں۔ لیکن ان سب میں سے صرف سات بڑے اور قابل ذکر ہیں باقی بہت چھوٹے اور ایسی ادنیٰ ساخت اور گھٹیا مصالحہ کے ہیں کہ وہ عرصہ سے گول مول کھنڈر سے بنگئے ہیں اور مینار کہلانے کے مستحق نہیں۔
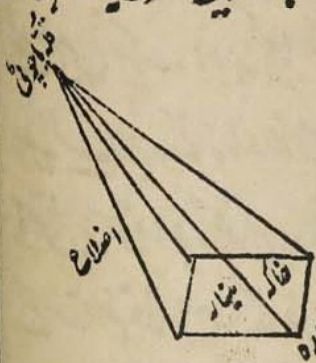
ان سب میناروں میں سے وہ مینار جو خصوصًا سیاحوں اور محققوں کی توجہ کو اپنی طرف کھینچتا ہے بہ اتفاق آرا مینار جزع ہے جسکو محض مینار کے نام سے ذکر کیا جاتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کا حجم بڑا ہے۔ اور اس کی اعلیٰ ساخت وصنعت دل کو موہ لیتی ہے۔

محل وقوع

یہ میناروں میں سے ایک ہے جو مینارہائے جزع کہلاتے ہیں۔ یہ سب موجودہ شہر قاہرہ سے مغرب کی جانب دس میل کے فاصلہ پر ایک چٹان پر واقع ہیں۔ مینارہ مذکورہ سب کے شمال میں ہے۔ اور اس چٹان پر بنا ہوا ہے جو اس کل سطح کا ایک گوشہ ہے۔ اس سے قریب ہی کچھ فاصلہ پر جنوب مغرب میں دوسرا مینار ہے۔ یہ اگرچہ چھوٹا ہے لیکن بعض مقامات سے دیکھنے میں بڑا معلوم ہوتا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ بلند مقام پر بنایا گیا ہے۔ جنوب مغرب کی طرف ہٹکر تیسرا مینار ہے جو پہلے

نوٹ: یہ بہت اغلب ہے کہ ابوالہول [illegible]

دوسے بہت ہی چھوٹا ہے۔ باقی کے چھ تین تین کی دو قطاروں میں ہیں۔ ایک قطار تیسرے مینار کے جنوب میں ہے اور دوسری بڑے مینار کے مشرق میں۔ نسبتاً یہ بہت چھوٹے ہیں اور کھنڈر بن گئے ہیں۔ بڑے مینار کے جنوب مشرقی گوشہ میں ایک پریزاد (ابوالہول) کی مورت چٹان کا ٹکڑا بنائی گئی ہے۔ اس کا رخ مشرق کیجانب ہے۔

(نوٹ:۔ بہت اغلب ہے کہ ابوالہول میر عمارت کو ظاہر کرتا ہے جس کے دماغی نقشہ کا خاکہ مینار کی صورت میں موجود ہوا اگر یہ خیال صحیح نکل آئے تو مینار کا قبل از طوفان نوح علیہ السلام تیار ہونا محتاج ثبوت نہیں رہتا۔ پریزادوں اور جنات کا زمانہ طوفان کے بعد ختم ہو جاتا ہے اور وہ زمانہ شروع ہوتا ہے جسکو ہندی نوشتے کلجگ کہتے ہیں۔ اگر معمار مینار ابوالہول کی جنس کی ہستیاں نہیں تو لامحالہ زمانۂ کلجگ سے ان کو کوئی تعلق نہیں ہو سکتا۔ جس میں ایسی جسمانیت و قد وقامت کی ہستیاں کہیں نہیں ملتیں)

خصوصیات محل وقوع

پروفیسر سمتھ وہ پہلا شخص ہے جس نے یہ معلوم کیا کہ مینار اعظم کے چاروں گوشے قطب نما کے مطابق ہیں اسی نے یہ ثابت کیا کہ اگر راستۂ مینار کے دروازے کے عمودی سطح کو شمالی جانب بڑھایا جاوے تو یہ دریائے نیل کے ڈلٹا کی کل زمین کے وسط میں گذر جاتا ہے۔ اور شمال مشرقی و شمال مغربی گوشوں میں اگر قطروں کو بڑھایا جائے تو ڈلٹا کی زمین ان خطوط کے اندر آجاتی ہے۔

۱۸۶۷ء میں مسٹر مچل ریاستہائے متحدہ امریکہ کیطرف سے محکمہ مساحت سواحل مصر کے افسر مقرر ہو کر آئے تو ان کو دریائے نیل کے شمالی ڈلٹا کے سواحل کی باترتیب بیضوی شکل سے بڑی حیرت ہوئی۔ لہذا ایک مکمل نقشہ اور پرکار لیکر انہوں نے مختلف طول کے نصف قطر متفرق جہات میں ڈالنے شروع کئے۔ یہانتک کہ ساحل کے کل مقامات قوسی شکل میں آگئے۔ اب یہ تلاش ہوئی کہ اس قوس کا مرکز دریافت ہو۔ معلوم ہوا کہ اس کا مرکز مینار اعظم ہے۔ اس بیان پر نکتہ چینی کرتے ہوئے پروفیسر سمتھ نے لکھا۔ کہ مصر کا زیرین حصہ ایک قوس کی شکل ہے۔ اور ڈلٹا کی نسبت بہتر موضوع میں۔ اس لئے اس کا مرکز وسط میں ہونا چاہئے۔ نہ کہ ایک طرف۔ مسٹر مچل نے جواباً لکھا کہ وہ عمارت جو ایسے قوسی حصہ ملک میں بلندی پر بنائی جائے اور مرکز قوسی میں ہو۔ وہ اس کے ایک گوشے میں بھی ہوتی ہے اور ساتھ ہی مرکز وسطی میں بھی۔ اس بیان سے ثابت ہے کہ یہ معجز نما عمارت اپنے مذہبی پہلو سے پاک اور کامل ہے۔ اگرچہ مصری بت پرستوں کی سرزمین میں ہے۔ نیز عملاً یہ ناممکن ہے کہ ایک عمارت کسی قوسی مقام کے

باب۳ میں درج ہے۔ منشارِ الہیٰ یہی تھا کہ یہ عمارت سرزمین مصر میں عہد الہیٰ کی علامت بھی ہو۔ اور اس گوشہ میں ایک یادگار بھی ہو۔

حجم مینار اعظم کی دیواروں کے تقریباً سب پلستری پتھر غائب ہیں اس لئے پیمائش کامل ممکن نہیں اور خصوصاً اس وجہ سے بھی کہ ملبہ کے انبار لگے ہوئے ہیں جن سے مینار کا قاعدہ پٹا پڑا ہے۔ اس عمارت کا اطمینان کامل کے ساتھ حجم معلوم نہیں ہو سکتا۔ پروفیسر سمتھ نے بنیاد کی اوسط گہرائی سے چوٹی کی بلندی ۴۸۵ فٹ اندازہ کی ہے اور تہ خانہ کی اندرونی گہرائی تک ۱۰۰ فٹ۔ ہر ایک ضلع قاعدہ ۷۶۱ فٹ ۸ انچہ اور بنیادی زاویوں کے درمیان قطر ۱۰۷۷ فٹ۔ مگر پروفیسر پیٹری کی اعداد اس سے کسیقدر کم ہیں

علمی آثار سب سے پہلی علمی صورت جو دریافت ہوئی یہ ہے کہ مینار کی قدیم عمودی بلندی کو اس کے قاعدے کے دو چند کے ساتھ وہی نسبت ہے جو کسی دائرے کے قطر کو اس کے محیط سے یعنی ۱ : ۳٫۱۴۱۵۹۔ اس سے یہ نتیجہ نکلا کہ مینار کی قدیم بلندی ایک ایسے دائرہ کا نصف قطر ہے جس کی گولائی چاروں اضلاع کا مجموعہ ہے (یعنی اس دائرہ کا محیط ۷۶۱⅔ × ۴ = ۳۰۴۶ فٹ ۸ انچہ ہے)، اس کو دائرہ کا مربع کرنا کہتے ہیں۔ اور یہ خصوصیت باقیماندہ کسی مینار میں نہیں پائی جاتی۔

(۲) اگر اس مینار سے شمالاً جنوباً یا شرقاً غرباً خط ڈالے جائیں تو خشکی کا زیادہ حصہ زیر خطوط ہوگا دیگر مقامات میں یہ صفت نہیں پائی جاتی۔ یہ کیفیت تو بالائی حصہ کی ہے اگر ان خطوط کو دوسری طرف بڑھایا جاوے تو گوے کے دوسری طرف پانی کا حصہ زیادہ اور خشکی کا کم زیر خطوط ہوگا۔ لہذا یہ کہنا بالکل درست ہے کہ مینار جزع ناف زمین میں بنایا گیا ہے اور یہی مقام اقوام عالم کے لئے طول و عرض بلد قائم کرنے میں بہتر کارآمد ہو سکتا ہے۔

نوٹ:۔ مسٹر مچل کے بیان سے پیشتر معلوم ہو چکا کہ مینار اعظم باوجود صحرائے لبیان کے ایک گوشہ میں ہونے کے مصر یا دریائے نیل کے ڈلٹا کے مرکز قوسی میں ہے۔ لہذا جس مقام سے اسکو تشبیہہ دیجائے اس کا تعلق کرۂ ارضی سے اسی قسم کا ہونا ضروری ہے۔ مثلاً اگر قلہ مینار پر ایک روشنی رکھدیجائے۔ تو شعاعیں اس تمام قوسی علاقہ میں یکساں نظر آئیں گی جو محیط پر ہے یعنی علاقہ قوسی کے محیط کا فاصلہ قلہ مینار سے یکساں ہوگا۔ چوٹی کا پتھر علامت مسیاہ ہے۔ جیسا کہ آئندہ معلوم ہوگا لہذا مقام نزول مسیاّ کا تعلق کرہ ارض سے ایسا ہی ہونا چاہئے کہ ایک گوشہ میں بھی ہو اور مرکز قوسی ارض میں بھی ہو تاکہ کل اقوام عالم کے لئے ہدایت کا سرچشمہ ہو۔ کسی خاص قوم کے لئے نہ ہو۔ بلکہ جملہ اقوام عالم اس مرکز ہدایت سے [illegible]

ہے۔ گرینچ سے طول بلد ۴۰ درجہ مشرقی اور عرض بلد ۲۱ درجہ جنوبی ہے۔ اگر یہی فاصلہ مکہ معظمہ سے شمار ہوتا تو گرینچ مغربی و شمالی جانب میں اسی قدر فاصلہ پر ہوتا۔ اور قطب شمالی تک پورے ۹۰ درجے ہوتے۔ اسی طرح قطب جنوبی تک ۹۰ درجہ فاصلہ ہوتا۔ علاوہ ازیں اگر شرقاً غرباً شمالاً جنوباً مکہ معظمہ سے خطوط کھینچے جائیں جو کرہ کے ہر طرف محیط ہوں تو کرہ خشکی و تری کے دو مساوی حصوں میں تقسیم ہو جاتا ہے۔ شمالاً جنوباً یا شرقاً غرباً۔ پس یہ مقام ایسا ہے کہ باوجود جزیرہ نمائے عرب کے ایک گوشہ میں ہونے کے قوس ارضی کا مرکز ہے۔ اس مشابہت میں دنیا کا کوئی دوسرا مقام شریک نہیں ہوتا لہٰذا مکہ معظمہ ہی ناف یا مرکز ارض میں واقع ہے۔ اسی پر حدیثوں کی شہادت موجود ہے۔ کہ مکہ ناف زمین میں واقع ہے۔ لہٰذا یہی مقام نزول مسیا ہے۔ اس کا مرکز ہدایت برائے جمیع اقوام عالم برو بحر ہونا انسب ہے۔ بدیں وجہ کہ کرہ بلا مرکز نہیں ہوتا۔ لیکن مرکز کے لئے کسی خاص کرہ کی شرط ضروری نہیں۔ لہٰذا اقوام عالم ایک خاص مرکز ہدایت کی محتاج ہیں۔ لیکن یہ مرکز ہدایت ان کا محتاج نہیں۔ (وما علی رسولنا الا البلاغ کوئی مانے یا نہ مانے مرکز ہر حالت میں مرکز ہی ہے۔)

پیمانہ پیمائش مینار

میناری پیمائشی اکائی بھی بڑی دقت سے معلوم ہوئی۔ متعدد تجربوں سے یہ ثابت ہوا کہ پیمائشی پیمانہ (گز) "مینار" ایک ہاتھ ہے جس کا طول ۲۵ء۲۵ انچہ انگریزی ہے۔ اس کو پانچ حصوں میں تقسیم کیا اور ہر ایک حصہ کے پانچ ٹکڑے کئے۔ پروفیسر سمتھ نے ان کا نام میناری انچ رکھا۔ پس ہر ایک میناری ہاتھ میں ۲۵ میناری انچ ہوئے ان میں سے ہر ایک کا طول ۱ء۰۰۱ انچہ انگریزی کے برابر ہوا یعنی ۹۹۹ میناری انچہ ۱۰۰۰ انگریزی انچ کے برابر ہے۔ مصری پیمانہ "۲۰ء۶۸" انچہ۔ یونانی وردمی "۱۸ء۲۴" انچہ انگریزی کے برابر۔

ماخذ پیمائش مینار

زمین کے شمالی و جنوبی قطبوں کے درمیان تقریباً ۹۰۰۰ میل کا فاصلہ ہے۔ یعنی ......۵۰۰ انچہ انگریزی جو ....۵ میناری انچہ کے برابر ہے۔

(۱ میناری انچہ = ۱ء۰۰۱ انچہ انگریزی) یعنی ......۲ (دو کروڑ) میناری ہاتھ (بحساب ۲۵ میناری انچ = ایک ہاتھ میناری)، اس رقم کا نصف ......۱ (ایک کروڑ) میناری ہاتھ نصف قطر ہوا۔ پس میناری پیمائش کا ماخذ زمین کا نصف قطر ہے اور فرانسیسی انچ کی نسبت زیادہ صحیح ہے۔

مینار میں زمین کی دوری و محوری گردش (سالانہ و روزانہ گردش) کا نشان

چونکہ میناری انچہ زمین کے قطر سے ماخوذ ہے اس لئے کوئی تعجب نہیں اگر اس سے ایک دن مراد لیا جائے۔ جو زمین کی اپنے محور کے گرد گھومنے سے ظاہر ہوتا ہے یا یوں سمجھنا چاہئے کہ زمین اپنے قطر

ٹھیک ۳۶۵٫۲۴۲ ہاتھ کی سطح نکلا۔ یوں سمجھئے کہ ایک ہاتھ ایک دن کے برابر ہوا۔ اور ہر ایک رخ کا طول اُتنا ہوا جتنے کہ ایک سال میں دن ہوتے ہیں۔

ایک دوسری صورت اس حساب کی یہ ہو کہ مینار کی چوٹی کے پتھر کو سورج فرض کریں اور قاعدے کے چوگرد چار ہاتھ کے گز سے پیمائش کریں تو چاروں ضلعوں کی مجموعی لمبائی ۳۶۵٫۲۶۲ گز ہوگی۔ اس طرح یہ پیمائش زمین کی سالانہ حرکت کو ظاہر کرتی ہے جس کی مدت ۳۶۵٫۲۶۲ دن کے برابر ہے۔

نوٹ۔ اس بیان میں ظاہراً اختلاف معلوم ہوتا ہے کیونکہ ایک انچ، ایک ہاتھ یعنی ۲۵ انچ اور چار ہاتھ یا ۱۰۰ انچ ایکدن کے برابر دکھلائے گئے ہیں جو بدیہی نقیض ہیں۔ لیکن ایک انچ سے ایک دن رات مراد لینا اور پھر ایک دن سے ایک سال سمجھنا درست ہے کیونکہ قطبوں کے نزدیک چھ مہینہ کا دن اور چھ مہینے کی رات ہوتی ہے جو خط استوار کے قرب و جوار میں تقریباً ۳۶۵ حصوں میں تقسیم ہوجاتی ہیں۔ پس قطبی دن ایک سال کے برابر ہوا یعنی ایک انچ = ۳۶۵ انچ تقریباً۔ کرۂ کلاں میں ایک انچ ایک سال کے برابر نکلتا ہے۔ ایسا ہی کرہ خود میں۔ لیکن زینہ اول میں اس کا ۲۵ گونہ ایکدن کے برابر ہوتا ہے۔ لہذا یہ نتیجہ نکلنا بعید از معنی نہیں ہوسکتا کہ اس زمانے کے لوگوں کی عمریں زمانہ موجودہ سے ۲۵ گنا زیادہ تھیں یا ابتدائی مخلوق ارضی کی عمریں ۱۰۰ گنا زیادہ۔

اگر زمانہ موجودہ کے علما کی رائے کے مطابق اوسط عمر ۳۸ سال قبول کیجائے تو ۲۵ گنا ۹۵۰ سال ہوگا۔ اور اسی حساب سے اس سے پیشتر کی مخلوق کی عمریں تقریباً ۳۸۰۰ سال ہوں گے۔ انسانی زمانے سے پیشتر جنات و ملائکہ کا زمانہ تھا جنکو مختلف مذاہب جداگانہ ناموں سے تسلیم کرتے ہیں۔ قرآن شریف میں تو ان ہر دو گروہ کا وجود انسان سے پیشتر مسلم ہے توریت کتاب پیدائش میں ان کو جبار کے نام سے ذکر کیا گیا ہے۔ اہل ہنود کی کتابوں سے دیوتا دیت کا وجود نل یا منشیہہ سے پیشتر موجود نظر آتا ہے۔ اس زمانہ کی تقسیم اہل ہنود میں اس طرح پر آئی ہے (۱) ست یگ۔ راستی حق جوئی وحق پرستی کا زمانہ۔ سوائے دیوتاؤں یا روحوں کے دوسرے اس صفت میں داخل نہیں ہوسکتے کیونکہ یہ مخلوق خواہشات نفسانی سے بری ہے۔ (۲) دواپر زمانہ عنصری دیو یا ملائکہ اس زمانے میں مخلوقات خواہشات نفسانی سے بری نہ تھے۔ لیکن خوشنودی الہی کے حصول میں کوشش کرتے تھے۔ (۳) ترتیا۔ زمانۂ تفرق و نفاق۔ اس زمانہ میں دیت یا شیاطین کی بستی تھی۔ بدکرداری۔ بدطینتی عام تھی۔ جنگ وجدل سے زمانہ پر آشوب تھا یہاں تک کہ انکا زور ٹوٹ گیا۔ ان کی بستیاں ویران ہوئیں۔ اسی زمانہ کے ختم کے قریب نل یا انسان اسٹیج پر آیا (۴)

دوسرے اشخاص ان یوں کی نسبت تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ یہ مختلف مخلوقات کے زمانہ ہے۔ اور
تیسرے زمانے سے پہلے زمانہ کی مدت پوگئی تھی۔ اسلامی نقطۂ خیال سے یہی زمانہ اس طرح ہوسکتا ہے
(۱) عالم امر یعنی پیدائش ارواح کا زمانہ۔ اس زمانہ کا ست یُگ ہونا ظاہر ہے (۲) عالم خلق۔ پیدائش
ملائکہ کا زمانہ۔ (۳) عالم اعمال خلق جنات یا ناری مخلوقات (۴) عالم تشریعی جب کہ جزا و سزا اعمال
کی شریعت رائج ہوئی۔ اسکو کلجگ کہتے ہیں یعنی حضرت انسان کا زمانہ ان کے اعمال کی جزا و سزا کے لئے
ایک وقت مقرر ہے۔ دست بدست بدلہ نہیں ملتا جیساکہ ابتدائی زمانوں میں ملتا آیا۔

قرآن شریف میں ایک دن ۱۰۰۰ ہزار سال کے برابر بھی مذکور ہوا ہے۔ اور ۵۰۰۰۰ سال کے برابر بھی۔ اور عمر دنیا ایک لاکھ برس ہونا حدیثوں سے مستنبط ہوتا ہے۔ نیز یہ بھی قرآن پاک سے ثابت ہے کہ ایک نیکی کا عوض بنی آدم کے لئے ویسے ہی دس حسنات کے برابر ہے۔ اور ابتدائے خلقت انسان آخر زمانۂ شیاطین میں ہوئی۔ تو یہ کہنا بیجا نہیں ہوسکتا کہ اون کی عمریں انسان سے وہ چند تھیں۔ ان کے وہ سالہ اعمال نیک انسان کے یکسالہ اعمال نیک سے وہی تناسب رکھتے ہیں جو دونوں کی عمروں میں ہو۔

لہذا اندازاً زمانوں کی مدت دس لاکھ ایک ارب اور پچاس ارب سال تک پہونچتی ہے۔ حدیث نور سے یہ معاملہ ذرا واضح طور سے سمجھ میں آتا ہو۔ اس کا ترجمۂ منظوم موجود ہے جس کا مطلع اس طرح ہو

نور پاک مصطفٰے جب آگیا قندیل میں نور کی قندیل تھی اور نور تھا قندیل میں

یہ مسئلہ بذات خود اسقدر دلچسپ ہے کہ یہ مختصر بیان اس کے لئے کافی نہیں لیکن چونکہ اس قسم کے مباحثہ نفس مضمون کی حدود سے باہر ہیں۔ نیز طویل و عریض۔ اس لئے اس بیان کو کسی آیندہ وقت کے لئے چھوڑ دیا جاتا ہے۔ (یار زندہ و صحبت باقی۔)

پیمائش زمین و سورج کے مابین فاصلہ

اگر بنیاد مینار کے ایک گوشہ سے عمارت کے وسطی عمودی قطر کو جو چوٹی کے پتھر سے ملا لا جائے پیمائش کریں اور ہموار پیمائش کی دس اکائیوں پر عمودی ۱۰ اکائیاں لیجائیں تو جب عمودی و عرضی پیمائش ختم ہوگی تو عمودی پیمائش مینار کی چوٹی تک پہونچ جائے گی یعنی گوشہ کے شنبہ کا طول عمود وسطی تک اس عمود کی بلندی کے ساتھ "۱۰" اور "۹" کی نسبت رکھتا ہے۔ ۶۱٬۶۴۵۶:۱۰٬۱۳۸۵ = عرضی پیمائش عمودی پیمائش = ۱۰:۹ اس نسبت سے جب عمودی بلندی کو درست کرکے انگریزی انچوں میں تحویل کرتے ہیں۔ اور اسکو ۱۰^۹ یا ۱۰۰۰۰۰۰۰۰۰ میں ضرب دیتے ہیں تو ۹۱۸۳۷۴۸۴ میل برآمد ہوتے ہیں۔ یہ قریب قریب وہی فاصلہ ہے جو منجمین اب تک سورج اور زمین کے مابین دریافت کرسکے ہیں۔

چوٹی کا پتھر علامت مصطفےٰ یا مسیا علامت ہے جسکو ملاکی نبی نے راستبازی کا سورج کہا ہے۔ اور جو اپنے بازوؤں میں شفا لیکر آئے گا۔ ملاحظہ ہو ملاکی باب ۴۔ آیت ۲۔ آیندہ یہ بھی ظاہر کیا جائیگا کہ مینار میں سب سے بڑا کمرہ جس کو لوگ شاہی کمرہ کہتے ہیں۔ مسیا کی روحانی فوقیت اور اس کے مقام سکونت کو ظاہر کرتا ہے جو خداوند عالم نے نجات عالم کے لئے اس کو عطا کیا اور جس مقام سے مسیا نے بنی آدم کو روحانی تعلیم دی۔ تمام بنی آدم کو ابدی زندگی کی شاہراہ دکھائی اور روحانی فضیلت و نجات کا تاج ان کے سر پر رکھا۔

نوٹ:۔ یہ بھی یاد رکھنے کی بات ہے کہ چوٹی کا پتھر مخمّس ہے اور اس کے نیچے پانچ سقف ہیں۔ پھر دیوار کے چار پتھر۔ لہذا اگر چوٹی کا پتھر علامت مسیا ہے تو اس کا علامت پنجتنی ہونا محتاج ثبوت نہیں جبکہ نو پتھر کی قطار بھی اس کے ہمراہ موجود ہیں۔ اندریں صورت لفظ مسیا پانچ نفوس قدسیہ متحد المقصد والتعلیم پر حاوی ہے جس کی صورت ظاہری آیۃ قرآنی قل تعالوا ندع ابناءنا وابناءکم ونساءنا ونساءکم وانفسنا وانفسکم میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح دکھلائی۔ خود آنحضرت حسنینؑ کو لئے ہوئے آگے تھے۔ اور حضرت فاطمہؑ بیچ میں۔ اور علی ابن ابی طالب علیہ السلام سب کے پیچھے۔ یا دوسرے الفاظ میں رسول و نفس رسول آگے پیچھے۔ ناموس ولایت و نبوت درمیان میں۔ کل پانچ نفوس۔ اور آیندہ اس شریعت کے محافظ نو نفوس قدسیہ یعنی علیؑ و محمدؑ و جعفرؑ و موسیٰؑ و علیؑ و محمدؑ و علیؑ و حسنؑ والقائم مہدی علیہم السلام۔ کل چودہ نفوس طیبہ ہوئے۔ لہذا کمرۂ کلاں شریعت مصطفوی کی علامت ہے جس کے عالم ایک رسول خود ایک دختر رسول اور بارہ اوصیائے رسول ہیں ان میں سے پانچ ایک ہی وقت زمانہ تنزیل میں موجود تھے۔ لہذا ہدایت کاملہ اس چودہ کے سلسلے کے علاوہ دوسری سلسلوں میں ناممکن ہے یہی وہ سلسلہ ہے جو راز نجات بنی آدم ازل سے قرار پایا۔ جس کا حال آدم علیہ السلام کو بتلایا گیا۔ جس سے توسل کرنے کا آنحضرت سے عہد باندھا گیا۔ جیسا کہ قرآن پاک میں مذکور ہے ولقد عھدنا الی آدم من قبل فنسی ولم نجد لہ عزما ط ہم نے پیشتر آدمؑ سے ایک عہد باندھ لیا تھا لیکن آدم نے اس کو چھوڑا۔ اور ہمنے اس کو صاحب ارادہ اور مستقل نہ پایا۔ جس امر کا عہد آدم علیہ السلام سے لیا گیا۔ وہ متابعت امرالہی و توسل براز نجات عالم تھا۔ اس عہد کو آنحضرت نے اپنی اولاد تک پہونچایا زبانی نہیں بلکہ چونے پتھر کی نہ مٹنے والی تحریر میں۔ لیکن اولاد آدم علیہ السلام نے اس عہد کو فراموش کر دیا تھا۔ یہانتک کہ اس تحریر کا سمجھنا بھی ان کے لئے چیستان بن گیا۔ ان چودہ نفوس قدسیہ سے جو راز نجات عالم تھے توسل رکھنا تو درکنار ان کو قطعاً فراموش کر دیا۔

جس کا تعلق خدا کے نام سے ہو نہ ایسے مقام سے جس کی نسبت خدا کے علاوہ کسی دوسرے کے نام ہو سکے۔ مثلاً بیت المقدس یعنی وہ مقام جس کو حضرت داؤد علیٰ نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام نے عبادت الٰہی کے لئے تجویز کیا اور سلیمان علیہ السلام نے تیار کرایا۔ لہذا نسبت بیت المقدس داؤد علیہ السلام کی جانب راجح ہے نہ کہ خدا کیجانب۔ اسی طرح بیت اللہ یا کعبہ وہ مقام ہے جس کو خدا نے اسمٰعیل علیہ السلام کی رہائش کے لئے خود تجویز کیا۔ اور اپنے خلیلؑ کو حکم دیا کہ اسمٰعیلؑ کو وادی فاران میں چھوڑ آؤ۔ لہذا جس مقام کو خدا نے خود تجویز کیا۔ اس کی نسبت خدا کیطرف ہوگی اور وہ مکان جو اس پسندیدہ مقام میں خلیل و اسمٰعیل علیہما السلام نے عبادت الٰہی کے لئے بحکم الٰہی تیار کیا وہ خانۂ خدا ہوگا۔ یہ ظاہر ہے کہ خدائی دربار کا وسیلہ خانۂ خدا ہی مل سکتا ہے نہ خانۂ غیر میں۔ لہذا راز نجات عالم کا ظہور اسی وادی فاران میں غار حرا اور خانہ کعبہ سے ہوا۔ رسالت کا ظہور رقبہ کوہ پسندیدہ سے اور نفس رسالت کا ظہور خانہ خدا سے۔ کیونکہ "خلافت و امامت" نفس رسالت ہے۔ اور نفس کا تعلق روح کے ساتھ وہی ہے۔ جو بادشاہ اور اس کے خلیفہ میں ہوتا ہے۔ یا نائب و منیب میں۔ رسالت روحانی بادشاہت ہے۔ اس کا مقام بلند ہے خلافت اس جمے جمائے کام کو چلاتا ہے یا اس بنائے ہوئے گھر کا انتظام کرنا۔ لہذا "رسالت" کوہ پسندیدۂ الٰہی سے" اور خلافت" خانۂ محترم الٰہی" سے ظاہر ہوئی۔ اس خداداد شرف کو نہ کوئی رسالت سے چھین سکتا ہے نہ خلافت و امامت سے۔

اس کے علاوہ اگر کمرۂ کلاں کی ساخت میں غور کیا جائے تو پانچ نو اور چودہ ہی نظر آتے ہیں۔ کمرے کی دیواروں میں بشمول سقف اول پانچ پانچ پتھر اس کے اوپر چار چھتیں فی چھت ایک پتھر۔ اور سب کے اوپر وہی مخمس پتھر۔ فرش میں پانچ پتھر۔ محرابوں میں پانچ پٹیاں پانچ محراب وغیرہ۔ (نقشہ منسلکہ ملاحظہ ہو۔) چھت میں پانچ شہتیر۔ غرضیکہ ہر طرف پانچ کا سکہ بیٹھا ہوا ہے۔ اور بنیاد سے چوٹی تک دیکھنے والے کو پانچ اور نو کی قطاریں نظر آتی ہیں جس کا مجموعہ چودہ ہوتا ہے۔ ایسا سلسلہ جو صرف چودہ میں محدود ہو۔ صرف ایک نبی اسلام علیہ و آلہ الاف التحیۃ والسلام کا سلسلہ ہے لہذا یہی وہ راز نجات عالم ہے جسکو انبیائے سلف مسیا کے نام سے ذکر کرتے رہے۔ مسیا کی لفظی معنی مقرر شدہ یا معہود یا موعود ہیں جیسا کہ ملا کی ۳ میں اسی مسیا کو عہد کا رسول بیان کیا گیا ہے۔ پس اس رسول سے زیادہ اور کون اس لقب کا مستحق ہو سکتا ہے جو مقام پسندیدہ میں رہے۔ مکان چیدہ سے ظاہر ہو۔ اور اس کے نائب کا مولد خانہ محترم الٰہی ہو۔ جو نتیجۂ دعائے خلیل ہو۔ ولد اسمٰعیل ہو۔ ساکن شہر جلیل ہو۔ اور آیۃ میثاق سے اس کا رسول عہد ہونا ظاہر و باہر ہو۔)

بنارسی انچ سے شاہی کمرہ میں ایکسال مراد ہونا

یہ معلوم کرنا بھی خالی از دلچسپی نہیں کہ

حرکت کو ظاہر کرتا ہے۔ جو وہ سورج کے گرد کرتی ہے۔ پس جب طول کے دو چند کو زینہ کے فرش پر نشان دیں اور فرش کمرہ کی اعلی داخل حدود سے عمود و قاعدہ کھینچیں تو عمود کی بلندی سال کے ایام کے مطابق ہوگی۔ یعنی عمود ۳۶۵٫۲۴۲ انچہ ہوگا۔ ایک اور طریقہ سے بھی شاہی کمرہ شمسی سال ظاہر کرتا ہے۔ پروفیسر سمتھ نے بیان کیا ہے کہ شاہی کمرہ کا طول لیکر اسکو ایک دائرہ کا نصف قطر سمجھو علوم مروجہ کے مطابق اس کا رقبہ معلوم کرو۔ اس دائرہ کے رقبہ کو مربع شکل میں لے آؤ۔ اور اس مربع کا ضلع دریافت کرو۔ یہ ۳۶۵٫۲۴۲ ہوگا۔

اس کے علاوہ اور بہت سی علمی باتیں ہیں جو اپنی پیچیدگیوں کے باعث اس مضمون کے قابل نہیں اس لئے نظر انداز کی جاتی ہیں۔ مثلاً صعود و ہبوط شمس جس کی مدت ۲۵۸۲۷ برس ہے۔ کیونکہ قاعدے کے دونوں قطروں کا مجموعہ تقریباً ۲۵۸۲۷ میناری انچہ ہے۔ ایک اور طرح بھی اس کا ثبوت ملتا ہے۔ کمرۂ کلاں کے فرش کی سطح اوتاد مینار سے ۱۷۰۲ انچہ بلندی پر ہے۔ اور دائرۂ مینار اس سطح پر ٹھیک ۲۵۸۲۷ انچہ ہے۔ تیسری بات یہ ہے کہ جب کل مینار کی بلندی ۵۸۱۳ انچہ سورج کے فاصلہ کو ظاہر کرتی ہے تو اس کی جزوی بلندی اسی قاعدے کے بموجب سورج کے صعود و ہبوط کو ظاہر کرے گی۔ یعنی کمرۂ شاہی سے اوپر اوپر کی بلندی ۔۔۔۔ (ترجمہ از انگریزی۔)

دیگر امور ضروریہ متعلق مینار

(۱)۔ کمرۂ خورد عمارت مینار کے چھبیسویں سنگ تعمیر پر واقع ہے۔ اور کمرۂ کلاں پچاسویں سنگ تعمیر پر۔ لہٰذا ہر دو کمرہ سے شریعت موسویؑ اور شریعت محمدیؐ مراد ہے۔ کیونکہ موسیٰ علیہ السلام آدم علیہ السلام سے چھبیسویں اور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ اکاونویں پشت میں ہیں

(۲) کمرۂ اول کا راستہ زینہ اول کے خاتمہ پر ہے۔ اسی جگہ سے زینہ دوم شروع ہوتا ہے جس کے اختتام پر راہ کمرۂ دوم ہے۔ لہٰذا کمرۂ اول و دوم ایک ہی زینہ پر منتہی ہوتے ہیں۔ جیسا کہ نسلی امتیاز سے حضرت مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام ایک ہی جد کی نسل ہیں۔ یعنی دونوں ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں ہیں۔ ایک نسل اسحٰق علیہ السلام سے اور دوسری نسل اسمٰعیل علیہ السلام سے۔

(۳) تیسرے کمرۂ خورد میں ہوا کی آمدورفت کے وسائل ناممکن ہیں۔ ہوا کی نالیاں دیوار تک لاکر چھوڑ دی گئی ہیں۔ اور ان کو کمرہ کے اندر کی جانب سے بند رکھا گیا ہے۔ لہٰذا حیات شریعت موسوی ابدی نہیں ہوسکتی۔ کیونکہ حیات کا مدار ہوا پر ہے۔ ہوائے موجودہ ایک خاص وقت تک کفایت کرسکتی

اس کے بعد منسوخ۔

کرۂ دوم میں ان وسائل زندگی کا مکمل ہونا اوس کے قیام دوام کی دلیل ہے لہذا شریعت محمدی ابدی شریعت کاملہ ہے جس کے بعد کسی دوسری شریعت کی ضرورت نہیں۔

(۴) کرۂ خورد کی انتہائی بلندی اڑتیسویں سنگ تعمیر تک پہونچتی ہے۔ لیکن خود اس بلندی تک اس کی اکسٹھویں تعمیری سطح ہے۔ لہذا سلسلۂ نسل اسحق میں اکسٹھویں پشت اسمعیلی سلسلہ کی اڑتیسویں پشت کی ہمعصر ہے۔ جو تواریخ وشجرہ انساب سے درست نکلتا ہے۔

(۵) مینار ایک ایسے بیضوی قطع زمین کے گوشہ میں ایک چٹان پر تعمیر کیا گیا ہے جو جزیرہ نما کے مشابہ ہے جس کے جنوبی حصہ کو دریائے نیل نے گھیر رکھا ہے اور مشرقی وشمالی حصہ بحر قلزم وبحر روم نے پس ہر دو خانوادۂ ہدایت کا ایک ایسے ہی جزیرہ نما میں ہونا ضروری ہے جس میں یہ اوصاف ملتے ہوں۔

(۶) قدمچۂ بالائی زینۂ دوم کی بلندی ۳۶ انچہ اور عرض ۱۶۱ انچہ ہے۔ اگر بلندی علامت روحانیت اور سطح علامت کمال نفس فرض کی جائے تو اس سے یہ معنی پیدا ہو سکتے ہیں کہ روحانی ۳۶ کے بعد کمال نفس کی ۱۶ سطح ہوگی۔ یا دوسرے الفاظ میں اسمعیلی چھتیسویں پشت کے بعد اسرائیلی اکسٹھویں پشت ہوگی۔ تاریخ سے ثابت ہوا کہ حضرت عیسی علیہ السلام کا زمانہ نبوت لوی بن غالب کے عہد میں تہا۔ کنانہ بن خزیمہ اسوقت زندہ تھے۔ جو آدم علیہ السلام سے سینتیسویں پشت میں تھے۔ حضرت عیسی علیہ السلام سلسلۂ اسحق علیہ السلام سے ہیں اور آدم علیہ السلام سے اکسٹھویں پشت میں ہوتے ہیں (ملاحظہ ہو شجرہ نسب)

(۷) قدیم زمانے سے یہ کہاوت چلی آتی ہے کہ "زمین بیل کے سینگ یا مچھلی کے سر پر قائم ہے" اس کہاوت پر غور کیا جاوے تو معلوم ہوگا کہ زمین خلا میں قائم ہے۔ کیونکہ مینار مخروطی ہے۔ ایسا ہی مچھلی اور سینگ بھی مخروطی ہوتے ہیں۔ تینوں میں مشابہت قائم ہوگئی۔ زمین گول ہے۔ لہذا اس کا سایہ مخروطی شکل کا ہوگا۔ جیساکہ خاکۂ ذیل سے ثابت ہوگا

شعاع زمین
سورج سایہ
دن رات

لہذا زمین اپنے ہی سایہ پر قائم ہے۔ مینار چٹان پر بنا ہوا ہے۔ اگر روشنی مینار کے مخالف سمت میں ہو تو اس بیضوی قطع زمین کا سایہ مینار ہوگا۔

(ب) مچھلی کو حوت کہتے ہیں۔ اور قرن الایل بیل کا سینگ برج ثور ہوا۔ برج حوت برج حمل کے مشرق میں۔ اور برج ثور مغرب میں ہے۔ علم نجوم کے مطابق برج حمل مقام شرف شمس ہے لہذا برج حمل یا مقام شرف شمس نہ شرقی ہوا نہ غربی بلکہ عین وسط یا مقام عدل میں واقع ہوا۔ کیونکہ سورج اگر برج حوت میں ہو تو راتیں طویل اور دن کوتاہ ہوتے ہیں۔ اگر برج ثور میں ہو تو دن بڑے اور راتیں چھوٹی ہوتی ہیں۔ لہذا برج حمل کے ۱۹ درجہ پر آفتاب اپنے شرف میں ہوگا

اور درات ساوی۔ گرمی سردی معتدل۔ یہی موسم بہار ہوگا۔ جو بہترین موسم ہے۔ جب آفتاب برج

حوت میں ہو برج حمل کا سایہ برج ثور پر ہوگا۔ اور جب برج ثور میں ہو تو اس کے برعکس۔ لہذا برج

حمل یا مچھلی کے سر پر ہوا یا بیل کے سینگ پر۔ یعنی دونوں برج حمل کے زیر سایہ ہی رہیں گے۔ اس سے

افضل نہیں ہو سکتے۔

حمل عربی لفظ ہو جس کی ہندی میکھ ہے دمیکھ ہندی عبرانی میخ کے ہم معنی ہے جس کے معنی

تلوار ہوتے ہیں۔) حمل مینڈھا بھی ہے جنین بھی اور بوجھ بھی۔ اگر مینڈھا مراد لیجائے تو اس کے معنی ذبیح

قرار پائیں گے۔ اور مطلب یہ ہوگا۔ کہ آفتاب ہدایت جب نسل ذبیح سے طلوع کرے گا۔ تو ہدایت

کامل کا زمانہ ہوگا۔ جنین ثمر حیات انسانی ہے لہذا یہ مطلوب جمیع مخلوقات ہوا۔ بوجھ علامت ارضیت

ہے۔ ارضیت مٹی ہوئی جسکو تراب کہتے ہیں۔ لہذا آفتاب ہدایت اسوقت اپنے کمال پر ہوگا جبکہ وہ

ذبیح کی نسل سے ہو اور ترابی جنین کا باپ (بوتراب) کہلائے۔ نیز اسوقت نو دس (۹۱) سال کی عمر

میں ہو۔ اور صاحب شمشیر صاعقہ بار ہو۔

حمل کو کبش بھی کہتے ہیں۔ ابوجہل وغیرہ جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کو ابن کبشہ بھی

کہتے تھے لہذا تاریخی ثبوت بیان گذشتہ کے مطابق ہے جب جناب رسالت مآب نے اعلان نبوت

کیا تو آئندہ مقام ہدایت خلق کا اعلان بھی اسی وقت کر دیا۔ اور اپنے بعد اپنے جانشین کو مجمع کے

سامنے پیش کرکے اپنا بھائی اپنا وزیر اور اپنا خلیفہ مقرر کر دیا اس ولی عہد کی عمر اسوقت نو دس سال

کے درمیان تھی۔ نو سے زیادہ اور دس سے کم۔ لہذا آفتاب ہدایت اس وقت تک درجۂ شرف میں

ہے جبکہ وہ سلسلۂ ابو تراب میں قائم ہو۔ دوسرے سلسلہ اس شرف کے لئے مخصوص نہیں ہوئے۔

کیونکہ "میزان" ہبوط شمس کا مقام ہو۔ اگر منصب ہدایت بوترابی سلسلہ سے نکالکر ترازو والوں کو دیں تو

ہدایت کا آفتاب ہبوط میں آجائے گا۔ قدیم کہاوت بھی یہی کہتی ہو "قسمت پھوٹ جانئے جو بنیا راجہ ہو"

نتیجہ یہ برآمد ہوتا ہے کہ ہدایت حقہ کاملہ اسی وقت ممکن ہو جبکہ آفتاب ہدایت اپنے برج شرف

میں ہو۔ ثور و حوت (بت پرستی و نجوم پرستی ہدایت حقہ پر فائز نہیں ہو سکتی۔) برج شرف نہیں ہو سکتے یہی

حکم قرآن ہو لا ینال عہدی الظلمین منصب ہدایت پر ظالم فائز نہیں ہو سکتا۔ وکذلك جعلنکم

امۃ وسطا۔ اسی طرح سے (اے اہلبیت نبی) ہمنے تم کو امت وسط قرار دیا ہے۔

پس علی و اولاد علی علیہم الصلوٰۃ والسلام ہی حقیقی وارث نبوت و رسالت ہیں۔ اس میں زمانہ کی

کوئی تخصیص نہیں۔ کیونکہ ان کا دامن قیامت تک پھیلا ہوا ہو۔ (حتے یردا علی الحوض)

(ج) یہ کون نہیں مانتا کہ ہر ایک سلسلہ میں ایک ہی افسر اعلیٰ ہوتا ہے جس کے ماتحت بشمار افسر

میں چوٹی کا پتھر اسی افسر اعلیٰ کو ثابت کرتا ہے۔ یہ اسی کا پرتو ہی کہ کل عمارت ابھی تک باقی ہی۔ اسی پتھر کو ہم پیشتر علامت مسیا یا مصطفےٰ تحریر کر چکے۔ لہذا مصطفےٰ ہی افسر و تاج انبیائے سلف قرار پائے۔

چونکہ نائب اپنے منیب سے بڑا نہیں ہوتا۔ اس لئے اس کے حکم کے مقابلے میں نائب کا حکم منسوخ ہو جاتا ہے۔ تنسیخ شریعتہائے سلف کی یہی غایت ہی۔ اس لئے حکم توریت منسوخ ہوا اگر وہ باقی رہنے والی شریعت ہوتی تو ایسے معلم کی ضرورت نہ ہوتی جو ہارونی طریقہ کا نہ ہو بلکہ ملک صدق کے طریقہ کا شمار ہو۔ جب معلم بدل گئے تو شریعت بھی بدلنی ضروری ہے۔ اس لئے نبی کی معرفت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں کہا گیا کہ" تو ملک صدق کے طریقہ کا ابد تک کاہن ہی"(زبور ۲۲)

لیکن وہ شریعت جس کی کہانت ملک صدق کی ملکیت ہو زمانۂ مسیح علیہ السلام میں موجود نہیں ملتی۔ ورنہ مسیح علیہ السلام ابدالاباد تک اسی کے معلم رہتے۔ لہذا غیبت مسیحؑ لازم آئی۔ اور وہ اس آنیوالی شریعت کی کچھ عرصہ تک منادی کرکے غائب ہو گئے تاکہ وقت مقررہ پر قائم آل محمدؐ صلوٰاۃ اللہ علیہم اجمعین کے اسسٹنٹ ہوں۔ خود اناجیل مروجہ میں اقوال مسیح علیہ السلام سے یہی ثابت ہوتا ہے جیسا کہ آیندہ ذکر ہوگا

(د) آخر میں ہم یہ ذکر کئے بغیر نہیں رہ سکتے کہ اگر تاریخی واقعات سے صرف ایک دو کا میناری پیمایش سے تطابق ہو جاتا تو اس کو امر اتفاقی کہنا بجا تھا۔ لیکن متعدد تاریخی واقعات کا اور متواتر سنین کا پیمائش مینار سے مطابق ہونا کچھ معنی رکھتا ہی۔ اس لئے ہمیں یہ کہنے سے کوئی امر مانع نہیں کہ عمارت مذکورہ بقیہ از آثار انبیائے سلف ہے۔ اس میں آیندہ ہونیوالے واقعات پیشینگوئی کے طور پر پیمائشی تحریر میں درج کئے گئے ہیں۔ تاکہ دستبرد ابنائے زمانہ سے محفوظ رہیں۔

سید حسین بن سید محمد حسین موسوی
ابنالوی

اسقدر تمہید کے بعد ذیل میں مختلف میناری پیمایشیں درج کی جاتی ہیں۔ جن پر [illegible]

مضمون ہذا کا دار و مدار ہے۔ نقشہ مینار ہر ایک پیمائش کے ذہن نشین کرنے کے لئے ہمراہ موجود ہے۔

(۱) اول چٹان جس پر مینار بنایا گیا ہے کچھ کم لمبی چوڑی نہ ہو گی لیکن محققین نے یا اسطرف توجہ نہیں کی یا خوبی قسمت سے وہ پیمائش ہمارے ہاتھ نہیں لگی۔ اس لئے مجبوراً چھوڑنا پڑی۔

(۲) فرش مینار کا عمق۔ چٹان کی سطح کو ہموار کر کے ۲۹ ¾ انچ موٹا فرش بچھایا گیا ہے (زیادہ صحیح طور سے ۲۹٫۷۴)

(۳) سطح فرش سے دروازۂ مینار تک ترچھا فاصلہ ۸۷۶ ½ انچہ ہے۔

،، ،، عمودی ،، ۶۶۷٫۸۹۴ ،، (سطح پلستری تک)

،، موجودہ راہ کے دروازہ تک ،، ،، ۶۴۲٫۰۰۰ ،، ،،

(۴) فرش دروازہ مینار ہے سطح متوازی فرش کمرۂ خورد ۲۳۲ ¾ انچ کی بلندی پر ہے

(۵) راہ مینار تقریباً ۴، ½ انچ مربع ہے۔

،، کا طول زینۂ اول کے مقام تقاطع تک ۹۸۶ ¼ انچ ہے

،، ،، بشمول سنگ پلستری ،، ،، (موٹائی ½ ۱۲۴ انچہ) ۱۱۱۰ ¾ انچ ہے

،، ،، از مقام تقاطع تا راہ ہموار غار ۳۰۳۷ ½ ،، ،،

ہموار راستۂ غار کا طول ۳۲۵ ¼ ،،

راہ مینار کا کل طول غار تک (بشمول سنگ پلستری) ۴۴۹۹ ،، ،،

(۶) غار کے کنارے کنارے راستہ کا طول ۳۲۵ ¼ ،، ،،

،، ،، دوسری طرف تنگ راہ کا ،، ۶۴۳ ،، ،،

راہ مینار کا کل طول (بشمول سنگ پلستری) تا آخر حد ۵۴۶۷ ¼ ،، ،،

،، طول مقام تقاطع سے آخر حد تک ۴۳۵۶ ¼ ،، ،،

(۷) عمق غار سطح راہ سے تقریباً ۱۷۳٫۳۵ ،، ،،

عرض ،، ،، ،، ،، ۱۲۱٫۲۵ ،، ،،

(۸) طول سنگ سیاہ زینۂ اول ۱۷۸ ،، ،،

(۹) مقام تقاطع راہ مینار و زینۂ اول سے فرش کمرۂ خورد کی سطح تک

(ا) سقف راہ مینار کی سطح سے ،، ،، ۶۲۲ ¼ ،، ،،
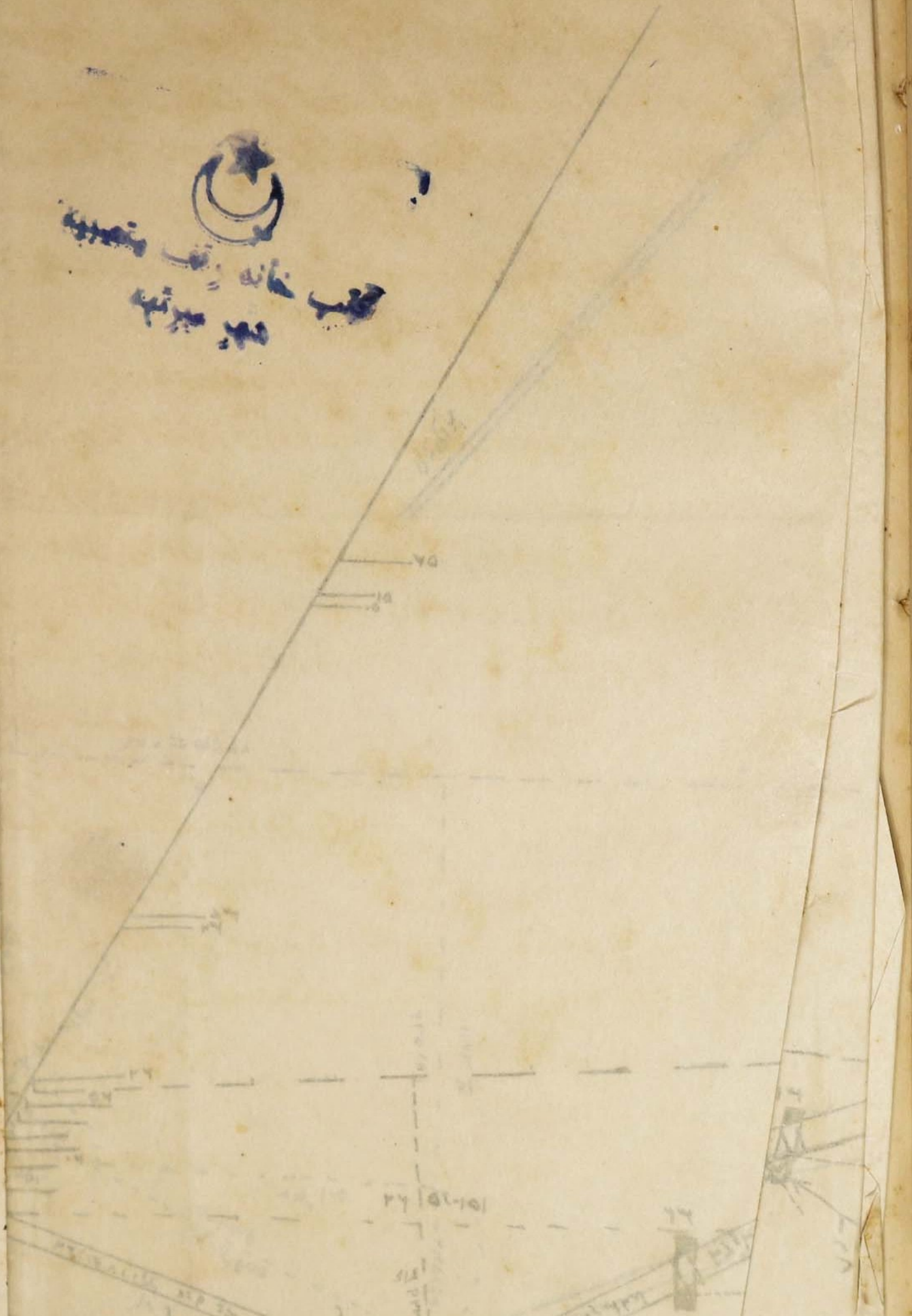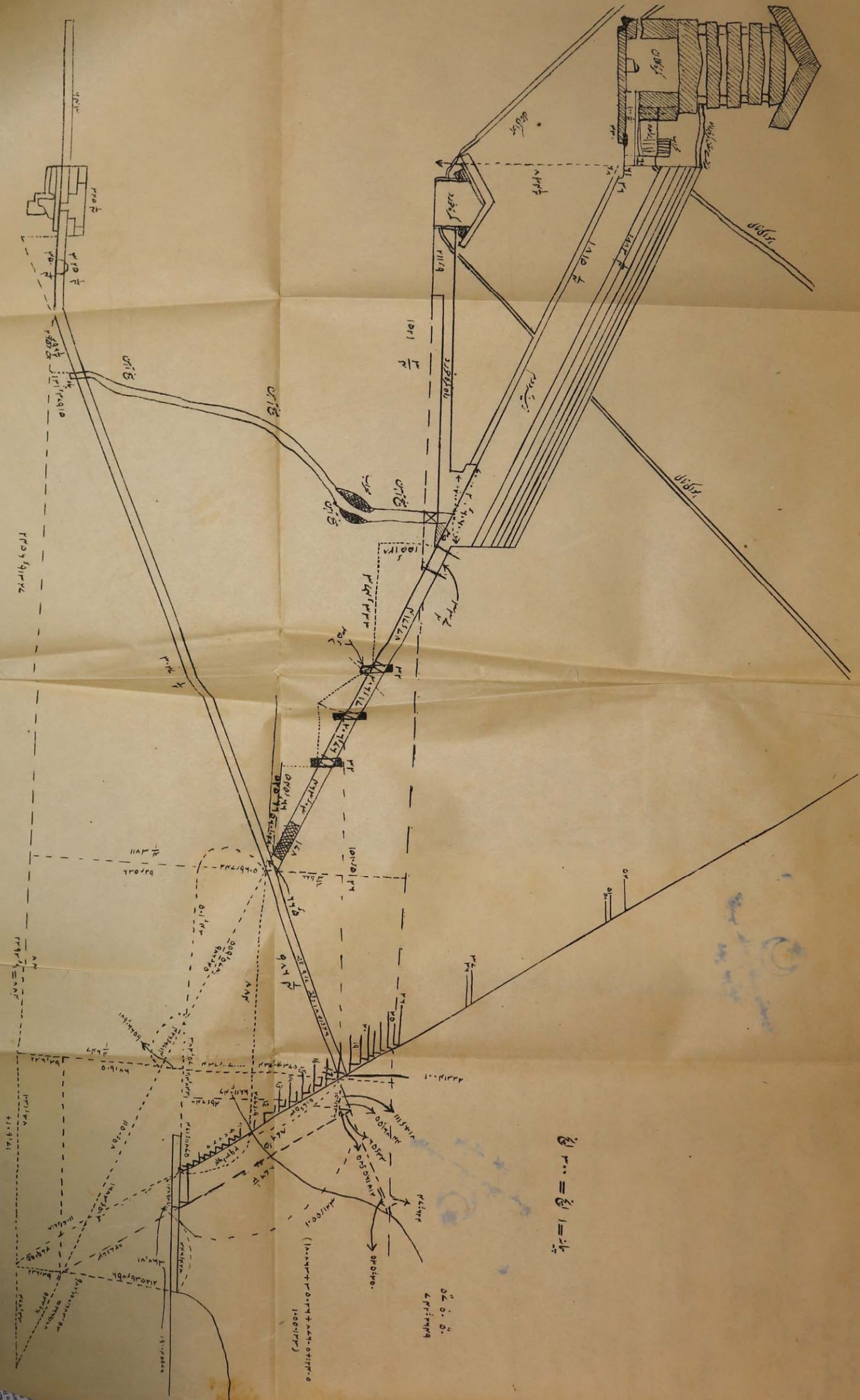
(ب) فرش ،، ،، ،، ،، ،، ۶۶۹ ¾ ،، ،،

(ج) مقام تقاطع کی سقف کی [illegible]

پیمانہ = ۱ انچ = ۳۰۰ انچ
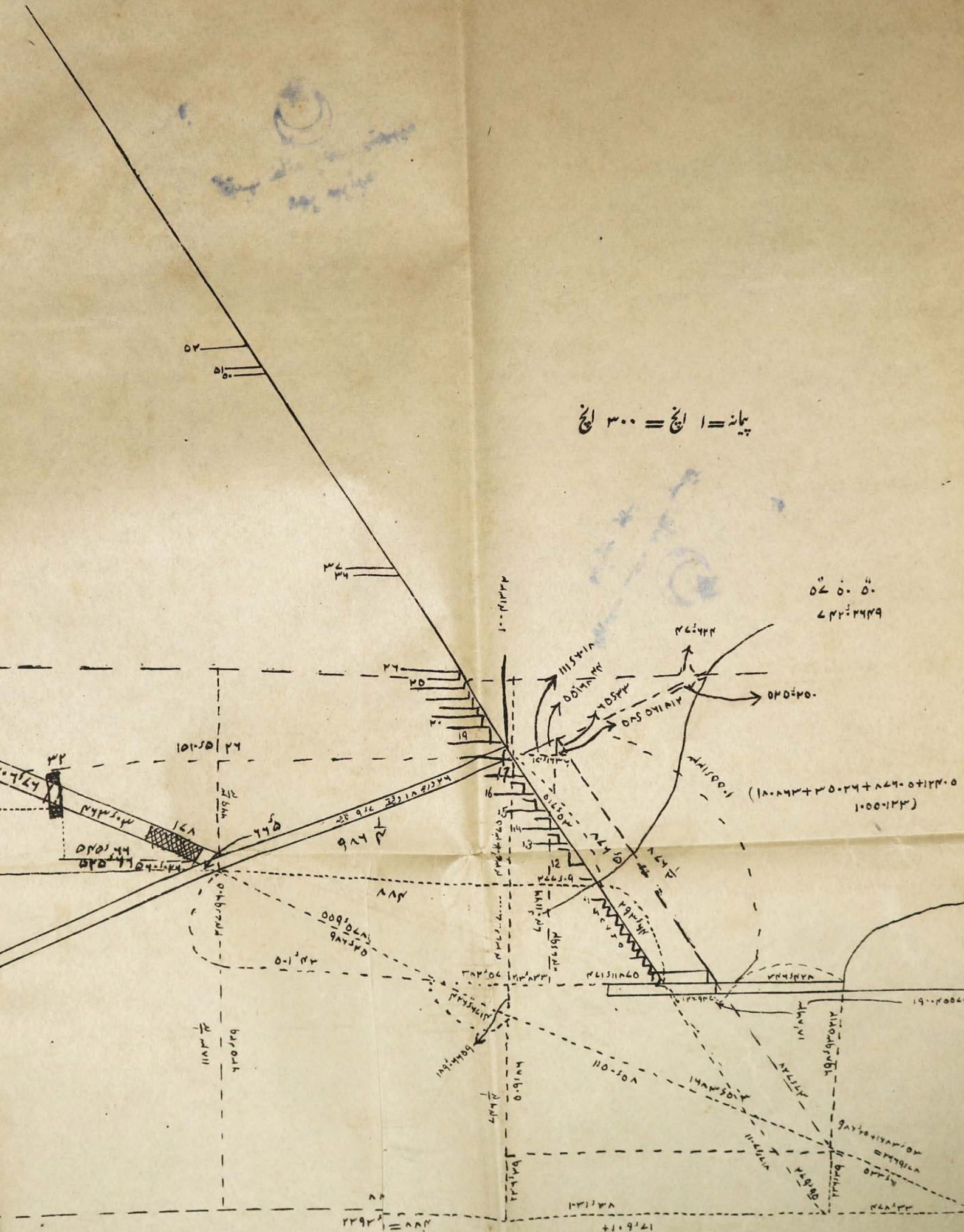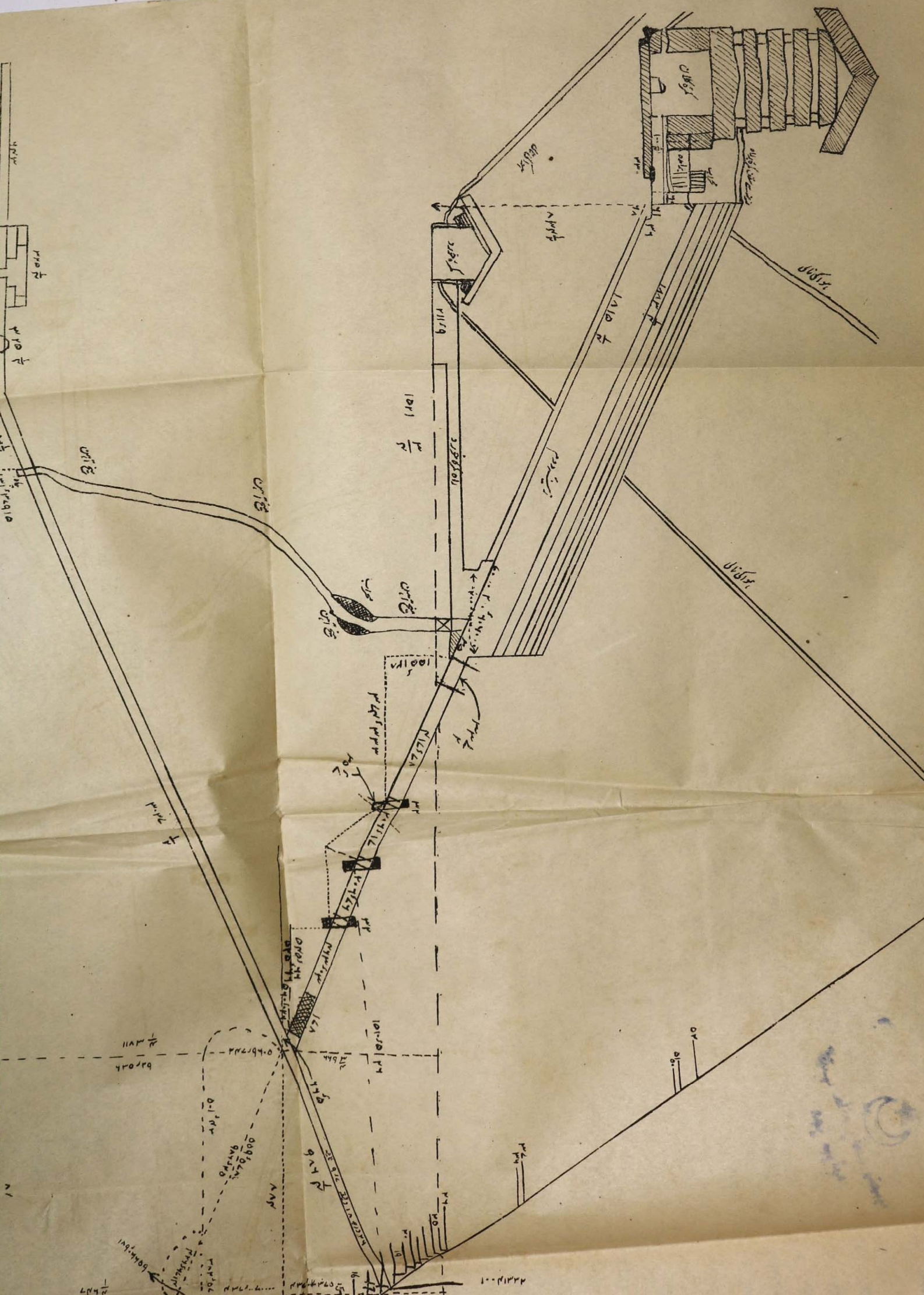
(۱۰) طول زینۂ اول کی بھی تین قسمیں ہیں۔

(ا) مقام تقاطع سے انتہائے زینہ تک ۱۵۴۵ انچ ہے۔

(ب) سنگ سیاہ کی ابتدا سے " ۱۴۷۰ ¾ " "

(ج) " کے اختتام " " ۱۲۹۲ ¾ " "

(۱۱) عمود از راہ مینار و سطح متوازی فرش کمرۂ خورد کے مقام تقاطع سے زینہ تک طول ۱۳۵۵ " "

" " " زینہ دوم کے گوشہ کے خط اور سطح کمرۂ خورد کی مقام تقاطع تک ۱۳۸۵ " "

(۱۲) طول راہ کمرۂ خورد ۱۵۲۱ ¾ " "

(۱۳) کمرۂ خورد ۔ طول (۲۲۶٫۷۴ انچہ سے ۲۲۶٫۹۷۳ انچہ) ۲۲۶٫۸۵۶۵ " " اوسط

عرض (۲۰۵٫۳۹۵ " ۲۰۵٫۷۹۴) اوسط ۲۰۵٫۵۹۴۵ " "

بلندی دیوار شمالی ۱۸۱٫۳۱۹ " "

" " جنوبی ۱۸۳٫۰۱۷ " "

" سقف کمرۂ خورد (۲۴۳٫۶۵۶ " ۲۴۴٫۹۵۵) اوسط ۲۴۴٫۳۰۵۵ " "

(۱۴) راہ زینۂ دوم کے آغاز پہ دہانہ چاہ کا طول ۲۶ ½ " "

" " " " عرض ۲۶ " "

(۱۵) سطح فرش کمرۂ خورد سے سطح زیریں فرش کمرہ کلاں تک فاصلہ ۸۳۴ ½ " "

" " " " بالائی " " ۸۵۵ ¼ " "

فرش کمرۂ کلاں کا عمق ۲۰ ¾ " "

(۱۶) زینۂ دوم کی سقف کا طول ۱۸۸۳ ¼ " "

" " کا سطحی طول ۱۸۱۵ ¼ " "

(۱۷) آخری قدمچہ زینۂ دوم کی بلندی ۳۶ " "

" " کا عرض ۶۱ " "

(۱۸) راہ کمرۂ کلاں کے تین حصے ہیں

(ا) تنگ راہ ملحق کمرہ عرض ۴۸ انچہ طول ۱۰۰ ¼ " "

(ب) صحن یا برآمدہ " ۱۰۹ " " ۱۶۹ ¾ " "

موتی (سیاہ کے ہیں۔)

(۱۹) برآمدہ کا طول شمالاً جنوباً	۱۱۶٫۲۶	انچ ہے
" فرش "	۱۰۳٫۰۳	" "
" عرض شرقاً غرباً محرابوں سے اوپر دیواروں کے درمیان	۶۵٫۲	" "
" ارتفاع فرش سے سقف تک	۱۴۹٫۳	" "
" " " مشرقی محراب "	۱۰۳٫۰۳	" "
" " " مغربی " "	۱۱۱٫۸	" "
سنگ سیاہ برآمدہ کا عرض	۴۱٫۷	" "
" سے کمرۂ کلاں تک فاصلہ	۱۶۵٫۴۵	" "
" کی بقیہ فرش سے بلندی	۰۰٫۲۵	" "
(۲۰) کمرۂ کلاں کا طول	۴۱۲٫۱۲۲	" "
" " عرض	۲۰۶٫۶۶	" "
" کے دیواروں کی بلندی	۲۳۵٫۳۸۸	" "
" فرش سے سقف تک "	۲۳۰٫۲۸۸	" "
(۲۱) " کی بیرونی بلندی سطح فرش سے قلہ سقف تک تقریباً ۷۰ فٹ =	۸۴۰٫۰۰۰	" "
(۲۲) چاہ سے سطح کمرۂ خورد تک فاصلہ	۱۸۵۳٫۰۰۰	" "
(۲۳) قعر غار سے زیرین سطح فرش کمرۂ کلاں تک فاصلہ	۲۸۶۰٫۸۵	" "
" بالائی " " "	۲۸۸۱٫۷۰	" "
(۲۴) بلندی زینۂ دوم زائد از ۲۸ فٹ	۳۳۶	" "
(۲۵) زینۂ دوم سے سقف کمرۂ کلاں پر راستہ کا طول ۲۸ فٹ یا	۳۳۶	" "
" " " " عرض	۳۱ ½	" "

(۲۶) زینۂ اول کی آہنی میخوں کا فاصلہ حسب ذیل ہے۔

(۱) سنگ سیاہ سے پہلی میخ تک فاصلہ	۴۶۲٫۰۳	" "
(۲) پہلی میخ " دوسری " "	۲۰۶٫۷۶۴	" "
(۳) دوسری " تیسری " "	۲۰۶٫۱۷۳	" "
(۴) تیسری " " اختتام زینہ		

(۵) سنگ سیاہ کا طول ... ... ۱۲۸ اینچ ہے۔

(۶) " سے مقام تقاطع راہ مینار تک ۲۵/۲۸ " "

※

ان پیمائشوں سے بعض ناپکر اور بعض قواعد مساحت الاضلاع کے ذریعہ معلوم ہوئی ہیں۔ قواعد مساحت الاضلاع حسب ذیل ہیں

علم مساحت الاضلاع والزوایا

وہ علم ہے کہ جس میں مثلث اشکال کے ضلعوں اور زاویوں کی پیمائش سے بحث ہو۔ مثلاً کسی مثلث کا ایک ضلع اور ایک زاویہ معلوم ہے۔ اس کے دوسرے اضلاع معلوم کرنا وغیرہ وغیرہ۔ چونکہ اس کے قواعد منضبط ہیں۔ اور نتیجہ عمل کا دارمدار نسبت اضلاع پر ہے جو بدل نہیں سکتا۔ اس لئے جوابات مستند ہوتے ہیں۔ مثلاً کسی زاویہ کے عمود کو اس کے قاعدے سے ہمیشہ ایک ہی نسبت رہیگی خواہ مثلث چھوٹا ہو یا بڑا۔ اس لئے اگر۔

(۱) عمود و قطر معلوم ہوں تو ان کا زاویہ اسی نسبت کے ذریعہ معلوم ہو جائے گا کیونکہ عمود ÷ قطر = نسبت معلومۂ زاویہ مخصوصہ جس کو سائن کہتے ہیں۔ مثلث کے تین ضلعے ہوتے ہیں ان میں سے دو دو ضلعوں کے حساب سے آٹھ نسبتیں فی زاویہ قائم ہو سکتی ہیں۔ لیکن مشہور صرف چھ ہیں۔ باقی کی دو پہلی دو سے ماخوذ ہیں۔ لہذا وہ نئی نسبت ظاہر نہیں کرتیں۔ یہ نسبتیں اس طرح پر ہیں۔

(۱) سائن یعنی عمود ÷ قطر

(۲) ٹینجنٹ " عمود ÷ قاعدہ

(۳) کوسیکنٹ " قطر ÷ عمود

(۴) کوٹینجنٹ " قاعدہ ÷ عمود

(۵) کوسائن " قاعدہ ÷ قطر

(۶) سیکنٹ " قطر ÷ قاعدہ

(۷) کورس سائن " ۱ - سائن

(۸) " کوسائن " ۱ ÷ (۱ - کوسائن)

ا د دائرہ ہے جس کا نصف قطر ج د ہے اگر سلاخ م ج مقام ج د سے گھومتی ہوئی د ج م زاویہ بنائے اور دائرہ کو مقام ا میں قطع کرے تو عمود ا ب کی نسبت قطر ا ج اور قاعدہ ب ج کے ساتھ ہمیشہ ایک ہی رہیگی جب تک کہ زاویہ د ج م قائم ہے۔ اگر زاویہ بدلکر د ج مَ ہو جائے تو یہ نسبت بھی بدلجائیگی اور قاعدہ و عمود کی لمبائی بھی۔

میناری زاویوں کی نسبتیں

... کا زاویہ ۲۶ درجہ ۱۸ دقیقہ ۷/۹ ثانیہ ہے۔ اس زاویہ کی نسبتیں حسب ذیل ہیں

(۳) ٹینجنٹ = ۰٫۴۹۴۲۸۹۴۵۶ (۴) کوٹینجنٹ = ۲٫۰۲۳۱۰۶۰۷۲

(۵) سیکنٹ = ۱٫۱۱۵۴۹۱۰۴۹۵ (۶) کوسیکنٹ = ۲٫۲۵۶۷۵۸۳۳۴

طریق استعمال نسبت ہائے

قطر معلوم ہو زاویہ معلوم ہے دوسرے ضلع کو اس طرح معلوم کر سکتے ہیں۔

سائن = عمود ÷ قطر۔ لہذا عمود = قطر × سائن

کوسائن = قاعدہ ÷ قطر۔ لہذا قاعدہ = قطر × کوسائن۔

علی ہذا القیاس اسی طرح دوسری نسبتیں بقیہ اضلاع دریافت کرنے میں مستعمل ہوتی ہیں مثلاً

ٹینجنٹ = عمود ÷ قاعدہ لہذا عمود = قاعدہ × ٹینجنٹ

کوٹینجنٹ = قاعدہ ÷ عمود " قاعدہ = عمود × کوٹینجنٹ

کوسیکنٹ = قطر ÷ عمود " قطر = " × کوسیکنٹ

سب سے ضروری امر صحت عمل ہے۔ مثلاً ایک ضلع قاعدہ ہے۔ جبتک ہم اسکو قاعدہ مان کر اسکے مطابق نسبتیں استعمال نہ کریں۔ جواب درست ہونے کی توقع رکھنا لاحاصل ہے۔

مینار کے راستوں اور زاویوں کی پیمائش سے جو نتائج اور اعداد ظاہر ہوتے ہیں حسب ذیل ہیں خاکہ کو خوب غور کے ساتھ دیکھنا لازمی ہے تاکہ قاعدے اور عمود اچھی طرح ذہن نشین ہو جائیں۔ اور عملی غلطی سے نجات ملے (ملاحظہ ہو حاشیہ خاکہ منسلکہ)

※

اب ہم اصلی مضمون کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔

زمانہ کی یہی رنگت ہے کہ واقعات کی یادداشت کے لئے زمانہ کی قید لگائی جاتی ہے۔ تاکہ زمانہ مابعد کے واقعات پہلے زمانہ کی واقعات سے اپنی ہستی کے عنوان میں ممتاز نظر آئیں لیکن اندازۂ زمانہ اسوقت ممکن ہے جبکہ ہم اس کا کسی کم از کم زمانہ سے تقابل کریں۔ کیونکہ جو واقعہ پیش آچکا اسکا زمانہ ہم سے دور ہوتا چلا جاتا ہے۔ فاصلہ ہر صورت میں فاصلہ ہی ہے خواہ وہ حواس خمسۂ ظاہری کے ذریعہ محسوس ہو یا قوائے باطنی سے۔ بہرصورت اس کی پیمائش کے لئے کوئی معیار ضرور قائم کرنا پڑے گا۔ موجودہ زمانہ میں اندازۂ وقت کے بیشمار ذرائع رائج ہیں۔ لیکن جب یہ ذرائع موجود نہ تھے عقل انسانی اس وقت بھی اس معمہ کو حل کرنے سے غافل نہ تھی اس نے کم از کم مقدار محسوسہ کو معیار قائم کر کے زمانہ کی پیمائش شروع

لیکن اگر حساب کی یہی کیفیت ہوتی تو اس کا یاد رکھنا کٹھن تھا مغالطہ ہونا آسان تھا حسیات میں سورج کا طلوع و غروب چاند کا گھٹنا بڑھنا اور پھر ہلالی صورت میں نظر آنا موسموں کا تغیر و تبدل اور ایک خاص زمانہ کے بعد ہر ایک موسم کا پھر پلٹ آنا موجود تھے۔ لہذا چاند کے نظر آنے سے دوبارہ ہلال ہونے تک ایک مدت معین ہوگئی۔ جس کا موسموں کے ساتھ تقابل کرنے سے مہینہ اور سال کی مقداریں قائم ہوگئیں۔ پھر جیسی ضرورتیں لاحق ہوتی رہیں۔ ویسی ہی اختراعیں اور اندازے بنتے چلے گئے چنانچہ مختلف ممالک میں اندازہ کے مختلف نام اور مختلف مدت نظر آتی ہیں جو پل گدھے اور سانپ کے سال قرن جبلی صدی وغیرہ سے ظاہر ہے۔

اب اگر کسی زمانے کے واقعات کا "گراف" تیار کریں۔ تاکہ کل واقعات کا بحیثیت زمانہ وقوع مقابلہ کرسکیں۔ تو دنوں مہینوں یا سالوں کو پیمائش کی اکائی سے تعبیر کریں گے۔ اس خط کا طول اس کل زمانہ کو ظاہر کرے گا جس کے واقعات کا تقابل مدنظر ہے مثلاً ۱۹۱۹ء کے واقعات کا گراف اس طرح پر تیار ہوگا

جنوری ۱۹۱۹ء پنجابی ہلچل۔ عدم تعاون کی عملی صورت	علامت	ؤ
فروری ۔۔۔۔ ایضاً ۔ انسدادِ فسادات	〃	۵
مارچ 〃 ۔ 〃 〃	〃	〃
اپریل 〃 ۔ 〃 و فسادات علاقہ سرحد۔ جنگ افغانستان	〃	مـــ)
مئی تا اگست 〃 ۔ 〃 جنگ افغانستان و معاہدہ مابین سلطنت ہر دو ممالک	〃	مـــ^
ستمبر تا دسمبر 〃 ۔ امن و امان		

(اس کا گراف صفحہ آیندہ میں ملاحظہ ہو۔)

دسمبر
نومبر
اکتوبر
ستمبر
اگست
جولائی
جون
مئی
اپریل
مارچ
فروری
جنوری

۱ ۲ ۳ ۴ ۵ ۶ ۷ ۸ ۹ ۱۰ ۱۱ ۱۲ ۱۳ ۱۴ ۱۵ ۱۶ ۱۷ ۱۸ ۱۹ ۲۰ ۲۱ ۲۲ ۲۳ ۲۴ ۲۵ ۲۶ ۲۷ ۲۸ ۲۹ ۳۰ ۳۱

یہ صورت جو اوپر کے خاکہ میں پیدا ہو گئی۔ ان واقعات کا "اسکیلی گراف" یا نقشہ کہلائے گی۔ جس میں مدت انچ، نصف انچ، یا ربع انچ سے ظاہر کیجائے گی۔ ایسے نقشوں کو انچ سال اسکیلی نقشہ کہنا موزوں ہے مینار اعظم مصر بھی اسی قسم کے رسم الخط میں انچ سال اسکیل کے ذریعہ واقعات زمانہ کی تاریخ ہے۔ اس تحریر کا حل مختلف سنین کی صورت میں ان اوراق میں آئے گا۔ مکمل تاریخ کا مرتب کرنا تو نہایت دشوار ہے البتہ صرف ان مشہور و معروف واقعات کو اخذ کیا گیا ہے جنکا تعلق تاریخ اسلام سے ہو سکتا ہے خواہ براہ راست یا بالواسطہ۔ کسی ہادی دین کی پیدائش سے متعلق ہو یا وفات سے۔ زمانہ بعثت کے سنین ہوں یا غیبت کے۔ یا انہدام ملت حقہ سے کیسقدر تعلق ہو۔ ایسے تاریخی واقعات کے سنین مختصر کیفیت کے ساتھ درج ہوئے ہیں۔ وما توفیقی الا باللہ العلی العظیم۔ علیہ توکلت فھو حسبی ونعم الوکیل

زمانوں کی تشریح میں اہل ہنود کے خیالات کا تذکرہ ہو چکا ہے۔ مصری ہندی نسلیں زمانہ قدیم میں ایک ہی تہیں۔ چونکہ مینار بھی سرزمین مصر میں بنا ہوا ہے۔ اس لئے ہندی کہاوت سے اس بیان کی ابتدا ہوتی ہے

زمانوں کی تخصیص کے لئے ہندی زبان میں ایک کہاوت چلی آتی ہے جس کو

اور سانپ کی ایک کروڑ سال کی۔ دوسرا خیال قابل وقت یہ ہے کہ کوّوں غراب فلک ایک لاکھ برس
میں ختم ہوتا ہے۔ اور دورِ مارِ فلک ایک کروڑ سال میں۔ غراب فلک ایک نظام فلکی ہے۔ جو نسر و طائر
کے نظامات سے بھی دور ہے۔ نسر کا دور چوبیس ہزار سال میں ختم ہوتا ہے۔ غراب کا ایک لاکھ سال
میں۔ مارفلک وہ نظام ہے۔ جو قطب شمالی کے قریب ترین دکھلائی دیتا ہے۔ اس کا سر ایک چمکدار سیارہ
سے مزین نظر آتا ہے۔ جسکو مریچی کہتے ہیں یا وہ ستارہ جسکو مریخ یا مریتھ نے دریافت کیا مریخ ہندی
مریتھ پاستانی زبان کا ہے جو کلدانی کی شاخ ہے۔ عربی میں اس کو مرِث کہیں گے۔ چنانچہ کیومرث میں یہ
یہ لفظ اسوقت تک موجود ہے مریچی ہندی رشی ہے۔ جسکو بھاگ کر جنگلوں میں پناہ لینا پڑی۔ اس کا ذکر
پیشتر آچکا ہے۔ تیسرا خیال جو اس کہاوت میں غور کرنے سے پیدا ہوتا ہے یہ ہے کہ "داناؤں کی دنیا
کی عمر ایک لاکھ برس ہے۔ اور زبردستوں کی دنیا کی عمر کروڑ برس"۔ کوّا اپنی دانائی اور پیشس بینی میں
ضرب المثل ہے اسی طرح سانپ اپنی طاقت و سرعت میں۔ لہذا کوّے سے انبیا اور سانپ سے
شیاطین مراد لینا نئی بات نہیں۔ کیونکہ اول تو بابل کے کتبوں سے ثابت ہے کہ سانپ زنانہ طاقت و
سطوت شاہی کی علامت ہے۔ دوم ابیسینیا (حبش) کی قدیم حکمران خاتونوں کا تاج شاہی طلائی افعی
ہوتا تھا۔ جس کا پھن "طرہ" یا کلغی کا کام دیتا تھا۔ سوم قدیم حکایات میں سانپ کو محافظ باغ عدن تبلایا
گیا ہے۔ اور اس کے ذریعہ شیطان کا داخلہ باغ عدن مشہور ہے۔ لہذا سانپ سے عورت یا کج فہم و دشمن
نسل خود مراد لینا مستبعد نہیں اور نہ شیطان مراد لینا خلاف عقل ہے اس لئے کہ معاون دشمن بھی دشمن شمار
ہوتا ہے۔ چہارم اسفار انبیاء سلف میں شیطان کو سانپ کہا گیا ہے۔ پنجم شیطان کا قوم بنی جان سے ہونا
محتاج ثبوت نہیں۔ نہ بنی جان کا بنی آدم بلکہ خود ابوالبشر علیہ السلام سے قبل زمین پر آباد ہونا کسی دلیل کا
دست نگر۔ کیونکہ توریت کے مطابق جبّاروں کا زمانہ آفرینش بشر میں موجود ہونا مذکور ہے۔ اور قرآن
شریف سے ابلیس کا وجود آدم علیہ السلام سے پیشتر ثابت۔ اندریں صورت۔ اس کہاوت سے دونوں
اقوام کا زمانہ دنیاوی مراد لینا قرین قیاس ہے۔
بنی جان میں کسی خاص شریعت کا رائج ہونا بھی تسلیم کرنا پڑتا ہے۔ اگرچہ شریعت انسانی سے اسکا
مخالف ہونا ممکن ہے۔ لیکن کسی شریعت کا موجود نہ ہونا تسلیم نہیں کیا جاسکتا۔ آخر کوئی شریعت تھی جس
کی متابعت میں شیطان معلم الملکوت کہلایا۔ علاوہ ازیں عدل الٰہی سے بعید تھا کہ ایک قوم کی ہدایت
کرے۔ اور دوسری کو بلا ہدایت چھوڑ دے۔ قانونِ قدرت میں تبدیلی نہیں ہوسکتی۔ نوعیت نفاذ قانون
میں اختلاف ممکن ہے۔ لیکن قانون کا فقدان ممکن نہیں۔ ورنہ انسان کے لئے سخاوت اور بنی جان
سے عداوت تسلیم کرنی پڑے گی۔ جو منافی عدل ہے۔
... متابعت ... شریعت کا ... اطاعت امر الٰہی ہے۔ صدق نیت اور رجوع قلب سے

ہوا۔لیکن اس مرتبہ پر پہنچکر قائم رہنا اور اس سے بالاتر منازل کو عبور کرنا سخت کٹھن ہی۔مقربین کے امتحان لیئے جاتے ہیں تب کہیں معتمد ٹھہرتے ہیں جس قدر رتبہ بلند ہوگا ویسا ہی امتحان صعب تر ہوگا۔

ابلیس حکم الہی کے مطیع ہونے کا مدعی تھا۔لیکن دعوے کا ثبوت؟

قدرت نے امتحان کا انتظام کیا خاکِ ذلیل سے ایک پتلا اپنے ید قدرت سے درست کیا اور کل جماعت ملائکہ وجنات کو اس کی تعظیم کا حکم دیا۔اس کی طرف سجدہ کرنا اسکو وسیلہ تقرب الہی سمجھنا تھا۔سب نے اس کی طرف سجدہ کیا۔لیکن عزازیل آزمائش میں گر گیا۔وہ مقرب بارگاہ الہی محسوب ہوتا تھا۔اور خود بھی یہی سمجھے ہوئے تھا۔لہذا اسپر اطاعت حکم زیادہ تر عاید ہوتی تھی۔اس کا انکار کرنا اور اس انکار پر مصر رہنا مقربین کے گروہ سے خروج کا باعث ہوا۔اور اس کا اس شئ کو ذلیل سمجھنا جسکو خدا نے وسیلہ یا قبلۂ تقرب الہی مقرر کیا۔اس کی مردودیت کی دلیل ہی۔

اب ذرا اس عزازیل کے نقطہ نظر سے اس معاملہ کو دیکھئے۔ایک عرصہ سے مقرب بارگاہ الہی۔مرجع مخلوقات۔معلم آداب شریعت۔وسیلۂ معرفت حقیقت بنا ہوا تھا۔یکایک ایک پیکر خاکی اس تمام عزت وحرمت بجاہ وجلال۔شریعت ومعرفت کا سرچشمہ مقرر ہوتا ہے جس کی بقولے جمعہ جمعہ آٹھ دن کیا۔آٹھ گھڑی کی عمر بھی نہیں تھی۔ہمچشموں میں سُبکی کا خیال جان کا وبال آتشی نژاد اور خاکی پُتلے کی اطاعت کا حکم سوہان روح۔رقابت کی آتش نے عقل کے جوہر اور بغض وحسد نے اطاعت وانقیاد حکم الہی کے منصوبے اڑا دیئے۔تکبر نے فہم وادراک کی راہ روکی۔نخوت نے عدالت الہی میں نقص نکالنا پسند کیا۔ہدایت الہی کو اغوا کہہ اٹھا۔

خداوند عالم کسی کی عبادت کا محتاج نہیں۔اس کو عبادت سے کوئی نفع نہیں۔اور معصیت سے کوئی نقصان نہیں۔ان کا نفع ونقصان عابد وعاصی کو ہی ہوتا ہی۔لہذا اطاعت وصل یا محبت ہے۔اور معصیت قطع تعلق وعناد خداوند عالم کا حکم اطاعت ومعصیت کے تمیز کرنے کے لئے میزان عدل یا معیار

لہذا عبادت وہی ہوگی جو موافق حکم ہو۔نہ کہ وہ جو مخالف حکم اور اپنے منشا ورائے کے مطابق۔مثلاً خلیفہ منصور دوانیقی کے زمانہ میں امام اعظمؒ سلطنت کیجانب سے عہدۂ امامت مسلمین پر فائز تھے۔سلطنت کیجانب سے مقرر تھا۔کہ ہر ایک شخص جو امام منصوصِ سلطنت سے مسئلہ دریافت کرے ایک دینار سُرخ انعام پائے ایسا ہی جو شخص اسوقت امام آل محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مسئلہ دریافت کرتا۔ایک دینار سُرخ جرمانہ دیتا۔حکومت کو اس سے نہ نفع تھا نہ نقصان۔البتہ اطاعت حکم یا معصیت حکم حکومت سے سائل کو نفع یا نقصان

نفع ونقصان پر مبنی ہی۔ اس عالم ارواح میں اس نے ایک بادشاہ یا وسیلۂ تقرب ذات خود مقرر کیا۔
اس سے کل ارواح نے معرفت الٰہی کا سبق سیکھا۔ یہ پہلا معلم پہلا بادشاہ پہلا وسیلہ بارگاہِ الٰہی اول مخلوق
الٰہی ہی ہو سکتا ہی جس کے ذریعہ دوسری ارواح نے قدرت کو سمجھا۔ کیونکہ سمجھانیوالا رازدار قدرت تھا
اس نے قدرت کی یکتائی کے جلوے صنعت کے کرشمے طاقت کے نمونے اس زمانے میں ملاحظہ کئے
ہوئے تھے۔ جبکہ واجب الوجود نے اس کو خلق کیا اور خلق ہوتے ہی اس نے قدرت کے حضور سر
نیاز جھکایا۔ اپنی صنعت کا عجز وانکسار قدرت کو بھایا۔ اسکو درجۂ عالی عطا کیا۔

یہ مسئلہ فلسفہ ہے "ایک ذات ایک وقت میں ایک ہی کام کر سکتا ہے" یہ قاعدہ درست ہو سکتا ہی
لیکن کمیت وکیفیت فعل فاعل کی قوت وقدرت پر منحصر ہو گی۔ خدا کو کسی نے نہیں دیکھا۔ اس کی کمیت
وکیفیت قوت وقدرت اندازہ سے باہر ہے۔ البتہ یہ جانتے ہیں کہ شمس ایک روشن کرہ ہی جس سے
روشنی اور حرارت ہم کو حاصل ہوتی ہے لیکن ان دونوں نعمتوں کا حصول شعاع کے ذریعہ ہوتا ہے جو
نور آفتاب سے منور ہے۔ یہ معلوم نہیں کہ شعاع کی کیفیت کیا ہی کمیت کسقدر ہے۔ اس کا آفتاب سے
کیا تعلق ہی۔ اگرچہ علمائے حال نے اس کی تحقیق میں سر توڑ کوشش کی ہی اور یہ رائے قائم کی ہے
کہ مختلف دہاتوں اور دیگر اجسام کے سورج کی شعاع سے بخارات نکلکر بادل بن گئے ہیں جن سے جرم
آفتاب پر پردہ پڑا ہوا یہ بادل حرارت سے شعلۂ جوالہ کے مانند تیز گرمی کے باعث ایسے چمکدار اور
گرم ہو گئے ہیں کہ روشن نظر آتے ہیں اور اس قدر طول طویل فاصلہ سے روشنی وحرارت کی لہریں
فضائے آسمانی کے سمندر کو طے کرتی ہوئی ہم تک پہونچ جاتی ہیں۔ دراصل یہ سوال کا حل نہیں کہلا سکتا
کیونکہ جس چیز کی ماہیت دریافت ہوئی۔ وہ آفتاب کی شعاع نہیں بلکہ وہ ذریعہ ہی جس میں شعاع آفتاب
نے یہ کیفیت پیدا کر دی۔ یہ شعاع کیا چیز ہے اور آفتاب سے اس کا تعلق کیا ہی ایسا ہی جو باوجود حسیات
مستترہ ہونے کے فہم سے باہر ہے۔ لہذا قدرت واول مخلوق قدرت کی نسبت ایسا سوال فہم وادراک
انسانی سے قطعاً بالاتر ہے۔ لیکن حسیات میں یہ ضرور آتا ہے۔ کہ شعاع آفتاب بلندی سے پستی کی طرف
جھکی ہوئی ہوتی ہیں اس سے یہ قاعدہ اخذ کرنا صحیح ہی کہ " عاجزی کرنا قبولیت وشرف ومعرفت کی
علامت ہی" لہذا مقرب ترین بزرگ یا اعلیٰ ترین واعزترین بارگاہ وہ ہوگا۔ جو اپنی حقیقت کو پہچانے
اور صاحب بارگاہ کی عظمت وجبروت کے سامنے سر عجز ونیاز افگندہ کرے۔
لیکن جسوقت صرف دو ہی موجود ہوں کسی تیسرے کا وجود نہ ہو کیا معلوم کیا انعام ملا۔ کیا شرف
حاصل ہوا۔ کسقدر تقرب میں زیادتی ہوئی۔ قاعدہ یہ ہی۔ کہ محبوب کا ہر فعل قانون کا حکم رکھتا ہی اس لئے نہ معلوم
اس عجز وانکسار میں کیا راز ونیاز بھرا ہوا تھا کہ سجدہ اعلیٰ ترین عبادت قرار پایا۔ سجدہ کرنے والا ہادی حقیقت

اپنی عاجزی اور قدرت کے کمال کے سبق اس پہلی مخلوق سے لینے لگیں جو سبوح قدوس ربنا ورب الملائکۃ والروح کے نعرے لگا رہی تھی

عالم ارواح کے زمانے گذر گئے۔ عالم وجود کا سکہ جاری ہوا۔ عبادت کی شریعت رائج۔ اطاعت کا حکم جاری ہوا۔ اس وسیلہ کا تقرب سب کو مدنظر ہوا کیونکہ اس کے علاوہ اور کوئی مرئی شے نہ تھی جو قدرت سی غیر مرئی طاقت کیطرف رہنمائی کرتی اس کے جاہ و جلال کا یہ عالم کہ آنکھیں چار نہیں ہو سکتیں۔ زبان میں لکنت قدم میں لغزش ہوتی ہے لہذا اس کی متابعت میں قدرت کی معرفت پائی۔ یہاں تک کہ آتشی نسل عزازیل نے نورانی الاصل ملائکہ پر سبقت حاصل کی تو قدرت نے اپنی اول مخلوق کو پردہ خفا میں رکھکر مخلوقات کی معرفت کا امتحان لینا چاہا۔ عجز پسند خاک سے ایک جسد تیار ہوا اور مخلوقات موجودہ کیطرف خطاب ہوا۔ انی جاعل فی الارض خلیفہ۔ (میں زمین میں ایک خلیفہ بنانیوالا ہوں) اس ارشاد کے جواب میں جو کچھ مخلوقات نے عرض کیا ان کا استعجاب ظاہر ہوتا ہے۔ لیکن یہ ثابت نہیں ہوتا کہ یہ خلیفہ کسکا تھا۔ خدا کا خلیفہ یا اس اول مخلوق کا خلیفہ جو اسوقت تک مرکز معرفتِ عالم رہا۔ اور اب پردۂ خفا میں گیا۔ خلیفہ اپنے سلف کی صفت میں موصوف ہوگا۔ مٹی کا عجز قدرت نے پسند کیا اسکو وسیلۂ تقرب قرار دیکر اس کی طرف سجدہ کرنا قرار دیا۔ اس خلافت سے سب چونکے۔ ایک نورانی ہستی کی خلافت و نیابت ظاہری اعتبار سے ملائکہ کو زیبا تھی یا جنات کو۔ خاک تاریک کہاں اور یہ نورانی جوہر کہاں۔ لہذا یک زبان بول اٹھے۔ اتجعل فیھا من یفسد فیھا ویسفک الدماء ونحن نسبح بحمدک ونقدس لک۔ (کیا تو ایسے کو زمین میں خلیفہ مقرر کرے گا جو اس میں فساد برپا کرے گا۔ اور خون تک بہائے گا حالانکہ ہم تیری حمد کی تسبیح پڑھتے ہیں۔ اور تیری تقدیس کا ذکر کرتے ہیں (سبوح قدوس کہتے رہتے ہیں)، یہ پہلا اجماع تھا جو تقرر خلیفہ منصوص کیوقت منعقد ہوا بظاہر پیکر خاکی کسی گنتی میں نہیں ٹھہرتا۔ جوہر ذاتی کے لحاظ سے کثافت و لطافت میں کوئی جنسیت نہیں۔ لیکن کثافت نے لطافت پر اپنا سکہ جما لیا تھا۔ اور نورانی وجود آتشی مخلوق کی فضیلت تسلیم کر چکے تھے لہذا جوہر ذاتی پر جوہر اضافی صفاتی کا سبقت لیجانا ممکن تھا۔ مٹی کا عجز و انکسار آگ کے عز و افتخار اور نور کی جلالت و منزلت پر گوئے سبقت لے گیا اپنے تئیں چھوٹا سمجھنا دربار قدرت میں بڑا رتبہ دلواتا ہے۔ یہ مشابہت صفاتی خاک کو اوج شرف پر لگئی اور مخلوقات موجودہ کے معروض کا جواب اس طرح پر آیا انی اعلم ما لا تعلمون فاذا سویتہ ونفخت فیہ من روحی فقعوا لہ سٰجدین۔ (اے ملائکہ وغیرہ مجھے اس کا زیادہ علم ہے جو تمہیں معلوم نہیں (بہتر یہی ہے کہ جسوقت میں اس کا تسویہ کر لوں۔ (تیار کر چکوں) اور اپنی روح اس کے اندر داخل کر دوں۔ اس کی

گنجائش نہ تھی۔ علاوہ ازیں سجدے کا انحصار نفخ روح پر قرار پایا۔ زمانہ مقرر ہو گیا وقت مقرر ہو گیا۔
سمت سجدہ مقرر ہو گئی یا دوسرے الفاظ میں اس خاکی پتلے کا مکمل ہونا بھی پیدا کرنے کے لئے تھا۔
ایک ہی خیال تھا جو مختلف مخلوقات کے دلوں میں موجزن تھا سب کی آنکھیں اسی کی طرف لگی ہوئی تھیں
نفخ روح کے منتظر کھڑے ہوئے تھے۔ لیکن بعض دلوں میں ضرور یہ خیال گذرتا ہو گا کہ اس خاک ذلیل میں
ایسی کون سی صفت زاید تھی جس کا علم ہمیں نہیں۔ اور خدا اس سے واقف ہے۔ یہ تو محض ہٹ دھرمی معلوم
ہوتی ہے۔ انصاف سے بعید ہے کہ شریف کو رذیل کی متابعت کا حکم دیا جائے۔ طاقتور کمزور وضعیف کا
مطیع ومنقاد کیا جائے یا نور ونار جیسی روشن ہستیوں کو خاک سا منبع ہدایت وارشاد ووسیلۂ تقرب
ونجات ماننا پڑے۔ ایک کہنہ مشق سالخوردہ نوزائیدہ بچے کا حکم مانے جس کو اپنے نیک وبد میں تمیز نہیں
اس قسم کے خیالات کو غلط ثابت کرنے کے لئے قدرت نے اپنے انتخاب کی برتری ثابت کرنا چاہی۔ حکم
سجدہ امتحان کے اختتام تک ملتوی ہو گیا۔ آدم کو علمی دنگل میں لانا مقصود تھا اس کی فضیلت دکھلانی
مدنظر تھی۔ اس کی خلافت کا معیار ثابت کرنا تھا۔ لہذا اس کی تعلیم شروع ہوئی سکھانیوالی قدرت سیکھنے
والا منظور نظر۔ پھر کمال علمی کیوں نہ حاصل ہو۔ لیکن قدرت اعضائے وجوارح سے بری صفت مخلوق
سے معرا۔ اس نے اس نئی مخلوق کو تعلیم دی تو کس طرح اور کس کی زبان سے۔ کہ آناً فاناً یہ مٹی کا پتلا گویا
ہو گیا۔ علوم کا سرچشمہ ہو گیا۔ عز وشرف کا مرکز بنگیا۔ اور خالق ومخلوق کے مابین وسیلہ حقہ ثابت ہو گیا
صاحب تجربہ وسیع ہو گیا۔ یہ قدرت کی زبان کا اثر ہے جس نے ہتھیلی پر سرسوں جمائی۔ ارشاد الٰہی
کی ترجمانی کی قدرت کی عظمت مخلوقات میں قائم کرکے دکھلائی۔ یہ وہی نورانی جوہر تھا جو عرصہ دراز
تک رازدار قدرت رہ چکا تھا۔ اور مخلوقات کی ہدایت کا باعث تھا۔ اب اس خاکی پردے میں پنہاں
ہوا تو علمی جواہر خاک کے ڈھیر میں چمکے
امتحان کے میدان میں ایک طرف اجماع والے جنکا شمار خدا جانے۔ ایک طرف یکہ وتنہا خلیفہ
منصوص آموجود ہوئے۔ ایک طرف جماعت کی کرامت کا زعم اور دوسری جانب خدائی امداد کا
بھروسہ۔ اس کی رحمت سے توسل اپنے عجز وانکسار کا اعتراف قدرت کی ربوبیت کا اقرار۔ اس کے
حکم کی اطاعت مدنظر۔
اس میدان امتحان کا مقابلہ قرآنی الفاظ میں اس طرح پر ہے۔ وعلم آدم الاسماء کلہا ثم عرضہم
علی الملٰئکۃ فقال انبئونی باسماء ھولاء ان کنتم صدقین۔ اور آدم کو تمام اسماء سکھا کر پھر انکو
فرشتوں کے سامنے پیش کرکے فرمایا۔ ان کے نام تو مجھے بتلاؤ اگر تم (اپنے خیال فضیلت میں) سچے ہو۔
اس آیہ طیبہ سے معلوم ہوتا ہے کہ کچھ ایسی ہستیاں یا وجود اسوقت پیش کی گئیں جنکا علم مخلوقات
[illegible] کیونکہ علم اس شے کا ہوتا ہے جس کی خلقت کو دیکھا جائے

تک کہ واقف کار مطلع نہ کرے

ملائکہ مقرب وجود سہی چنے ہوئے بندے سہی - تنہا نہیں بیشمار سہی - ابلیس معلم الملکوت بھی سہی لیکن رازدار قدرت نہیں تھے - ان اسرار قدرت کو وہی جانے جو قدرت کا پسندیدہ ہو لا یظہر علی غیبہ احدا الا من ارتضی من رسول رازدار قدرت ہونے کے لئے مرتضیٰ ہونا شرط ہے - پھر بھلا ان بیچاروں کو کیا معلوم قدر مرتضیٰ کیا ہے ارتضیٰ کس کو کہتے ہیں کبھی عمر بھر میں اس کی قدر و منزلت سمجھی ہوتی تو مقابلہ نہ کرتے - کریں تو کیا کریں میدان مقابلہ میں اپنی لاعلمی کا اقرار کرتے ہی - آخر بول اٹھے - سبحنک لا علم لنا الا ما علمتنا انک انت العلیم الحکیم - (اے ذات پاک ہمیں تو اسی قدر معلوم ہے جتنا تو نے سکھایا (ہم رازدار علم نہیں - کیونکہ) علیم و حکیم تو فقط تیری ہی ذات ہے - امور غیب تو ہی جانے یا تیرا رازدار اور جب اسطرف سے ہتھیار ہاتھ سے چھوٹ گئے اور ہار مان لی تو مد مقابل کو حکم ہوا تو ان ملائکہ کو یہ نام تعلیم کر۔ فقال یا آدم انبئہم باسماءھم فلما انبأہم باسمائہم قال الم اقل لکم انی اعلم غیب السموات والارض واعلم ما تبدون وما کنتم تکتمون - جب آدم نے یہ نام ان کو (ملائکہ کو) بتلا دیئے تو خطاب باری ہوا کیا میں نے تم سے نہیں کہا تھا کہ - ازہائے آسمان و زمین سے میں (سب کی نسبت) زیادہ تر واقف ہوں - (آگاہ رہو) میں تمہارے رازہائے ظاہری سے بھی واقف تر ہوں اور باطنی سے بھی (وہ امر بھی مجھے معلوم ہے جو تم زبان سے کہتے ہو - اور وہ بھی جو تمہارے دلوں میں پوشیدہ ہی)

یہ وہ پہلا واقعہ ہے جو خلیفۂ منصوص کو پیدا ہوتے ہی دیکھنا پڑا - اس میدان مقابلہ میں اجماع ملائکہ و جنات خلیفۂ منصوص کے مقابل تھا - صرف نصرت الٰہی کے ذریعہ خلیفۂ منصوص نے میدان مارا - اجماع میں تفرقہ پڑا - ملائکہ تو آدم علیہ السلام کے تبحر علمی کے متوالے ہو گئے - اور فوراً وسیلۂ تقرب الٰہی سمجھکر سجدے میں گر پڑے - پسندیدۂ بارگاہ الٰہی کی تعظیم و تکریم صدق دل سے بجا لائے فسجدوا الا ابلیس کان من الجن ففسق - تمام - (ملائکہ بلا استثنےٰ) سجدے میں گر پڑے - سوائے ابلیس کے جو جنات سے تھا وہ فاسق ہو گیا

معلوم ہوتا ہے ملائکہ و جنات اسوقت تک ملے جلے رہتے تھے نور و نار میں مجالست ظاہری قائم ہی خداوند عالم نے خلیفہ مقرر کیا تو نوری و ناری مخلوقات میں تمیز پیدا ہو گئی - خلافت آدم علیہ السلام کے قبول کرنیوالے نورانی وجود تھے جو خدا پر ایمان رکھتے تھے اس کی اول مخلوق کو وسیلۂ تقرب سمجھتے تھے - اس وسیلہ کے پردۂ خفا میں ہوتے ہی اس کے خلیفہ میں وہی علمی جواہر پائے حکم الٰہی کے مطابق اس کا خیر مقدم بجا لائے اور وسیلۂ تقرب الٰہی سمجھنے لگے - یہ صفت ایمان کامل ہے اور ملائکہ مومن کامل کہلانے کے مستحق - اس طرف تو محبت کا شجر پھل پھول رہا تھا لیکن دوسرا گروہ اس وسیلۂ الٰہی کو اپنے مقصد امارت میں

تخم مخالفت بویا۔ شجر مخالفت اگا۔ اور آناً فاناً بڑھکر تیار ہو گیا۔ شجر محبت پھلوں کے بوجھ سے زمین پر جھکا
شجر مخالفت بے ثمر تھا۔ اکڑا کیا یہانتک کہ کشتِ دلِ مومن سے اس کی بیخ بنیاد ہمیشہ کے لئے نکل گئی۔
اور مزرعِ دل فاسق اسکا مسکن وماویٰ قرار پایا۔ فاسقِ اول ابلیس تھا جس نے آدم علیہ السلام کی متابعت
سے عملاً و فعلاً و قولاً انکار کیا باوجودیکہ آپ کی فضیلت علمی دیکھ چکا تھا حکم الٰہی سن چکا تھا۔ لہذا قرآنی
تعلیم کے مطابق فاسق وہ ہے جو خلیفہ منصوص کی اطاعت سے انکار کرے اس کی مخالفت کا بیج اپنے دل
میں بوئے اور اسپر تقدم حاصل کرنے میں ساعی ہو۔ آیات ذیل اس کی موید ہیں۔ قال یا ابلیس ما
منعك ان تسجد لما خلقت بیدی استکبرت ام کنت من العالین (جب ابلیس نے سجدہ نہ
کیا تو) خطاب باری ہوا۔ اے ابلیس تجھے کون امر اس سے مانع ہوا کہ جسکو میں نے اپنے یدین قدرت
سے پیدا کیا تو اس کی تعظیم کرے۔ کیا تو نے خود بڑا بننا چاہا یا (فی الحقیقت) تو (گروہ) عالین (بلند رتبہ
والوں) سے تھا۔؟

آیۃ ہذا میں دو امر موجود ہیں جو امتناع سجدہ کا باعث ہو سکتے ہیں۔ اول تکبر یا حقیقت تقدم
اور اس کے حصول کا خیال (کیونکہ تکبر وہی کرتا ہے جو اپنی فضیلت کا مدعی ہو۔ اور دوسرے کو اپنے
زعم باطل میں مفضول سمجھتا ہو۔ یعنی بزرگی بعقل ست نہ بسال کا مخالف ہو۔ اور عمر کو معیار فضیلت سمجھتا
ہو یا نسلی یعنی عرضی جوہر پر نازاں ہو۔) دوسرا امر حفظ مراتب کا خیال یعنی بلند رتبہ والے کا کم درجہ
والے کی تعظیم نہ کرنا جس سے تین گروہ کا اسوقت موجود ہونا ثابت ہوتا ہے (۱) بلند رتبہ والے (۲)
برابر درجہ والے (۳) کم رتبہ والے۔ لہذا آیۃ مذکور میں صرف دو حالتوں کا اظہار ہے۔ تکبر یا اپنے
تئیں بڑا سمجھنا۔ دوم عالین سے ہونا جس کے جواب میں ابلیس نے یہی کہا انا خیر منہ خلقتنی من
نار وخلقتہ من طین (گروہ عالین سے تو میں نہیں ہوں۔ لیکن) اس (خاکی پتلے) سے بہتر ہوں۔ مجھے تو نے
آگ سے پیدا کیا۔ جو مائل باعلیٰ ہے۔) اور اس کو مٹی سے پیدا کیا (جو طبعاً پستی کی جانب مائل ہے) لہذا
جوہر عالی جوہر سافل کا مطیع (منقاد) نہیں ہو سکتا۔

اسی آیۃ سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ سجدہ بجانب جسد آدمؑ مقصود نہ تھا جو ابلیس نے سمجھا بلکہ اُس
روح یا اول مخلوق کی تعظیم کے لئے تھا جسکا یہ جسد ظرف قرار دیا گیا تھا۔ یہی جوہر گرامی تھا جسکو خداوند
عالم نے بلا وساطت وسبب ظاہری اپنی قدرت کاملہ سے پیدا کیا۔ بقیہ مخلوق اسی جوہر کے وسیلہ سے
موجود ہوئی۔ ورنہ جسد آدم علیہ السلام کی خلقت میں یعنی پتلے کی درستی میں خود ملائکہ کی شرکت پائی جاتی
ہے جبرائیل ومیکائیل وعزرائیل (علیہم السلام) کا نام خصوصیت کے ساتھ اس پتلے کی تیاری میں ممتاز خدمات
انجام دیتا ہوا نظر آتا ہے۔
امتحان علمی سے ملائکہ اصل مقصود کو سمجھ گئے۔ اور معلوم کر لیا کہ وہ نورانی جوہر جو مدت دراز تک

میں نہاں ہے۔ یہ اسی کا فیض ہے کہ یہ خاکی پتلا دولتِ علم سے مالا مال ہے۔ ورنہ خاک ذلیل کجا اور یہ رتبۂ جلیل کجا کہ نورانی پیشانی اسکے قدموں پر جھکنے کا حکم پائے۔ مثل مشہور ہے محبوب کی ہر ایک چیز محبوب ہوتی ہے قیس عامری نے سگِ لیلی کو سر دربار اس لیے گود میں اٹھایا۔ چھاتی سے لگایا چوما۔ کہ وہ اس کی محبوب کا منظورِ نظر تہا۔ لہذا فرشتوں نے بھی آدم کی تعظیم و تکریم میں طرفۃ العین کے برابر دیر نہیں کی۔ اس جسد خاکی کا فیض بوترابی معلوم ہونے کی دیر تھی کہ فوراً سجدہ میں گر پڑے اور وسیلۂ تقرب الٰہی ہونیکا یقین ہوتے ہی معرفت حاصل ہو گئی۔

ابلیس اس علمی تفوق کا منکر نہ تہا لیکن مکان کی شان و شوکت سے مکین کی معرفت حاصل نہ کرسکا وہ اس راز کی تہ کو نہ پہونچا۔ جس کی فضیلت کا پیشتر اقراری تہا۔ اسکو اس پردے میں نہ پہچان سکا یا اسکو بوتراب سمجھکر اب اس کی فضیلت کا منکر ہو گیا اور اپنے پہلے عقیدے سے روگرداں۔ جیساکہ دوسرے قول سے سمجھ میں آتا ہے۔

ابلیس کا اپنے نفس کو خلیفۂ منصوص سے بہتر سمجھنا اس کے مردود و منکوب ہونے کا سبب ہوا۔ اس کے کلمات کا جواب دربار ایزدی سے یہی ملا۔ فاخرج انك رجیم وان علیك لعنتی الی یوم الدین (اس گروہ مومنین سے نکلجا۔ کیونکہ تو رجیم (وہ شخص جسپر پتھر پھینکے جائیں۔ اصطلاحاً مردود) ہے اور تجھ پر قیامت تک میری لعنت ہے۔ (تو بخشش کا سزاوار نہیں)

خداوند عالم کسی کے اعمال خیر ضائع نہیں کرتا۔ اس کا عدل اس قاعدے کا پابند ہے لیکن وہ وعدہ خلاف بھی نہیں۔ ایک طرف ابلیس کے اعمال خیر دوسری طرف وعدۂ غیر مکذوب۔ شیطان نے اس سے فائدہ اٹہانا چاہا۔ اور عرض کی رب فانظرنی الی یوم یبعثون خدایا پھر جی اٹھنے کیدن تک مجھے مہلت دے (تاکہ میرے اعمال خیر کا معاوضہ ہو جائے۔ قال فانك من المنظرین الی یوم الوقت المعلوم ارشاد باری ہوا۔ وقت معلومہ (نہ وقت غیر معلومہ یعنی حشر) کے دن تک تو مہلت پانے والوں سے ہے۔

یہ وعدۂ الٰہی لیکر رنگ بدلا اور دل کا چور ظاہر ہوا۔ کہنے لگا۔ رب بما اغویتنی لاغوینھم اجمعین الا عبادك منھم المخلصین۔ خدایا جس طرح تو نے مجھے اغوی کیا (فریب دیکر گمراہ کیا۔ مٹی کے پتلے میں ہادی ازلی۔ یعنی نور اول مخلوق کو مخفی کرکے مجھے دہوکا کھلایا) میں بھی ان سب کو گمراہ کرونگا مگر ان میں سے تیرے مخلص بندوں کو مستثنےٰ کرتا ہوں (ان کو البتہ گمراہ نہیں کرسکوں گا۔)

اس دریدہ دہنی کا قدرت کیطرف سے یہی جواب ملا ان عبادی لیس لك علیھم سلطان

جیسا کہ کریں گے۔ بلکہ پا ویں گے۔ اگر تیری متابعت کریں گے تو تیرے ساتھ وہ بھی ہم یں جلیسے

لاملئن جھنم منکم اجمعین ۔ البتہ میں جہنم کو تم سب سے بھر دوں گا

اس طویل بیان میں اسجگہ دُہرانے سے دو امر مقصود تھے۔ ایک واقعہ کی اہمیت مع وجہ اہمیت معلوم کرنا۔ تاکہ آیندہ کے واقعات اپنی اہمیت اور مدت میں اس زمانے سے مقابلہ کئے جاسکیں جو کل سنین مروجہ زمانہ کی ابتدائی وجہ کو ظاہر کرتا ہے۔ علم تاریخ کے واقعات کی صحت کا مدار ان سنین کی صحت پر مبنی ہے دوسرا مقصد جسکو روح بیان کہنا بیجا نہیں۔ اثبات عصمت انبیا و تحقیق شجرۂ منہیہ ہے۔

مقصود اول کی نسبت صرف اسی قدر کہدینا کافی ہے۔ کہ تاریخی حیثیت سے بنی آدم کے لئے اس سے زیادہ اہم واقعہ نہیں ہوسکتا نہ اس سے زیادہ قابل یادزمانہ۔ بشریت کا آغاز خلافت منصوصی کی ابتداء ہدایت کا پہلا دور نبوت کا شجرہ، اجماع مخلوقات کی غلطی، مظاہرہ، مقابلہ، معیار خلافت، فتح خلیفہ منصوص، ملائکہ کا خلافت آدمؑ کو تسلیم کرنا۔ ابلیس کا تکبر۔ تسلیم خلیفہ منصوص سے انکار۔ شجر مخالفت کا اُگنا منکر خلافت نصی کی سزا۔ خلیفۂ منصوص و بندگان مخلصین کا شیطانی دسترس سے بریت کا اعلان۔ شجر مخالفت کے بانی اور تابعین کا آخری نتیجہ یہ سب اسی ایکدن کے چند لمحوں کے واقعات ہیں۔ لہذا اندازہ وقت یا زمانہ مقرر کرنے کے لئے اس سے بڑا واقعہ اس زمانہ میں کیا ہوسکتا تھا جس میں ایسے زبردست دینی و دنیوی مسائل طے ہوئے۔ دوست و دشمن میں تمیز ہوئی۔ دوستوں میں رہنے اور دشمن سے علیحدہ ہونیکا فیصلہ ہوگیا۔ تحقیق کا حکم اور خلیفہ منصوص کی مخالفت سے احتراز واجب و فرض قرار پایا۔ یاآدم اسکن انت وزوجک الجنۃ اے آدم تم دونوں میاں بیوی دارعلم و شرف میں قیام کرو۔ وکلا منہا رغدا حیث شئتما اور اس کے (علوم کے) ہر ایک پھل کو جی بھر کر کھاؤ۔ خوب بال کی کھال نکالو۔ تحقیق کرو۔ لیکن ولا تقربا ھذہ الشجرۃ فتکونا من الظلمین۔ اس شجر (مخالفت) کے قریب نہ جانا۔ اگر (تمہاری) چھان بین اور تحقیقات محض مخالفت کی غرض سے ہوں گی جس کی مثال شیطان نے قائم کی) تم اس سے قریب ہوئے تو تم دونوں ظالموں کے گروہ میں شامل ہوجاؤ گے۔

اس سے یہ قاعدہ معلوم ہوگیا کہ تحقیق بغرض اطمینان قلب محمود ہے جس کی مثال ملائکہ کا طرز عمل ہے۔ آدم کا معیار خلافت میں پورا اترنا اور ان کا سربسجود ہونا ظاہر کرتا ہے کہ ان کو قلبی اطمینان حاصل ہوگیا تھا۔ لیکن اگر تحقیق و تدقیق مخالفت کی وجہ سے ہو اور عیب جینی اصل مقصود ہو تو مذموم ہے جیسا کہ شیطانی طرز عمل ثابت کرتا ہے۔ اس کا منشا آدم علیہ السلام کی بے علمی ظاہر کرنا تھا۔ تاکہ اس کا درجۂ مکسوبہ بنا رہے۔ لہذا دلی مخالفت اپنا رنگ لائی۔ آیہ مذکورہ میں روئے سخن بظاہر آدمؑ و حواؑ سے ہے اور مراد بنی آدم ہیں جن کے لئے اس قاعدے کی پابندی ضروری تھی۔ ورنہ آدم علیہ السلام علم میں کامل۔ خدائی حفاظت کے وعدے کے مطابق۔ کید شیطانی سے مصئون اور ان سب پر مستزاد

پر فتح حاصل کرنے کی غرض سے۔ آپ کا علم کسبی نہ تھا کہ ادھورا ہوتا بلکہ ان کا علم موہبتی ولدنی تھا۔ سکھانیوالا خود صاحب قدرت۔ محافظ خود صاحب قدرت" پھر خامی کیسے" اور" لغزش کیونکر" ممکن ہوسکتی ہے لہذا شجرۂ منہیہ سے نفاق" و" مخالفت از خلیفہ منصوص" مراد ہے "" نہ کچھ اور" اس کا تکرار کل کتب سماویہ میں موجود ہے بعض مقامات کا ان اوراق میں بھی تذکرہ آئے گا

دوسرا مقصد یعنی عصمت انبیا بیان بالائے ثابت ہے ورنہ خدائی وعدے کی کوئی حقیقت نہ رہے گی۔ عصمت نبوت کے لئے لازمی ہے۔ ورنہ مقصد نبوت یعنی ہدایت مخلوق فوت ہوجائیگا ایک شخص جو خود چوری کرتا ہے۔ اگر دوسرے کو چوری نہ کرنے کی ہدایت کرے تو اس کا قول قبولیت کی بجائے دیگر فسادات کا باعث ہوگا۔ بقولے او خویشتن گم است کرا رہبری کند۔ پھر ایک گنہگار دوسرے گنہکار کا وسیلۂ تقرب سلطانی کیونکر ہوسکتا ہے چہ جائیکہ آدم علیہ السلام وسیلۂ تقرب برائے جمیع مخلوقات مقرر ہوں اور ملائکہ ان کا توسل اختیار کریں جو ہر قسم کے خطا، ونسیان سے بری ہیں اسی کو عصمت کہتے ہیں۔ کیونکر ممکن ہے کہ ایک خاطی ریا تائب، معصوم کے برابر ہی نہیں بلکہ اس سے بزرگ تر وافضل تر محسوب ہو۔ یہ فلسفہ عجیب تر ہے" نورانی پیشانی اور گنہگار کا نقش پا" ان ھذا الشئی عجاب

شیطان نے اپنا قول پورا کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی جس خلافت کیوجہ سے وہ مردود قرار پایا اسی کا شیرازہ ڈھیلا کرنے میں ایڑی چوٹی کا زور لگایا۔ اس خلافت کی اطاعت سے حتی الوسع بنی آدم کو روکا اس کے مٹانے پر ان کو اُبھارا۔ اور آمادہ کیا۔ اگر خدائی امداد شامل حال نہ ہوتی تو خلیفۂ خلافت کے تذکرے قصہ پارینہ بنجاتے۔

قرآن شریف میں یہ تذکرہ متواترات سے ہے۔ اگر صرف ایک واقعہ کا بیان مقصود ہوتا تو تکرار فضول تھا۔ اور پھر تکرار بیان کی بھی کوئی حد ہونی چاہئے۔ ایک دفعہ دومرتبہ حد تین بار اس سے زیادہ تکرار بیان کلام کو فصاحت کے درجے سے گرادیتا ہے۔ لیکن" دانشور کا کوئی فعل حکمت سے خالی نہیں ہوتا" لہذا اس تکرار لفظی میں مختلف پہلو دکھلائے گئے۔ تاکہ اصل مطلب ذہن نشین ہوجائے اور ساتھ ہی اس ذکر سے نصیحت بھی اور تاکید بھی۔ ہدایت بھی ہو اور تنذیر بھی۔ فعل ممدوح بھی معلوم ہو۔ اور طریقۂ مذموم بھی تاکہ ایک گروہ کی تاسی عمل سے تقرب الٰہی کا یقین ہو۔ اور دوسرے کے طرز عمل سے اجتناب ہو۔ اور لعنت دائمی سے بچنے کی خواہش دل میں پیدا ہو۔

یوں تو یہ تذکرہ سب کتب سماویہ سابقہ میں مذکور رہا لیکن جس بسط وتفصیل سے اس کا تذکرہ قرآن شریف میں بار بار آیا ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس قسم کا واقعہ اس امت میں بھی ہونیوالا تھا اس لئے اتمام

کہ ایک بال بھر فرق نہ رہے گا۔ لہذا اس قصہ کا اس امت سے گہرا تعلق ہے جو سوچنے والے، سمجھنے والے، واقعات کے پرکھنے والے پر مقابلہ کرنے سے پوشیدہ نہیں رہ سکتا۔ یہی مقصد علم تاریخ ہے کہ انسان گذشتہ واقعات سے سبق سیکھے۔ اور یہی مقصد پیشنگوئی ہوتا ہے کہ انسان آیندہ ہونے والے واقعات کے عمدہ اثر سے فائدہ اٹھائے اور خراب اثر سے محفوظ رہنے کی تدبیر کرے۔ پیشنگوئی دراصل آیندہ ہونیوالے واقعات کی تاریخ ہوتی ہے۔ جو زمانہ واقعات سے قبل تحریر کیجاتی ہے۔ تاریخ وہ بیان ہے جس میں گذشتہ واقعات کی تفصیل ہو۔ مثلاً اسی قصۂ آدمؑ کا اس امت سے گہرا تعلق تبلانا نبوت یا پیشنگوئی تھی ان واقعات کے ہوچکنے کے بعد جو تذکرے کتابوں میں لکھے گئے۔ وہ ان کا تاریخی بیان ہے۔ دونوں بیانات کا ہوبہو مطابق ہونا دلیل صداقتِ مسلّم ہے۔ اس ذیل میں ہم صرف اتنا عرض کئے دیتے ہیں کہ شیطان نے ولادت رحمۃ للعلمین سے پیشتر آپ کے پہلے خلیفہ کے خلاف مخلوق موجودہ کو اکسانے میں کوئی دقیقہ نہیں چھوڑا۔ وہ معصوم نفوس تھے۔ نور الٰہی کی جھلک دیکھتے ہی اسی طرف جھک پڑے لیکن اس کا صدمہ شیطان کے دل پر کسقدر ہوا اسکا اندازہ اس کے بیان سے ہوسکتا ہے وہ کہتا ہے "جس کی وجہ سے مجھے گمراہ کیا۔ میں ان کو ہی گمراہ کر ڈالوں گا۔ بجز (گنتی کے) مخلص بندوں کے"۔ ہر ایک دوسرے مقام پر بیان آتا ہے "جس کو تو نے مجھ پر فضیلت دی۔ میں بھی اس کی ذُرّیت کو ضرور گمراہ کرکے رہوں گا۔ اور تجھ پر روشن ہو جائیگا کہ تیرا شکر کرنے والے گنتی کے لوگ ہوں گے"۔

اسی قسم کا واقعہ اس امت میں ہونیوالا تھا اسوقت فرشتوں کی بستی نہ تھی بلکہ بنی آدم کی آبادی تھی۔ رحلت رحمۃ للعلمین (یعنی مخلوق اول الٰہی کے بارو گیر پردہ خفا میں جانے) کے بعد پھر خلافت شروع ہوئی۔ رحلت سے پیشتر خلیفہ مقرر ہونا۔ اعلان ہونا۔ لیکن غیبت ہوتے ہی قدیم نقشہ کا موجود ہوجانا بھی لازمی تھا۔ اب اس خلافت کے قائل اور خلیفہ کے تابعین گنتی کے لوگ ہوں گے۔ ورنہ قرآنی بیان (معاذ اللہ) غلط ہوتا ہے۔ تاریخ کہتی ہے۔ پیشنگوئی لفظ بلفظ صادق آئی صرف گنتی کے لوگ خلیفہ کے ساتھ رہ گئے ورنہ سب اجماع کے ساتھ

اگر اجماع حق ہے قرآن ہاتھ سے جاتا ہے اور اگر قرآن صحیح ہوا (اور اس کی صحت میں انکار ممکن نہیں ہوسکتا) تو خلیفۂ منصوص تو ملا لیکن بھائی بند ہاتھ سے جاتے ہیں کچھ کرتے دھرتے بن نہیں آتی۔ کہاوت مشہور رہے دین سے دنیا رکھنی مشکل ہے خلیفہ برحق کو دور ہی سلام کرلیا۔ اور "مرگ انبوہ جشنے دارد" کے مطابق لکیر کے فقیر ہو رہے۔

ایسے وقت کے لئے قرآنی تعلیم کیا ہے؟ فکلا منہا رغدا حیث شئتما ولا تقربا ھذہ الشجرۃ فتکونا من الظلمین۔

... اگر تردد ہو تو تحقیق خلیفۂ برحق میں جس قدر ہو سکے سعی کرو مختلف

اس "شجر" مخالفت ونفاق کے قریب نہ پھٹکو۔ ورنہ دونوں ہی ظالمین سے ہو جاؤگے۔ مرد عورت کی شرط نہیں بلکہ شرط "عمل" ہے جو خلیفۂ منصوص سے نفاق رکھے یا اس کی مخالفت کرے وہ فاسق ہو جائیگا۔ اور ظالم شمار ہو گا۔

وائے بر ما و گرفتاری ما۔ بقول سعدیؒ۔ ہر کس از دست غیر نالہ کند۔ سعدی از دست خویشتن فریاد۔

پہلی خلافت کا قیام ہوا تو ملائکہ نے سبق پڑھا۔ اگر ملائکہ جحد وانکار پر جمے رہتے معلم ربانی کو چھوڑ کر طریق عبادت دلوازمات معرفت الہی کے سبق شیطان کے مکتب سے حاصل کرتے رہتے تو ان کا یہ فعل ممدوح نہیں ہو سکتا اور نہ یہ اطاعت عبادت شمار ہو سکتی کیونکہ اطاعت صرف وہی ہو جو حکم کے مطابق ہو۔ اگر آدم علیہ السلام کل امم اجنہ و ملائکہ کو شریعت کی تعلیم کا درس دینے کو کھڑے ہوتے اور ان سے کہدیا جاتا ہمیں اس درس کی ضرورت نہیں۔ ہمارے لئے شریعت کی کتاب کافی ہے تو یہ منشار الہی کے موافق نہیں ہو سکتا تہا کیونکہ شریعت کی کتاب ان فرامین کا مجموعہ ہوتی ہو جو حاکم مطلق کیجانب سے لبطور ہدایت اس صاحب شریعت کو پہونچتے ہیں۔ درباری رمز وکنایہ محاورات متشابہات متعلقات محاورات، ضرب الامثال، معانی ومطالب ونکات اور تسلسل وتوار داحکامات کو کوئی درباری ہی سمجھ سکتا ہے۔ دوسروں کو اتنی تمیز کہاں یا وہ جانے جو اس درباری کا رازدار ہو۔ اب فرض کیجئے ملائکہ واجنہ کو خیال پیدا ہو کہ مجموعۂ فرامین مرتب کریں کیونکہ ان کے پاس تو موجود نہیں۔ پہلے آدم علیہ السلام سے لیا نہیں اب وہ دیتے نہیں۔ یا خود ہی مانگتے ہوئے شرم آتی ہو تو نتیجہ کیا ہو گا یہی نہ کہ دریوزہ گری اختیار کریں گے۔ مختلف افراد کو تھوڑا تھوڑا حصہ فرامین یاد رہجانا تعجب خیز نہیں لیکن ان لوگوں سے پوچھنا ہی گوارہ نہیں جنکو باقاعدہ تعلیم مجموعۂ فرامین مل چکی ہو۔ تو اس جہالت و بدگمانی کا نتیجہ اس کے سوا اور کیا ہو گا کہ مجموعہ تو مرتب ہو جائے گا۔ لیکن ترتیب مسخ ہو جائے گی اور حکم الہی کی مخالفت اسپر مستزاد رہے گی۔ کیا یہ سوال پیدا نہ ہو گا کہ معلم شریعت کے پاس مرتب صحیفہ موجود تہا اس کی نقل کیوں نہ لی۔ یا ان لوگوں سے پوچھکر مجموعہ کیوں نہ مرتب کیا جنھوں نے باقاعدہ تعلیم حاصل کی تھی۔ دوسرے الفاظ میں حکم ملا کہ آدم اور اس کے وصیائے سے شریعت والفاظ شریعت سیکھو اور جا دھمکے ابلیس کے مکتب میں تو اطاعت امر الہی کہاں اور عبادت کیسی۔ یہ تو عین مخالفت ومعصیت کہلائے گی۔ ایسی صورت میں ملائکہ ملائکہ نہیں کہلائیں گے بلکہ شیاطین بنجائیں گے۔ اور فاسق متصور ہوں گے۔ کیونکہ رنگ نفاق ان کے طرز عمل سے برسے گا۔ اور شجر مخالفت کے ثمر فعل کی صورت میں نمودار ہوں گے۔ اس برتے پر اُن کو مقرب الہی سمجھنا۔ ان کے افعال کی تاسی کرنا اور امید مغفرت کے دعوے "کلنٹے بوئے ببول کے انبہ کہاں سے ہوں" کا مصداق ہو گا ؎

قصہ کوتاہ بیان بالا سے ان زمانے کے مخلوقات کے اہم تر بیان ہوتا کی مزید تاویل و تشریح
کا محتاج نہیں لیکن ہمارے نفس مضمون سے اس کا کیا تعلق ہے۔؟ اور اس طویل بحث کو میناری علامات
سے کیا نسبت ؟

نقشہ مینار پر غور کرنے سے ظاہر ہوگا کہ مینار کے اندر کچھ راستے ہیں کچھ زینے۔ اور کچھ مکان۔
راستوں میں سے ایک راہ ڈھلوان ہے جس سے ملحق زینہ اول ہے لیکن اس راہ اور زینہ کے درمیان
کوئی راہ آمد و رفت نہیں بلکہ ایک بڑا سیاہ پتھر دہن یا در زینہ میں اس طرح نصب ہے کہ راہ آمد و رفت
ہوا بھی ممکن نہیں انسان تو بڑی چیز ہے۔ اس کا ذکر ہی کیا۔ یہ سنگ سیاہ سوائے کمرۂ کلاں کے
پتھروں کے عمارت مذکور کے کل سیاہ پتھروں سے بڑا ہے۔ راستوں کا فرش سب سیاہ قسم کے مصالح سے
تیار ہوا ہے۔ سوائے اس راہ کے فرش کے جو راہ کمرۂ خورد کی سطح سے اچاہ ملحق راہ تنزلی تک پہونچتا ہے
یا اس راہ کے جو غار کے دوسرے جانب چلی گئی ہے۔ یہ دونوں تقریبًا کچے ہیں۔ اگرچہ اول الذکر
میں دو تین مقام پر آہنی میخیں نصب کی گئی ہیں اور ایک دو جگہ پختہ فرش و دیواریں نظر آتی ہیں۔ اسکے
علاوہ کمرۂ کلاں سے ملحق راستہ بھی مصالح کی بجائے سنگ سیاہ سے ترتیب دیا گیا ہے زینۂ اول میں
سنگ سیاہ کے علاوہ تین سیاہ رنگ کی آہنی میخیں نصب ہیں (حقیقتًا یہ سیاہ پتھر کی محرابیں ہیں، نہ کہ آہنی میخیں)
مکان تین ہیں۔ ایک بڑا رفیع الشان کمرہ جس میں ہر طرف سنگ سیاہ استعمال کیا گیا ہے۔
سب سے اوپر عمارت کی اکاونویں سطح تعمیر اس کا فرش ہے۔ دوسرا کمرہ پہلے سے چھوٹا زینہ اول کے اختتام
کی سطح کے تقریبًا متوازی اس کے فرش و دیوار سب سیاہ مصالح سے پلستر گئے ہیں۔ یہ کمرہ اپنی
رفعت و طول و عرض میں پہلے سے چھوٹا ہے اور عمارت کے چھبیسویں سنگ تعمیر کے متوازی اس
کے فرش کی سطح ہے تیسرا کمرہ معکوس سب سے نیچے چٹان کا ٹکڑا بنایا گیا ہے اوپر سے کشادہ اور نیچے تنگ
یعنی پہلے دونوں کے برعکس۔ اس کو غار کہتے ہیں۔ غاروں کی طرح دیواریں اور فرش کچے ہیں چاہ
کی تہ سے ایک راستہ اس غار میں نکلتا ہے جسکو راستہ کہنا اس نام کو بٹہ لگانا ہے۔

علم تحریر تصاویر کے بموجب راستے شریعت کو ظاہر کرتے ہیں۔ زینہ ترقی روحانی کو۔ مکان سے
خانہ ہدایت (خانوادۂ ہدایت) مراد ہے۔ راہ سطح سے اس خانہ نبوت کی (خانۂ ہدایت کی) تعلیم
سے مقام ترقی روحانی جس کے تین درجے ممکن ہیں۔ اوج ترقی یا معراج نفس (روحانیت کی ابتدا
اوسط ترقی یا کمال نفسانی کی ابتدا (معراج ایمان)، تحتانی راہ۔ گمراہی و ضلالت (ہبوط نفس)، رنگ
سفید علامت عفت و عصمت ہے۔ رنگ سیاہ عجز و انکسار و حلم کو ظاہر کرتا ہے۔ پتھر ایمان کامل اور
استقلال۔ مصالحہ۔ اعمال (تکمیل احکام شریعت)

از بصورت سنگ سیاہ زینہ اول جیسے سیاہ مصالحہ بھی اطراف میں چسپاں ہے اور جس نے زینۂ

شریعت کا علم تھا جس پر عمل کرنے سے کمال نفسانی حاصل ہو سکتا تھا۔ سالکان شریعت قدیم سے اسکو کسی طرح کا علمی تعلق نہ تھا۔ کیونکہ قدیم شریعت کے معلم کچی مٹی کیطرح اپنی صورتیں تبدیل کر سکتے تھے جس سے پتھر عاری ہے۔

علاوہ ازیں سنگ سیاہ سخت ترین اقسام حجر ہے، لیکن نہایت مصفی وپاکیزہ، جوہردار، اسکا بنیادی پتھر یا عیوب سے پاک صاحب کمال کی علامت ہونا تعجب خیز نہیں اور کچھ عجب بھی نہیں کہ یہ اس شخص کی علامت ہو جس نے سنگ سیاہ کو اپنا ہم نشین اور قدیم تاریخی واقعہ کی یادگار قائم کیا ہو، آخر الذکر کی نسبت آدم علیہ السلام سے دیگئی ہے، لہذا سنگ سیاہ کلاں علامت آدم علیہ السلام جو اس زمانہ تشریعی کے پہلے معلم تھے، یا علامت نوح علیہ السلام جو دنیائے موجودہ کے لئے دہی حیثیت رکھتے ہیں جو آدم کو دنیائے قدیم سے تھی

اس بیان میں چند ایک پہلو اور بھی ہیں مثلاً مقام پیدائش آدم۔ مقابلہ وامتحان آدم کا مقام، بود وباش آدم کا مقام۔ ملائکہ وجنات۔ ابلیس کا مردود ہو کر نکلنا۔ اس کا انتقام لینے کی کوشش کرنا، آدم کا ترک ادب، بہشت سے نکلنا۔ اور خود بہشت۔ یہ ایسے امر ہیں کہ ان کا بیان اور تحقیقات طول طلب ہے جس سے مضمون ہذا کو کوئی قابل وقعت فائدہ نہیں ہوتا۔ ہاں ان مضامین کا دلچسپ ہونا محتاج دلیل نہیں انشاءاللہ اگر حیات مستعار باقی ہے تو ہدیہ ناظرین ہوگا۔

یہ پیشتر ذکر ہو چکا ہے کہ گراف بناتے وقت مدت، طول کی اکائیوں سے ظاہر کیجائے گی۔ لیکن مینار میں طول کی اکائی ۱۰۰۱ء۱ انگریزی اپنچ کے برابر ہے۔ یا ۹۹۹ میناری اکائیاں ۱۰۰۰ انگریزی انچوں کے برابر لہذا ۱۰۰۰ انگریزی انچ کی پیمائش مینار میں ۹۹۹ سال کی برابر ہوگی۔ اور ایک سال ایک میناری انچ سے ظاہر ہوگا۔

حیات دنیاوی دائرہ واقعات ہے جسمانی ہوں یا روحانی۔ واقعات جسمانی آثار ارضی وسماوی کے زیر اثر ہیں۔ روحانی واقعات کا تعلق ایک ایسی دنیا سے ہے جس کا وجود چشم بصارت سے ممکن نہیں بلکہ چشم بصیرت سے اسکو دیکھ سکنا ممکن ہو سکتا ہے پس انسان واقعات دنیاوی کا تخمینہ تجربہ گذشتہ کی بنا پر کر سکتا ہے لیکن واقعات روحانی کے معاملات میں پریشان ہے اس لئے روحانی بہبودکیجانب ہدایت کرنیوالے کی ضرورت ہوئی ان امور کو وہی سمجھ سکتا ہے جس کی چشم بصیرت تیز ہو۔ اور روحانی قوت دوسری مخلوقات سے زیادہ تر۔ اسوقت وہ عالم شہود کے واقعات کے سمجھنے اور وحی الہی یا قانون قدرت کے استنباط کی قابلیت رکھے گا۔ خود بھی صحیح وسالم کنارہ پر اترے گا۔ اور وہ لوگ بھی صحیح وسالم رہیں گے جو اس کو ناخدا سمجھکر اپنا بیڑا اس کے حوالہ کر دیتے ہیں۔ ان ناخداؤں کی آمد وشد کے سنین کا صحیفہ مینار اعظم مصر ہے۔ نیز بعض ضمنی واقعات بھی جو ہر ایک ناخدا کے سد راہ ہوتے رہے بصورت سنین ثبت کیئے گئے تاکہ اس کی اہمیت اندراج سے وقوع کے وقت ناخدائے زمانہ کی صداقت روشن تر ہو جائے

تک روشنا ہوئے سنہ ادمی لبعد از خلقت آدم یعنی ادسی سال پیدائش کی یادگار ہیں۔

یہ کہا جا سکتا ہے کہ مخلوقات کی ابتدا سے زمانہ تاریخ کی ابتدا ہوئی پھر اس زمانے کو چھوڑ کر ایک آخری زمانے کے واقعہ سے اگرچہ وہ کتنا ہی اہمیت رکھتا ہو تاریخ کا ڈول ڈالنا ہٹ دھرمی ہے۔ اگر اس واقعہ سے سنین کا آغاز کیا جائے تو اس سے پہلے زمانے کے واقعات کا اندازہ اور گذشتہ تاریخ کا نشان کس طرح لگے گا۔

مینار اعظم کے اندر کل ضروری تعلیم کا موجود ہونا ہی اس کے اعجاز اور میر عمارت کے کمال علمی کی زندہ مثال ہے۔ مثلاً ایک زمانہ ایسا ضرور تھا جس میں کوئی وجود موجود نہ تھا۔ اگر کوئی وجود تھا۔ تو وہ خود قدرت ہی کا تھا جو واجب الوجود ہے۔ جو زوال و فنا آغاز و انجام کی حد سے باہر ہے۔ یہ زمانہ ایسا تھا جس میں ہر طرف تاریکی ہی تاریکی تھی۔ قدرت نے اس تاریکی کو شگافتہ کیا ایک نور یا روشنی ظاہر ہوئی یہ روشنی کس عرصہ تک رہی علم تاریخ کی حد سے باہر ہے۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ اس نور کیطرف پروانوں یا ذرات کا جگھٹا لگ گیا۔ ایک بادل سا یا بخارات کا نہ درتہ دَل نظر آتا تھا۔ یہ مجتمع ہو کر زمین کی صورت میں ڈھلگیا۔ اور جب آبادی کے قابل ہوا تو اس کے آباد کرنیوالے کتم عدم سے وجود میں آئے میناری تحریر میں اس کو غار کے دوسری طرف کے راستے سے دکھلایا گیا ہے۔

یہ مخلوق لوازمات سے مستغنی تھی۔ نہ روشنی سے غرض نہ تاریکی سے مطلب۔ ایک زمانہ تک اسی طرح رہی اب قدرت کا ارادہ ہوا کہ وہ معرفت سے معمور ہوں۔ اپنی خلقت کی علّت کو پہچانیں لہٰذا جلوۂ نور دکھایا۔ اس تاریکی کا خاتمہ ہوا الست بربکم کی گونج نے سب کے سر جھکائے زبان حال سے قالوا بلےٰ کے نعرے لگائے۔ صناع مینار نے اس زمانۂ معرفت کا آغاز اس طرح ظاہر کیا ہے۔ روشنی کی شعاعیں راہ داخلۂ مینار سے ۲۶ درجہ ۱۸ دقیقہ ۷ ، ۹ ثانیہ کے زاویہ سے اس راہ میں داخل ہوتی ہیں جس کے خاتمہ پر غار کا سطح راستہ بنا ہوا ہے۔ لہٰذا غار کے دوسرے کنارے سے دیکھنے والے کو ایک دھندلی سی روشنی دکھلائی دیتی ہے لیکن اس تاریکی میں یہ بھی بڑی غنیمت ہے۔ اس سے پیشتر جس راستہ کا ذکر ہو چکا ہے۔ وہ اس سطح پر کوئی زاویہ بناتا ہے جس کے باعث یہ دھندلی روشنی نظر نہیں آتی۔

فطرتاً ہر شے روشنی کی جانب مائل ہے۔ لہٰذا یہ روحیں بھی اسی طرف بڑھیں۔ کچھ ٹھیک راستہ پر صدق دل سے معترف فضیلت نور محبت میں چور۔ کچھ محض استعجاب میں اس نئی چیز کو دیکھنے کے لئے راہ بیراہ چل پڑیں۔ پہلی سلامتی کے ساتھ منزل مقصود پر پہونچیں۔ ضیائے نور سے آنکھیں ٹھنڈی کیں اور اس کے تقرب کی غرض سے خمیدہ کمر ہو کر یا سلام کرتے ہوئے چل کھڑی ہوئیں۔ دوسری اپنی کردار کی پاداش میں غار میں گریں۔ اندھیرے سے گھبرائیں۔ اور اسی دھندلی روشنی کی تلاش کرتی ہوئی اندرونی ... سے نکلیں تو ضیاء نور سے نظر خیرہ ہوئی۔ صداقت دلی سے معترف

پہلا گروہ مقربین تھا جو اپنے عشق میں مدہوش تھا۔ اس کے ہمراہ دوسا زان کا حوصلہ وجاعت بڑہانے والا محبوں کا مجمع تھا۔ لہذا پہلے گروہ کے عشاق نورانی اثر سے منور ہوکر نورانی ہوگئے۔ اور اس نور کے نائب بن گئے۔ اسی پہلے گروہ کا دوسرا مجمع دوستوں کا وسیع حلقہ تھا ان کو نور سے انس تھا وہ عاشقوں کی خدمت پر مامور ہوئے۔ اور سابقین کے خطاب سے سرفراز ہوئے۔ دوسرا گروہ ولادت کے قید خانہ سے نکلکر اس پہلے گروہ کے عقب میں روانہ ہوا۔ اس کے درمیان اور پہلے گروہ کے درمیان کچھ زمانہ حائل ہوگیا۔ اس نور کے پروانے اپنی ہستی سے گذر کر نور پر تصدّق ہوئے۔ اور زمین پر گرے سابقین اور تابعین کا سلسلہ جاری ہوا۔ پہلونکو ملائکہ دوسروں کو اجنّہ نام ملا۔ یہانتک کہ یہ راہ چلتے چلتے مقام تقاطع زینۂ اول تک پہونچے تو روشنی غائب ہوگئی۔ اب ہدایت کا مرکز ایک وجود جوہر دار تھا جو عبدیت کے خطاب سے ممتاز علم کی مشعل ہاتھ میں لیئے راہ دکھلانے کو موجود تھا

راہ مینار ابتدا سے انتہا تک ۴۷ انچہ مربع ہے (عرض وبلندی) لیکن جس مقام پر زینۂ اول کی سقف راہ مینار سے ملی ہے وہاں زینہ کی چھت ۶۰ انچہ کی بلندی پر ہے دونوں چھتوں کے درمیانی فاصلہ کو ایک محرابنے پورا کیا ہوا ہے۔ غار کیطرف سے آنیوالا آنکھیں نیچی کیئے ہوئے کمر جھکائے ہوئے چلتا ہے سیدھا ہونے کی گنجائش نہیں راستہ نشیب وفراز کا معاملہ ہر ایک قدم آگے بڑہا اور مصیبت آئی۔ دیواروں کا سہارا لیکر اچھی طرح قدم جما کر دوسرا قدم اٹھاتا ہے۔ یہانتک کہ زینہ کے قریب پہنچتا ہے بلند جگہ دکھلائی دیتی ہے۔ دکھتی ہوئی کمر لرزتی ہوئی ٹانگوں کو آرام دینے کی خواہش پیدا ہوتی ہے۔ راہ سے ہٹکر محراب کے نیچے سیدہا ہوکر سستانے کی کوشش کرتا ہے۔ ستارے کی طرح چمکتی ہوئی روشنی جو اسوقت تک خضر راہ بنی ہوئی تھی۔ آنکھوں سے اوجھل ہوجاتی ہے چاروں طرف نظر دوڑاتا ہے تو ایک طرف روشنی کے آثار اور دوسری جانب اس روشنی کے عکس سے سیاہ پتھر کا چمکتا ہوا سرا دکھتا ہے۔ جھک کر روشنی کیجانب نظر کرتا ہے تو اسی طرح ستارہ سی چمکتی ہوئی نظر آتی ہے۔ سیدہا ہوتا ہے تو غائب ہوجاتی ہے۔ پتھر کی عارضی چمک سے اطمینان نہیں ہوتا۔ آگے چلنے کا قدم ہی یارا نہیں۔ اسی جگہ مقام کرنے کی سوچتا ہے تو کافی جگہ نظر نہیں آتی۔ لاچار ہوکر واپسی کی سوچتا ہے۔ پتھر کے سہارے وقت کاٹنے کی نسبت یہی بہتر معلوم ہوتا ہے الٹے پاؤں پھرتا ہے۔ روشنی پشت پر ہے۔ راستہ سجھائی نہیں دیتا۔ دیوار کا سہارا لیتے ہوئے چاہ کے قریب تک پہونچتا ہے۔ اندھیرے میں کچھ معلوم نہیں دیتا۔ گڑھے میں گرپڑتا ہے سیدہا رہا تو روشنی کی شعاع اوپر سے گذرتی ہوئی معلوم ہوئی۔ ایک نقب بھی نظر آئی۔ بہزار کوشش اس میں گھسا لیکن دوزانو ہوکر۔ اور سر کو فرش سے ملاکر۔ اوپر کھسکے تو کیسے۔ تلاش میں ادھر ادھر ہاتھ

[illegible]

بل گڑھے میں آیا تو تاریکی میں ہاتھ مارنے لگا دہی تنگ گھاٹی ہاتھ لگ گئی جس سے پہلی مرتبہ روشنی کی تلاش میں نکلا تھا مصیبت کا خیال رونگٹے کھڑے کئے دیتا ہے۔ بدن میں لرزہ پیدا ہوتا ہے لیکن لڑھکتا ہوا نشیب کیطرف چلا جاتا ہے۔ اور غار کے اندر گر پڑتا ہے۔ اس جگہ اکڑا ہوا بدن سیدھا کرتا ہے۔ اور ہمیشہ کے لئے اسی مقام کو اپنا مسکن سمجھتا ہے۔

اس میناری بیان کو قرآنی بیان سے ملائیے۔ ارواح (ملائکہ و اجنہ و انسان) اقرار ربوبیت کرنے کے بعد روشنی کیطرف آئیں۔ اجسام لطیف کی ارواح لطیف تر ہونے کے باعث منزل مقصود کیطرف بڑھیں۔ ملائکہ پیشرو۔ اجنہ ان کے ساتھ ساتھ۔ نور کی نورانیت کی کشش کشاں کشاں لئے جاتی ہے کہ خطاب آتا ہے۔ انی جاعل فی الارض خلیفہ خلافت کے حصول میں کوشش ہوتی ہی۔ کہ اچانک پھر آواز آتی ہے انی خالق بشرا من طین فاذا سویتہ ونفخت فیہ من روحی فقعوا لہ سجدین ط یہ آواز کیا تھی بمب کا گولہ تھا۔ ساری امیدوں پر پانی پھر گیا آپس کی کشاکش چھوڑ اس سے نجات کی تدبیریں سوچنے لگے۔ آخر سوچ بچار کر عرض کی اتجعل فیھا من یفسد فیھا ویسفک الدماء ونحن نسبح بحمدک ونقدس لک ط کیا تو ایسے کو خلیفہ بنائے گا جو اس میں فساد برپا کرے گا اور خون بہائیگا۔ دیا دوسرے الفاظ میں ظالم ہوگا، اور ہمیں اس کی طرف سجدہ کا حکم دیتا ہے حالانکہ ہم تیری حمد کی تسبیح پڑھتے ہیں اور تیری تقدیس کے تذکرے ورد زبان رکھتے ہیں جواب ملا انی اعلم ما لا تعلمون۔ تم اپنے علم کا اظہار کرتے ہوئے اس کے خلاف قتل و غارت کے خصائل کے الزامات لگاتے ہو حالانکہ تم خلافت کے اوصاف سے واقف ہی نہیں مجھے تم سے زیادہ علم ہے۔ میں جانتا ہوں کون خلافت کے سزاوار ہے اچھا تمہارا اس کا مقابلہ ہوگا۔ جو فتح پائے خلیفہ بنجائے۔ تم علم کے مدعی ہو۔ یہی معیار امتحان سہی۔ آخر مغلوب ہوئے۔ حکم کے مقابلہ میں اعتراض کرنا اور خلیفہ منصوص کے مقابلہ میں آڑنا معرفت کے منافی ہے اور چاہ ضلالت میں گرنا اسی کا نام ہے جسکو میناری صناع نے ایسا نبھایا کہ لفظی نقشہ بھی اس سے بہتر نہیں ہو سکتا۔ مغلوب ہوکر آخر اسی کے قدموں میں گرے اور اسی کے سہارے اس طرح ابھرے کہ کمال کو پہونچے۔ اس کے وسیلے سے مقرب بارگاہ بنگئے۔ مخالف کو گردن پکڑ کر دھکا دیا۔ وہ اسفل السافلین کو پہونچا دیا ہمیشہ کے لئے اس کا مقام ٹھہرا۔

تسلیم و متابعت کے سبب سے غیر جنس عزیز ہو جاتے ہیں۔ اور مخالفت کے باعث اپنے عزیز غیر جنسوں میں شمار ہوتے ہیں۔ مثلاً ملائکہ متابعت آدم علیہ السلام سے مقرب بارگاہ ہو گئے۔ حالانکہ نور و خاک میں کوئی یگانگت نہیں۔ اور ابلیس باوجود قرابت یگانگت غیر جنس قرار پایا۔ خود قابیل پسر آدم علیہ السلام نااہل ہونے کے باعث غیر جنس محجوب ہوا۔ اسی طرح رفقائے نوح علیہ السلام آپ کی متابعت کرکے فائز المرام

سلمانؓ فارسی عجمی الاصل نے متابعت کے باعث السلمان منا اہل البیت کا تمغہ پایا۔ اس کے زمانے میں لاکھوں عرب اور ہزاروں قریشی تیمی عدوی اموی ہاشمی موجود تھے لیکن اس رتبہ کو کوئی نہ پہونچا خود رسولؐ مقبول کا چچا ابولہب اپنی مخالفت کے باعث ہلاک ہوگیا۔ پھر دوسروں کا تو ذکر فضول۔ خلیفہ رسولؐ موعود کی مخالفت ہلاکت کو پہونچائے بغیر نہیں چھوڑتی۔ خواہ وہ خلیفہ قبل از ولادت ہو یا بعد از وفات مخالفت نائب مخالفت منیب ہے تخلف کرنا اور نجات کی امید لینی چہ؟ بقول سعدیؒ ؎

ترسم نرسی بکعبہ اے اعرابی ⁂ کایں رہ کہ تو می روی بترکستان ست

وما علینا الا البلاغ

خیر دوسرا اہم ترین واقعہ بعد از پیدائش آدم علیہ السلام قتل ہابیل تھا۔ جس کے باعث ایک ثلث انسانی آبادی کم ہوگئی۔ اور شریعت آدم علیہ السلام سے تخلف ہو کر ایک رخنہ پیدا ہوگیا جسکا رواج ابتک جاری وساری ہے۔

یہ پہلا دین الٰہی محبت ویگانگت، ملاطفت وموانست، تمدن ومعاشرت۔ عدل وکرم، رحم و ایثار، عجز وانکسار، حلم ووقار، عفو وایثار، معرفت واطاعت، علم وعمل کا دین تھا۔ پہلا انسان اپنے وجود کے ساتھ اس شریعت کا معلّم بنکر آیا۔ ایسے وقت میں ظاہر ہوا جبکہ بغض وعناد، جنگ وجدل، شر وفساد، نفسانیت وخودغرضی، طمع وحرص، لوٹ مار، سرکشی وطغیانی، جاہ طلبی وحکومت پرستی، ظلم واستبداد، قطع رحم، تکبر، شہوت پرستی، نفاق، حسد، اور کجروی وکج فہمی کا بازار گرم تھا۔ بھائی بھائی پر پڑوسی پڑوسی پر ہاتھ صاف کرنا ہنر سمجھتا تھا۔

آدم علیہ السلام کی بعثت کی غرض انسانیت کی تعلیم اور طریق معاشرت سکھانا تھا۔ عملاً وقولاً۔ دوست ودشمن کے ساتھ لطف و مدارا کے قاعدے عفو وایثار کے اصول، عبد ومعبود کے تعلّقات تبلانے مقصود تھے۔ باپ محبت کی تعلیم دے خلقت موجودہ کو دین پر عمل کرنے کی نصیحت کرے اور پسر اپنے پدر کے حکم، شریعتِ محبت کے سلّم کے خلاف اپنے بھائی کی ترقی سے خوش نہ ہو۔ اس کی عزّت میں اپنی ذلت سمجھے۔ اس کا قتل کرنا جائز رکھے۔ اس سے زیادہ اور کیا رخنہ ہوسکتا ہے مخالفت کی موج گھر سے جاری ہو تو دوسروں پر اس کا کیا اثر پڑے گا۔ بقولے ؎

چو کفر از کعبہ برخیزد کجا ماند مسلمانی

اس ہونہار نیک کردار مطیع وفرمانبردار پسر کی بے وقت وفات اور جدائی کا صدمہ کیا کچھ نہ ہوگا۔ پس اس واقعہ کے بعد ۱۳۰ سنہ آدمی میں دوسرے بیٹے کی ولادت اس متوفّی کا نعم البدل قرار پائی۔ یعنی تیسرا واقعہ ولادت شیث بن آدم علیہ السلام

حضرت شیث یعنی ہبۃ اللہ کے بعد نسلوں کے شمار شروع ہوگئے۔ آبادی ترقی پر تھی۔ چنانچہ آپ کی
عمر ۱۰۵ برس کی تھی۔ کہ انوش پیدا ہوئے۔ ممکن ہے یہ نام بھی محض اضافی ہو اصلی نام کچھ اور ہو۔ لوگ انوشیث
کہکر پکارتے ہوں جس کا رفتہ رفتہ انوش بنگیا ہو۔ قینان دو لفظوں سے مرکب ہے۔ قین اور اَن۔ "ان"
انوش میں موجود ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس قین نام کے ایک سے زیادہ شخص تھے۔ مثلاً ایک
قابیل تہا جس کا نام قائے تہا۔ لہذا اسکو قائے بن ایل اور دوسرے کو قائے بن انوکھ کر پکارنا کچھ بعید
نہیں۔ قائے بن ایل قابیل بن گیا اور قائے بن انوسے قینان۔

چونکہ این اَن اور بن ہم معنی ہیں۔ یہ بہت صحیح ہے کہ قابیل قابن ایل عربی اور قاان ایل کلدانی
زبان کے تلفظ ہوں اور پہلا قابیل ہوگیا دوسرا قاین۔ توریت میں قابیل کا نام قاین ہی آیا ہے۔

قینان بھی اس طرح سے قاانان ہوا۔ اِنان "ان" "ان" کا مرکب ہے۔ جس کے معنی بیٹے کے بیٹے
ہوئے۔ لہذا یہ قا وہ شخص تھا جو آدم علیہ السلام کے پسر موعود (شیث ہبۃ اللہ) کے بیٹے کا بیٹا تھا نہ کہ
وہ جو کہ آدم علیہ السلام کا پسر تھا۔ اغلباً یہ قینان وہی ہے جس نے چین میں سب سے پہلے دین آدم علیہ السلام
کا وعظ کیا۔ چین یا شین (صین۔) بستیوں کے ملک کو کہتے ہیں جیسا کہ خود چینی زبان کے الفاظ شان لنگ
(خانہ لنگ)، تھیان شان وغیرہ ظاہر کرتے ہیں۔ چین میں پہلا معلم کنفیوشش نامی گذرا ہے۔ اغلباً یہ نام کُن
فُ یوشیث ہوگا۔ یعنی کے پسر پورہ یوشیث۔ اسی طرح۔ اگر غور کیا جائے تو کوئی ملک ایسا نظر نہ آئیگا۔
جسمیں ہدایت کرنے والا اس خلیفۂ ارض کی نسل کا موجود نظر نہ آئے۔ البتہ مختلف ممالک کی تاریخ سے
واقفیت کی ضرورت ہے۔

ملک عرب ہمیشہ سے مرکز توجہ عالم نظر آتا ہے۔ تاریخ ہنود سے ظاہر ہوتا ہے کہ ایک مقام
تیرتھ علاوہ ان مقامات کے جو ہندوستان میں موجود ہیں سمندر پار تھا جس کی زیارت کے لئے تمام
مخلوقات جوق جوق جایا کرتی تھی۔ زمین یا تو آبادی کے قابل نہ تھی۔ یا عزت و احترام کیوجہ سے اس
مقام پر عبادت کے سوا بستی بسا کر رہنا اور مشاغل دنیوی میں مصروف ہونا ممنوع ہوگا۔ الارض سے
یا اوم ارتھ سے اسی سرزمین کیطرف اشارہ معلوم ہوتا ہے۔ "ایل و اوم اللہ ایک ہی بات ہے۔" ارتھ"
"وارض" وعرش ایک ہی مقصد کو ظاہر کرتے ہیں۔ اس کی تشریح اسفار قدیمہ سے ظاہر ہوتی ہے جس میں
زمین کی قسم کھانا ممنوع قرار دیا گیا ہے "کیونکہ وہ خدا کی چوکی ہے" چوکی عرش تحت ارض ارتھ مختلف
ممالک کے الفاظ ہیں جن کا مقصد ایک ہی خیال کو ظاہر کرنا ہے۔

تیرتھ اغلباً تیری ارتھ یا گھر والی زمین کو کہتے ہیں جس میں کسی خاص مقدس وجود نے اپنا گھر بنایا ہو
ہو۔ جیسا کہ لفظ استری میں یہی لفظ موجود ہے۔ اور "ایشیا" کا لفظ "ایش" "استری" کے ابتدائی حصہ
میں ظاہر ہے۔ لفظ "استری" "ایش" ہے کہ گھر والی ہوئی جس کو زمانہ حال میں زوجہ، بیوی، عورت وغیرہ کہتے ہیں

صورت کا آوارٹھ ہوتا یا آدم ارتھ ارتھ ...

سب ایک ہی مقصد ظاہر کرتے ہیں۔ یہی الفاظ لفظ "ادم" میں موجود نظر آتے ہیں۔ "عودم" "اودم" "اوس دم" "است دم" "ادم" ایک ہی ہیں

حرف "د" عربی "ض" تقریباً ہم مخرج ہیں کیونکہ "ض" کا تلفظ صرف حجازی زبان ہی ادا کر سکتی ہے دوسری زبان اسکو "د" "ذ" "دھ" یا "تھ" اور "ث" کی صورت میں ادا کرتی ہے۔ اندریںصورت "دم" "ضم" ایک ہوں گے "ضم" کے معنی ملاپ اور وصل ہوتے ہیں۔ اور آدم سے "وصل اد" یا اد کا ملاپ مراد ہوگی

"اد" یا "یو" روشنی کو کہتے ہیں پس "عو" "اوس" "است" "ایش" "اد" نور کو ظاہر کرتے ہیں اور اس وجود کا نام جس میں یہ نور نظروں سے غائب یا مخفی ہونے کے بعد نظر آیا "آدم" "عودم" "اودم" "اوسم" یا "استم" کہلائیگا۔ "عود" "عد" "اود" "اوم" "اد" "اوس" "ایش" "است" انہی الفاظ کی مخفف صورتیں ہیں جو آسانی تلفظ کے لئے رائج ہوگئیں۔

تری ارتھ یا گھر والی زمین اس مقدس ہستی کے مقام کی زمین ہوئی جو نور کی قائمقام تھی۔ قائمقام کو خلیفہ کہتے ہیں۔ لہذا اس زمین میں جو نور کے ظاہر ہونے کا مقام تھی اس کا نائب رہنے لگا۔ نائب کا ہر ایک فعل منیب کا فعل، اس کی ہر شے منیب کی ملکیت ہوتی ہے کیونکہ وہ اپنے منیب کا نوکر ہوتا ہے یا غلام لہذا جس مقام میں "خلیفہ" "نائب" "خادم" "عبد" مقیم ہوگا۔ وہی مرکز حکومت، دار السلطنت، دار الخلافہ کہلائیگا۔ اس کے مکان سکونت کو محل شاہی بیت السلطنت، بیت اِلُ کہیں گے۔

مکان سکونت کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا جاتا ہے۔ ایک حصہ نائب کی سکونت کے لئے ہوتا ہے اور دوسرا حصہ بادشاہ کے نام سے مخصوص کر دیا جاتا ہے اس میں مداخلت کرنے اور گھسنے کی ممانعت ہوتی ہے اس لئے یہ حصہ ہمیشہ بند رہتا ہے۔ کوئی خالص خادمِ دربار ہی اسکو کھولتا، صاف کرتا، مرمت کرتا یا آمد شاہی کے وقت پیشتر سے سجاتا ہے۔

آدم علیہ السلام اس ذات مقدس کے خلیفہ تھے جو نورانی تھا مجسمہ نور تھا۔ لہذا یہ نور منیب آدم اس کل عمارت کا مالک تھا۔ اسی کا مکان تھا۔ اور اسی کا مکین۔ اپنے کمرۂ خاص میں وہ جب چاہے آئے دربار عام کے مقام میں غیروں کو رہنے دے یا دھکے دیکر نکالدے۔ اسکو کوئی روک نہیں سکتا

آدم علیہ السلام تراب سے پیدا ہوئے قرآنی شہادت موجود ہے خلقہ من تراب ثم قال لہ کن فیکون

اب یہ آدم جس کے مکان میں رہا جس نے تعلیم و تربیت کا ذمہ لیا۔ اس کا ربیب کہلائیگا۔ یعنی ایک باپ وہ ہوا جو باعث خلق ہے دوسرا باپ وہ جس نے حقیقی پدر کے عوض فرائض تربیت انجام دیئے۔ لہذا یہ صاحب

جس کے خلیفہ آدم علیہ السلام تھے۔ جناب امیر المومنین علیہ السلام ہی تھے۔ آپ کی کنیت ابو تراب ہونے کی وجہ یہی ہے

اِل ، ایل ، علی ایک ہی ہیں پس بیت ایل ، بیت اللہ ، بیت اللہ سے بیت علیؑ مراد ہوگی۔ نہ کہ خدا کا گھر۔ ورنہ خدا

کے لئے جسمیت ماننی پڑے گی۔ جو محال عقلی ہے۔ اس لئے خدا کو رب الارباب والہٰ الآلہ کہتے ہیں وہ مکان

کا محتاج نہیں۔ لہٰذا یہ مکان اس کا گھر تھا جس پر الوہیت کا دھوکا ہوتا ہے۔ اس لئے امام شافعی کی نسبت کہا

گیا ہے ومات الشافعی ولیس یدری علی ربہ ام ربہ اللہ۔ کہ شافعی مرگیا اور اسے سمجھ نہ آئی کہ علیؑ اس کا

رب ہے یا اللہ۔

اب ذرا اس آیت قرآنی پر غور کیجئے۔ انی خالق بشرا من طین فاذا سویتہ ونفخت فیہ من روحی

فقعوا لہ سجدین۔ یہ پیدا ہونے والا بشر "طین" سے خلق ہوا نہ کہ "تراب" سے۔ آخرالذکر گیلی مٹی کا نام ہے جس سے

گھر بنائے جاتے ہیں۔ طین وہ مٹی ہے جو کیچڑ کے مانند ہو۔ اس کی طینت یا سرشت کا تراب ہونا مسلم ہے۔ لیکن

ظرف بنانے کے لئے اسکو درست کرنے کی ضرورت ہے اب یہ کمائی ہوئی مٹی اور معمولی گارا برابر نہیں

ہو سکتے۔ البتہ اصلیت دونوں کی ایک ہے۔ گارا گھر بنانے کے لئے اور کمائی ہوئی مٹی برتن بنانے کے

لئے ہوتی ہے۔ جسمیں مختلف نفیس اشیا اور ارواح رکھی جاتی ہیں۔ برتن مکان کے اندر رہتا ہے۔ مکان برتن

کے اندر نہیں ہوتا۔ لہٰذا مکان کی بنا کا مقصد ظرف ہوتا ہے جو گنجینہ ہے۔

آدم علیہ السلام اس ظرف کے لئے جو خزانہ علم الہٰی کا صندوق تھا ایک مکان تھے۔ یہ ظرف معمولی

کمہار و مٹی کا نہیں تھا بلکہ اس مٹی سے بنا ہوا تھا جس سے آئینہ ، آبگینہ ، زجاجہ بنتے ہیں۔ لہٰذا یہ بشر آدم

علیہ السلام نہیں ہو سکتے جو تراب سے خلق ہوئے اور نہ وہ بشر یہ بشر ہو سکتا ہے جو من صلصال من حماء

مسنون سے (سڑے ہوئے کیچڑ والی مٹی سے) پیدا ہوا ہو۔ اگرچہ حکم سب کی نسبت ایک ہی ہے لیکن زجاج

یا فانوس سے ظرف و مکان کو کیا نسبت "گوہر پاکیزہ جوہر را چہ نسبت با رخام"

اس سلسلہ مذکورہ سے یہی نہیں سمجھنا چاہئے کہ صرف ایک ہی ایک پسر پیدا ہوا۔ نہیں نہیں بلکہ تو تو۔ چنانچہ

آدم علیہ السلام کے شاید ایک سو ایک سے زائد پسر و دختر ہوئیں۔ ان کی شادیاں جباروں کے درمیان

ہوئیں جس کا ذکر توریت میں موجود ہے۔ قابیل اپنے پدر محترم سے باغی ہو کر اغلبًا اپنی سسرال میں گیا ہوگا۔ کیونکہ

اس کا نودہ کی سرزمین میں آباد ہونا مذکور ہوا ہے۔ قنوج کے راجاؤں کا نودہ کہلانا تاریخی واقعہ ہے۔

اسی طرح ان شکلوں کی ساحت سے بیشمار اعداد پیدا ہوتے ہیں لیکن جس طرح اولاد آدم علیہ السلام

میں سے ہمارا تعلق ایک سلسلۂ مخصوص کے ساتھ ہے اسی طرح کل اعداد مساحت میں سے بعض سے ہمارا مقصود

ثابت ہوتا ہے۔ پس حسب مطلب اعداد لیکر دوسرے اعداد کا ترک کرنا قابل اعتراض نہیں ہو سکتا۔

آیندہ کی تاریخیں قلمبند کرنے سے پیشتر گذشتہ واقعات پر ایک سرسری نظر ڈالکر ان کو ذہن نشین کر لینا

بہتر ہے۔ ابتدا میں دو قومیں نظر آتی ہیں۔ ایک حاکم۔ دوسرے محکوم۔ حاکم راستی پرست لیکن محکوم بعض دل کے

ھوئے۔ پہلی قوم کو ملائکہ کہا گیا۔ اور دوسری کو جن یا ہندی بجان [illegible]

اس دیت یا جن قوم کا ایک فرد علوم حاصل کر کے پہلی قوم میں معزز و ممتاز ہو جاتا ہے اور معلم بنتا ہے۔ ظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ دونوں اقوام میں کشمکش اور جنگ ہی۔ اس فساد و عناد کو مٹانے کے لئے ایک تیسرا فرد آتا ہے جو نسلی اعتبار سے دونوں پہلی قوموں سے علیحدہ ہے۔ ان کو حکم ہوتا ہے کہ براہ راست تقرب کا دروازہ بند ہو گیا۔ تقرب کا حصول اس آنے والے کے ذریعہ ممکن ہی جو حاکم علی الاطلاق کا خادم بھی ہے۔ اور اس کا خلیفہ بھی۔ پس جو شخص اس خادم کی اطاعت کرے وہ مقرب ہو گا۔ لیکن عالم کو جاہل کی اطاعت کرنا مصیبت۔ لہذا اس خادم کی اطاعت کرنے سے پیشتر اس کی فضیلت دیکھنا چاہتے ہیں۔ امتحان ہوتا ہے۔ یہ عالم اس خادم سے ہار جاتے ہیں۔ سب اس کی اطاعت قبول کرتے ہیں۔ الّا قوم جن کا وہ فرد جو معلم بنا ہوا تھا۔ وہ علمی بازی میں ہار کر بھی اطاعت قبول نہیں کرتا اپنی نسلی امتیاز اس سی بہتر خیال کرتا ہے۔ اور اس جماعت سے کٹ جاتا ہے نکلتے وقت وہ دعویٰ کرتا ہی کہ اس خادم کی نسل کو گمراہ کردونگا صرف خاص الخاص اشخاص کو چھوڑ دوں گا۔ اس خادم کے دو بیٹوں میں فساد پیدا کرا کے ایک کے ہاتھ سے دوسرے کی موت کا باعث ٹھہرتا ہی جسقدر نسل خادم بڑھتی ہی اس کی تدابیر کے تیر تیزی کے ساتھ چھوٹتے ہیں ملائکہ اس کی دسترس سی باہر ہیں۔

اس کی تجاویز اسقدر کارگر ہوتی ہیں کہ باوجود نو شخصوں کی تبلیغی کوشش کے گمراہی کا سلسلہ ترقی ہی کرتا چلا جاتا ہے۔ شریعت کے احکام کی علی الاعلان مخالفت ہوتی ہی۔ تھوڑے سے اشخاص جو متابعت میں رہے بھی تو وہ مجبور و لاچار۔ آخر خادم قدیم واپس ہوتے ہیں اور اطاعت کے بدلے جزا، مخالفت کے بدلے سزا یا مکافات عمل کی شریعت رائج ہوتی ہے۔۔ مگر شریعت کا حکم سننے والے تھوڑے مخالفوں کی کثرت۔ ادہر وعظ و پند کی آواز اور عذاب الٰہی سے ڈرانے کی صدا کانوں میں پڑی۔ اور سنگباری شروع ہوئی۔ یعوق، یغوث، نسر، ود، اور سواع کے خلاف کلمہ سنا۔ اور ایذا دہی پر تُل گئے۔ نزول عذاب کے وعدوں کی تاخیر نے اور بھی جماعت میں تفرقہ ڈالدیا۔ ادہر موت نے بھروسے کے لوگوں کو اپنے قبضہ میں کیا۔ جماعت پر رہا سہا دباؤ بھی جاتا رہا۔ کل ۸۰ مرد و زن کی جماعت باقی رہ گئی جس میں اپنے بیٹے پوتے بہو بیٹیاں اور دیگر گذشتہ نبیوں کے بعض نام لیوا بھی شامل تھے۔ اور طرہ یہ کہ ان لوگوں کو نصیحت کرتے کرتے ۶۰۰ برس کی عمر ہو گئی۔ لیکن سب محنت بے کار ثابت ہوئی۔ بلکہ اپنے ساتھیوں میں سی بھی بعض شریعت کو جھوٹ کا دفتر اور شارع کو دروغ گو سمجھکر دشمنوں کے ساتھ شامل ہو گئے۔

صبر و استقلال کی کوئی حد ہوتی ہی۔ پانچسو سال سے زیادہ مصائب سہتے گذر گئے جسقدر یہ ایک معبود کی عبادت و اطاعت پر زور دیتے اُتنا ہی وہ یعوق و یغوث و نسر کی پوجا کا پرچار اور ان کے

فانك ان تذرهم يضلوا عبادك ولا يلدوا الا فاجرا كفارا خدایا. اس زمین (الارض) خاص پر کسی کافر کو بستا ہوا نہ چھوڑ کیونکہ اگر تو نے چھوڑ دیا تو تیرے بندوں کو گمراہ کریں گے اور ان کی اولاد بھی فاجر و کافر ہی ہوگی۔ دعائے نبی تھی۔ رنگ لائی۔ زمین خاص جس میں آدم علیہ السلام خلیفہ مقرر ہوئے جو مقدس المقدس اور بڑی تیرتھ کی جگہ تھی اور نسل آدم علیہ السلام سے پر تھی۔ پانی میں ڈوب گئی۔ نوح علیہ السلام اپنے ساتھیوں کو ہمراہ لیکر کشتی میں سوار ہو گئے اور ایک سال کے بعد جب کشتی کوہ جودی پر ٹھہری تو خشکی پر اترے قصہ حضرت نوح علیہ السلام میں علاوہ تاریخی واقعات کے جغرافی حالت اور قدرتی سامان یعنی وہ وسائل جس سے نئی زمینیں ظاہر اور پرانی بستیاں یا ممالک غائب ہوتے ہیں معلوم ہوتے ہیں۔

تاریخی وجود تو یعوق۔ ویغوث۔ ونسر و ود و سواع کی تمدنی و معاشرتی اہمیت ہے جس نے اس بندہ خدا کی نصیحت کو رنگ نہ لانے دیا۔

کلام پاک میں صرف اسی قدر مذکور ہے۔ رپ ۱۹ ع سورہ نوح، قال نوح رب انهم عصوانی واتبعوا من لم یزدہ ماله وولدہ الا خسارا ۝ ومکروا مکرا کبارا ۝ وقالوا لا تذرن الهتکم ولا تذرن ودا ولا سواعا ولا یغوث ویعوق ونسرا ۝ وقد اضلوا کثیرا ۝ ترجمہ۔ نوح نے عرض کی پروردگارا! انھوں نے مجھ سے تخلف کیا (مجھ سے مخالفت کی یا میری نہیں سنی) اور اس کی پیروی کی جس کی مال و دولت اور اولاد نے خسارے کے سوا اور کوئی نفع نہیں دیا۔ اور انہوں نے (ملکر) بڑا فریب کھیلا۔ اور ان سب نے کہا خبردار اپنے معبودوں کو ہرگز نہ چھوڑنا۔ اور نہ ہرگز ود، سواع، یغوث، ویعوق ونسر کو چھوڑنا۔ اسطرح بہتوں کو گمراہ کر دیا۔

آیۃ مذکورہ بالا میں علاوہ مخالفت آنحضرتؐ کے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ (۱) خلقت موجودہ کسی ایسے مالدار صاحب اولادِ کثیر کی اطاعت میں منہمک تھی جو گمراہ و فاسق و فاجر تھا (۲) انھوں نے مجتمع ہو کر زبردست فریب دینے کا مشورہ کیا۔ قرارداد یہ پائی کہ (نوح کی مخالفت پر کمر باندھو) اور اپنے معبودوں اور اپنے لیڈروں کو نہ چھوڑو (۳) ود۔ سواع۔ یغوث۔ یعوق۔ نسر کوئی تاریخی ہستیاں تھیں یا اس قوم کے معبودوں کے داعی۔ جو تعلیم نوح علیہ السلام کے مخالف بت پرستی کی تعلیم دیتے تھے۔

نمبر اول تو ایک معمہ ہے جسکا ذکر اسوقت فضول ہے۔

نمبر دوم یہ اجماع شخص مذکورہ (نمبر۱) کے ہواخواہوں نے قائم کیا تا کہ نوح علیہ السلام کے خلاف مشورہ کریں۔

نمبر سوم۔ نوح علیہ السلام کے مخالفت کرنیوالے اور آپ کی مخالفت کی تعلیم دینے والے تھے۔ اغلباً مدعی نبوت تاریخ میں گاتھ کا لفظ موجود ہے۔ زیادہ تلاش کی ضرورت نہیں۔ عربی میں اسکو غاث تلفظ کریں گے۔ اسی طرح نیبوگش۔ گھوش الفاظ بھی موجود ہیں۔ پس یغوث (یوغوث) اور نیبوگھس ایک ہی وجود ہوا۔ نیبو اور نبی میں زیادہ فرق نہیں۔ گاتھ یوروپ کی مشہور قوم گذری ہے۔ لہذا یغوث اس قوم کا رہبر ہوگا۔

اسفار انبیا کے دیکھنے والوں سے پوشیدہ ہیں۔
لہذا یوق سے یوعوق (بنی عوق) مراد ہوئی۔ عوق کو عناق کا پسر تبلاتے ہیں پس یوق عناق کا پسر (عوق بن عوبن قا) تھا۔ اس کا نام عوق بن عوق مشہور ہوگیا ہوگا۔ اس عوق کو عوج بھی کہتے ہیں جو طوفان نوح میں پایاب اترا۔ یہ پانچ مختلف حیثیت اور رسوخ کے لوگ تھے۔ جو مخالفت پر آمادہ ہوگئے۔ اور ہر ایک نے اپنی اپنی قوم کو مخالفت پر آمادہ کرنے کی ٹھانی۔
قرآنی تاریخ نے ان مشہور و معروف قبائل دنیا کے بزرگ لیڈروں کا وجود زمانہ نوح علیہ السلام میں ثابت کر دیا۔ یہ بھی ظاہر ہے کہ تیرتھ کے موقعہ پر مختلف مقامات کے لوگ جمع ہو جاتے ہیں۔ اس لئے اس مقام سے بڑھکر اس پرچار کے لئے کوئی دوسری جگہ نہیں ہوسکتی تھی۔ وہ مقام جو ہدایت کی سرزمین کہلاتا تھا گمراہی پھیلانے کا مرکز قرار دیا گیا۔
دعا سے نبی رنگ لائی۔ سمندر میں طغیانی آئی۔ بارش نے ساون بھادوں بھلا دیئے زمین کے اندر سے چشمے پھوٹ نکلے۔ ایسا ہونا کچھ تعجب خیز یا ناممکن نہیں۔ زلزلہ بارش طوفان امواج آندھی وغیرہ غیرمحدود مناظر قدرت ہیں۔ زمین کا پھٹنا عموماً ایسے ایسے امور آج کل بھی مشاہدہ کرا دیتا ہے۔ سمندر کی سر بفلک لہریں میلوں تک خشکی میں دوڑتی ہوئی چلی جاتی ہیں۔
عرب۔ افریقہ۔ امریکہ۔ آسٹریلیا۔ ایشیا۔ یوروپ کے نقشوں کو لیکر ان پر غور کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ اگر عرب کو دھکیل کر مشرق کیجانب کھسکائیں تو خلیج فارس غائب ہو جائیگی اور عرب کا جنوب مشرقی سرا ایک مقام میں بندر عباس کے قریب آملے گا۔ افریقہ کا مشرقی گوشہ سقوطری بھی اسی طرح راس باب المندب کو بند کرتا ہوا اپن سے آملیگا۔ اسی طرح جنوبی امریکہ افریقہ سے شمالی امریکہ یوروپ سے ملحق ہو جائیگی۔ اور کل قطع خشکی ایک نظر آئے گا۔ پس جس وقت کسی طاقت کے دباؤ میں علیحدہ ہوکر ایک دوسرے سے جدا ہوں۔ ان کے چاروں طرف کے سمندر کا پانی اتنی ہی طاقت کیساتھ اس خلا کیطرف بڑھے گا۔ جو اس جدائی سے خشکی کے اندر پیدا ہوگئی۔ بعینہٖ یہی واقعہ اس وقت ظاہر ہوا۔ خلیج فارس۔ بحر قلزم بند بحیرہ ہیں۔ پانی کا ریلا۔ اس تمام علاقہ پر عبور کر کے اگر کل آبادی عرب، عراق عرب، مصر، سوڈان، ایران وغیرہ کو صاف نہ کر دیتا تو اور کیا کرتا۔ البتہ سطح مرتفع کا بچا رہنا ممکن ہے۔ کشتی نوح علیہ السلام اسی طوفان کی لہروں کی ٹکروں سے کوہ جودی کی چوٹی پر ٹھہری
نوح علیہ السلام کے ہمراہ آپ کی اولاد یعنی تین پسر ان کے عیال اور ساتھیوں کو ان کے عیال سمیت ملا کر کل اسی نفوس اور ہر قسم کے چرند و پرند وغیرہ کا ایک ایک جوڑہ تھا۔ لہذا یہ نئی بستی یا کلونی بسانے والے اس جمعیت اور سامان کیساتھ زمین پر اترے۔

سے یجدہ رہبر کرنے کی ٹھانی

مخالفت کا بیج کسی طرح سے نوح علیہ السلام کے گھر کے اندر کاشت ہوگیا۔ اس کی وجہ غالباً یہ معلوم ہوتی ہے۔ کہ سام علیہ السلام وصایت پدر کے لئے منتخب ہوئے۔ حام بڑا تھا اسکو ناگوار ہوا ہوگا۔ مخالف ہوگیا گھر سے نکالا گیا۔ اس کی زوجہ اور بیٹا اس جلاوطنی کے باعث اس سے چھوٹ گئے

گھر سے نکلکر حام نے ادہر ادہر پھرنا..... اور آفتاب پرستی کا وعظ کرنا شروع کیا جو ان تنومند سیاہ فام تھا۔ آخر کچھ ساتھی پیدا کرلئے۔ روایات سے حام کا نام اطلس معلوم ہوتا ہے (دو بابل پادری ہلپ)

ادہر اس کے پسر کو جس کا نام کش تھا۔ دادا کی تربیت اور ہر وقت کیپاتھ رہنے نے چار چاند لگا دیئے علوم میں طاق ہوگیا عقل و خرد خداداد اور بھی سونے پر سہاگہ ہوئی اس کی تزویج یافث کی لڑکی سے ہوئی وہ بھی دادا کی محبت سے ہر طرح اس کی مدمقابل تھی۔ حام نے بھی اس ازدواج کی خبر سنی محبت پدری نے جوش مارا اس کے علاوہ اس کو معلوم تھا صحف انبیائے و علوم کے خزانے گھر میں موجود ہیں۔ اگر ایسا عالم پسران علوم سے واقف ہوجائے تو آیندہ کے لئے توقع کا دروازہ کھلا ہوا تھا۔ آخر کچھ سوچکر بھائی یافث کے گھر پہونچا۔ اور نئے رشتے کی توقع پر اس سے یہ درخواست کی کہ کسی طرح گھر کے اندر لیجا کر بیٹے اور بہو سے ملادے۔ قدیم روایتوں سے اس واقعہ کا تعلق مور اور سانپ سے تبلایا جاتا ہے۔ مور اپنی خوبصورتی اور رعنائی میں شہرہ آفاق ہے اور سانپ کا جانی دشمن۔ یافث کی زوجہ حسین تھی۔ اور زوجہ حام کی دشمن بھی۔ کیونکہ گھر بھر میں ایک یہی بڑی بوڑھی تھی۔ ہر شے اس کے اختیار میں۔ اس کا قبضہ زوجہ یافث کو ناگوار تھا۔ موقعہ اچھا سمجھکر کہدیا گھر کی کارمختار تمہاری بیوی ہے اس سے کہو تو تمہارا مطلب پورا ہو سکتا ہے اس طرح پر حام کو اپنی زوجہ سے ملنا اور سوال کرنا پڑا۔ عورت ہوشیار تھی سمجھ گئی کچھ دال میں کالا ہے۔ یافث کی زوجہ سے دل میں کھٹکا لگا ہوا تھا گھر میں لیجانیسے انکار کر دیا۔ البتہ بیٹے بہو سے خاوند کا پیغام کہنے پر رضامند ہوگئی۔ حام نے یہی غنیمت سمجھا اور اسکو سمجھایا کہ صحف انبیا میں سے اس علم کو سیکھنے کے لئے بیٹے بہو کو ترغیب دے جو مغیبات سے متعلق ہے جسکو وہ علم ہوتا ہے وہی نبی ہوتا ہے۔

حام تو یہ کہکر چلتا بنا۔ اس کی بیوی نے یہ سب کچھ اپنے بیٹے بہو سے کہدیا۔ دونوں نے سنا۔ بہو نے جو ہر وقت گھر میں رہتی تھی اس علم کی چاشنی چکھی۔ اس کی معلومات بڑھ گئیں۔ آخر اس نے اپنے شوہر کو بھی یہی پھل کھلایا۔ دونوں نے اس پھل کو چکھا۔ ساتھ ہی اپنی نافرمانی کا خیال پیدا ہوا! اس لئے مالک خانہ یعنی نوح علیہ السلام سے کترانے لگے۔ اور دوسرے علوم کے مطالعہ کے بہانیسے ادہر ادہر ہو جانے رہتے تھے چنانچہ

لہ پادری ہلپ نے حوالجات قدیم کی رو سے اسکا نام جنیت (یا جنت) لکھاہے۔ قدیم تصاویر میں اس کو کھجی سے تعبیر کیا ہے ہندوستانی تذکروں میں بھی جینتی کا ذکر موجود ہے۔

کتاب پیدائش توریت اور قرآن شریف کی آیات پر غور کرنے سے یہ معاملہ واضح ہو جاتا ہے۔ توریت میں مذکور ہے کہ شیطان سانپ کے دہن میں بیٹھکر جنت میں داخل ہوا۔ اور حوا کو بہکا کر ممنوع پھل کھلایا۔ یعنی شیطان نظر نہیں آتا تھا بلکہ یہ الفاظ شیطانی سانپ کی زبان سے ادا ہوتے تھے۔ سانپ داروغہ جنت تھا۔ طاؤس بھی ایک دروازہ کا حاجب تھا۔ خیر جب حوا نے پھل کھالیا اور آدم کو بھی کھلا دیا تو وہ ننگے ہوگئے۔ اور درختوں کے پتوں سے ستر ڈھانپنے لگے۔ ان کو باغ عدن میں نہ دیکھکر" ان کے رب نے (پالنے والے نے) کہا۔ اے آدم تو کہاں ہے جس کے جواب میں دونوں میاں بیوی نے ڈر کر جوابدیا۔ یہاں ہیں۔ اور چہرہ پر مخالفت کے باعث ہوائیاں چھوٹ رہی تھیں۔ پتوں سے اپنا ستر ڈھانکتے ہوئے سامنے آئے۔ تو ان کے رب نے کہا تمہاری بے گناہی کس نے لی؟ آدم نے کہا اس عورت نے جو تو نے مجھے دی ہے اس ممنوع درخت کا پھل مجھے کھلا دیا"

یہ سب بیان ثابت کرتا ہے کہ خدا کا باغ میں چلتے ہوئے دکھلائی دینا اور دونوں میاں بیوی کا خوفزدہ ہو کر پتوں میں چھپ جانا سب استعارے ہیں۔ نوح علیہ السلام اس جوڑے کے پالنے والے تھے ان کا گھر باغ علوم تھا۔ ان میں سے ہر ایک علم کی کتابوں کے مطالعہ اور اس کے نتائج علمیہ سے مستفید ہونے کی اس جوڑے کو اجازت تھی۔ لیکن صرف علم الغیبات کی کتابیں دیکھنے اور اس کے نتائج علمیہ سے مستفید ہونے کی ممانعت تھی اس کی وجہ ظاہر ہے۔ ایک ظنی علم کی بنا پر غیب بینی کا دعوی کرنا مدعی نبوت ہونا تھا۔ نبوت (پیشینگوئی) غیب بینی ہے۔ وہ اسی وقت سچی ہو سکتی ہے جبکہ عالم الغیب کیطرف سے آوے جس کا علم یقینی ہے ظنی نہیں۔ پس ایک ظنی علم کی بنا پر مدعی نبوت ہونا اپنی جان کو ہلاکت میں ڈالنا ہے نہ صرف خود ہی ہلاک ہوئے بلکہ جہان کو ساتھ لے ڈوبے۔ چونکہ رہبر کاذب اور اس کے تابعین جو ظاہر علامات کی بنا پر حکم لگائیں اور عمل کریں۔ راز حقیقت سے بے بہرہ رہتے ہیں۔ اس لئے آئندہ ہمیشہ اس علم اور اس کے مدعین سے بچنے کے لئے توریت میں نہایت واضح حکم موجود ہے۔ زبور بھی اس سے خالی نہیں۔ انجیل بھی سانپوں کے بچوں کے تذکرے سے خالی۔ اور اسلام میں ایک سرے سے اس علم کا سیکھنا ممنوع قرار پایا۔ کیونکہ اس علم کا عالم ہونا اور اس کے نتائج پر غور کر کے حکم نہ لگانا طاقت بشری سے باہر ہے۔

آخر وہ وقت آگیا کہ اس واقعہ میں شریک ہونے والے سبکے سب گھر سے نکالے گئے" فاھبطوا منہا ولکم فی الارض مستقر و متاع الی حین۔ تم (سب) اس گھر سے نکلو اور اس قطعہ زمین مخصوص میں تمہارے لئے رہنے کی جگہ اور مرتے دم تک سامان معیشت کافی ہے۔ یا دوسری آیۃ کے مطابق قال اھبطوا بعضکم لبعض عدو۔ تم آپس میں دشمن ہو یہاں سے نکلو۔ یہاں تمہارا کوئی کام نہیں۔ لہذا حام

یافث ترکستان کی جانب گیا۔ کش اور سیمی (میاں بیوی) اپنے کئے پر پشیمان قریب ہی رہے۔ حام کی بیوی حام کیطرف جارہی۔

یہ دونوں یعنی کش اور اس کی بیوی معافی کے طلبگار رہے اور ان کو معافی ملی۔ لیکن جب وقت سامؑ کو وصی مقرر کیا گیا یہ مخالف ہوگئے۔ اور کش نے نبوت کا دعوے کیا۔ شریعت نوحؑ کی قیود اٹھ گئیں ۔ حام کے دین کا حامی ہوگیا اور اپنے خسر یافث کیطرف چلا گیا۔ اسکا باپ حام یا ایت یا اطلس افریقہ میں پہلے سے موجود تھا۔ دونوں ممالک میں آفتاب پرستی کے وعظ ہونے لگے۔ قدیم تواریخ مصر و وسط ایشیا و ہند آفتاب پرستی سے انکاری نہیں۔

لہذا یہ جوڑہ آیندہ آنیوالی دنیا کی تاریخ میں ایک خاص اہمیت رکھتا ہے۔ نہ صرف نسلی امتیاز کے باعث بلکہ روحانی اعتبار سے بھی۔ اور سیاسی و تمدنی حیثیت سے بھی۔

(البتہ اس تاریخی سلسلہ کو ناموں کے اشتراک نے بہت ہی پیچیدہ بنا دیا ہے۔ مثلاً عو یا اَونام کے بیشمار افراد ملتے ہیں۔ اسی طرح قابیل کے نام کی وجہ سے ایک کے افعال دوسرے کے سر عاید ہوگئے۔ آدم ابوالبشر علیہ السلام اس اشتراک لفظی کا سب سے زیادہ شکار بنے۔)

روحانی حیثیت سے تو اس طرح پر کہ دعویٰ نبوت کیا وہبی علوم کے مقابلے میں علوم کسبیہ سے کام لیا اور خدا کی پرستش کے مقابلہ میں آفتاب آتش، اور اصنام کی پرستش رائج کی لیکن اس مقصد کا حصول بغیر غلبہ و استیلا کے ناممکن تھا۔ اس لئے چین، تاتار۔ ایران، عراق عرب، شام، مصر اور دیگر ممالک آباد ان کی دستبرد سے نہ بچے۔ عناصر پرستی نجوم پرستی اور بت پرستی علاقہ مفتوحہ میں جبراً داخل کی گئی۔ بادشاہی کے ساتھ ساتھ تمدنی و سیاسی حالت بھی بدلجاتی ہے۔ جغرافئی حالت میں تغیر آجاتا ہے۔ رسم و رواج قدیم مٹتا کھا جاتے ہیں۔ اور حاکم قوم کے رسم و رواج بہتر خیال کئے جاتے ہیں۔ دیوار چین کی تعمیر اس امر کا بہتر سے بہتر ثبوت ہے کہ ان اقوام کے متواتر حملوں سے تنگ آکر اسقدر عظیم الشان شہر پناہ کی ضرورت محسوس ہوئی۔ جسکے بنانے میں لاگت اور محنت کا اندازہ کرنا آسان کام نہیں۔

الغرض۔ آمدم بر سر مطلب۔ سام علیہ السلام کی وصایت سے گذشتہ مخالفت کا بازار از سر نو چمکا۔ یہ انتہائے فدیہ کے تذکرے تھے۔ جنکا ذکر مجملاً کلام مجید میں آیا۔ یہ دکھلایا گیا کہ خلیفۂ منصوص سے کسطرح مخالفت ہوا کی۔ اور اس کا نتیجہ مخالفین کو کیا ملا۔ تاکہ امت موجودہ ان تذکروں سے فائدہ اٹھائے اور حقیقت خلافت حقہ و خلافت شوریٰ میں تمیز کر نا سیکھے۔

یہ ظاہر ہے کہ ہر ایک ذی حیوۃ کے لئے فنا لازمی ہے۔ پیغمبر ہو یا نبی اس قاعدے سے مستثنیٰ نہیں ہوسکتا۔

ﮧ توریت کے مطابق قابیل اپنے پدر سے علیحدہ ہوکر جنوب کی سمت روانہ ہوا اور نودہ کی سرزمین میں جا رہا۔ تاریخ قدیم ہند بتلاتی

اس لئے اس کی جگہ قائمقام مقرر ہونا بھی ویسا ہی ضروری ہے جیسا کہ ہدایت کا تقرر۔ ورنہ رسالت بیکار اور شریعت
مہمل ہو جاتی ہے۔ شریعت قانون کلیہ یا اصول سے ہے لیکن ان اصول کا سمجھنا اور وہی معنی استنباط کرنا جو مقصود مرسل
وحی تھے۔ اس شخص کے وجود کو چاہتے ہیں جو طرز تحریر دربار سے واقف اور عالم کامل ہو۔ تاکہ استنباط احکام
فروعی میں غلطی نہ ہو۔ اصل الاصول کے سمجھنے میں خطا نہ کرے۔ خداوند عالم ہی ایک ایسی ہستی ہے جو حالات
قلوب، علمیت و اہلیت شخصی سے واقف تر ہے۔ اس لئے ایسے شخص کا تقرر اسپر فرض عین ہے بیشتر اس کے کہ
رسول یا نبی کو دنیا سے اٹھائے۔

حضرت ابو البشر سے لیکر زمانہ عیسیٰ علیہ السلام تک یہی اصول رائج نظر آتا ہے۔ اگرچہ اجتماع نے ہمیشہ
اس قانون کے توڑنے کی کوشش کی اور عموماً اپنے مقصد میں دنیاوی نقطہ نظر سے کامیاب بھی ہوئی لیکن
اس کامیابی سے قانون قدرت نہیں بدلا نہ جاہل عالم ہوا۔ کیونکہ مخالفت سنت شیطانی تھی۔ روحانیت یا
ملکوتیت سے خالی۔ پس اس سنت کا عامل، ملکوتی حدود میں داخل نہیں ہو سکتا اور نہ ان علوم کا وارث و عالم
ہو سکتا ہے جو نفس ملکوتی کو قدرت نے عطا کئے ہوں

قرآنی حقانیت کی بڑی زبردست شہادت۔ تصدیق یا گواہی واقعات آئندہ کی خبر ہے جسکو مختلف انبیا
کے تذکروں میں بہ تکرار بیان کیا گیا ہے۔ تاکہ معلوم ہو جائے کہ قانون قدرت تو یہی ہے کہ رسول، نبی، خلیفہ
وصی، امام، خدا خود ہی مقرر کرتا ہے۔ بندوں کے انتخاب پر نہیں چھوڑتا لیکن عادت مخلوقات یہی ہے کہ اس
الٰہی تقرر کے خلاف اعتراض کرتے رہے۔ اپنا رہبر و معلم تقرر الٰہی کے خلاف بلکہ اس کے مقابلہ میں خود منتخب کیا
کئے۔ چونکہ خدائی قانون بدل نہیں سکتا اور شیطانی سنت کی متابعت کیجانب رجحان زیادہ ہے اس لئے صاحب
قدرت نے تو اپنے قاعدے کے مطابق معلم شریعت مقرر کرتا ہے اور جماعت نے اس شیطانی طریقہ کا عامل
ہونا ہے جس کا گذشتہ زمانہ میں یہ نتیجہ نکلا۔ بقول مولانا روم سه

خوشتر آں باشد کہ سر دلبراں ∴ گفتہ آید در حدیث دیگراں

یہی ہدایت کا طریقہ اور نصیحت کرنے کا بہترین راستہ ہے۔ واللہ متم نورہ ولو کرہ الکافرون۔ خداوند
عالم اپنے نور ہدایت کو کامل کرکے رہے گا۔ اگرچہ یہ کافروں پر گراں گذرے اور وہ اسکے مٹانے، مصنوعی
خلافت و امامت کے قائم کرنے میں ایڑی چوٹی کا زور لگائیں۔

اس کے علاوہ اس تفصیل پر تو غور کیجئے کسقدر مفصل اور کتنے طریق سے اس خلافت کا تذکرہ کیا۔ اگر مجملاً
کہدیا جاتا کہ بیشتر بھی خلفا مقرر ہوئے۔ ان سے روگردانی ہوئی۔ اور سزا دیگئی تب بھی کافی تھا لیکن اس
تفصیل سے کچھ اور ہی معاملہ نظر آتا ہے مثلاً پہلی خلافت کے تقرر میں ایک مقرب بارگاہ اپنی مخالفت کی باعث
راندہ درگاہ قرار پاتا ہے۔ نکالدیا جاتا ہے لعنت ابدی کا طوق گلے میں پڑتا ہے۔ اسی خلیفہ کی مخالفت کی

[illegible] ایک ایک نبی کی مخالفت کے سبب [illegible]

میں گھر جاتے ہیں (طوفان آب، ہو یا طوفان جنگ و خونریزی) اس کا بیٹا پوتا بھی مخالفت کے باعث خاندان نبوّت سے الگ کر دیئے جاتے ہیں۔ شجر نبوّت نمو پر ہے لیکن شجر مخالفت نے بھی اپنی بالیدگی میں کمی نہیں کی دعوئے خلافت کرنے سے کام چلتا نہ دیکھ کر وہ دعوے کر بیٹھتا ہے جسکا مدعی اول منکر خلافت بھی نہ تھا۔ ابلیس خلافت بشر کا منکر تھا لیکن نہ علیین میں سے ہونیکا دعوی تھا اور نہ خدا کا منکر تھا۔ قابیل اور اولاد قابیل نے اپنا لوہا بزور منوایا۔ اپنے کو دوسروں کی نسبت اعلیٰ ثابت کرنا چاہا لیکن اپنے سے افضل بھی کسی کو سمجھا اور اس کو اپنا الہ تسلیم کیا۔ اب زمانے نے کروٹ لی۔ خلافت و علوّ مرتبت فرسودہ منزلیں تھیں۔ لہذا ربوبیت کا دعوی کیا۔ آخر نتیجہ یہ ہوا کہ ذلیل ترین و ضعیف ترین مخلوق الہی کے ہاتھ سے اپنی سزا کو پہونچا۔ ساری خدائی کرکری ہوگئی۔

اب کوئی زینہ ترقی کا باقی نہ تھا جس کے حصول کی سعی ہوتی۔ دوسروں پر ظلم و ستم توڑنے اور ضعیفوں کی گردن مروڑنی شروع کی۔ نبی کی ہدایت سے منہ موڑا۔ اپنی طاقت اور کس بل کے بھروسے پر ناصح مشفق کی تکذیب کی۔ آخر ہوائی طوفان نے ان پہلوانوں کو اس طرح پچھاڑا کہ ہڈیاں چور ہوگئیں۔ دوسری قوم نے آندھی کے ڈر سے پہاڑ کھود کر گھر بنائے۔ نبی کی مخالفت کی شعائر اللہ کی ہجر ہستی کو فخر سمجھا۔ رعد کی سی گرج سے ہلاک ہوگئے۔

ایک اور قوم اٹھی اس نے طریق عدل سے تجاوز کیا۔ لینے کے وزن دوسرے تھے اور دینے کے اور۔ نبی کی نصیحت سے مخالفت کی۔ زمین میں دھنس گئی۔ اور زندہ درگور ہوگئی۔ ایک دوسری قوم نے خلاف فطرت عمل شروع کر دیا نبی کی نہ سُنی۔ مخالفت کی۔ آخر ان کا طبقہ الٹ گیا۔ آگ اور گندھک کی بارش ہوتی رہی۔

اب ایک قوم اٹھی پستی سے اوج کی طرف بڑھی۔ قدم قدم پر رہنما موجود تھے۔ گذشتہ امتوں کے واقعات بیش بہا سبق تھے آخر بام ترقی پر پہونچکر یہ بھی گری اپنی مقتدر رہنماؤں کی مخالفت نے ان کی قومی ہستی کو طوفان ذلّت و رسوائی میں غرق کر دیا۔ ان کی قومی ہستی اہمیّت انکا اعزاز ان کا فخر و امتیاز قصہ پارینہ ہوگیا۔ اور آنے والی نسلوں کے لئے سبق آموز عقلمندوں کے لئے حکمت و معرفت کا سرچشمہ۔ عاقل وہی ہے جو دوسروں کی غلطیوں سے سبق سیکھے جس طرح اور جس وجہ سے پہلوں نے ٹھوکر کھائی۔ اس سے اپنے آپ کو بچائے۔ ورنہ تازیانہ عقوبت تو حیوانوں کو بھی راہ مستقیم پر چلا دیتا ہے۔

اس طرح مختلف عنوانوں سے اس خلافت اور اس کی نیابت و وصایت کی مختلف شکلیں۔ اخلاق کے بہترین سبق۔ رحمت کے ابر نیساں کی بہار در ہدایت و متابعت کے تعلقات دکھلانے مقصود تھے۔ تاکہ معلوم ہوجائے کہ مقصد ہدایت کی متابعت سے بیگانے یگانے بنجاتے ہیں۔ اور دامن ہدایت سے متوسل ہونیوالے مہلک گذرگاہوں سے اس طرح نکل جاتے ہیں کہ بال تک آنچ نہیں آتی۔ آتش گل و ریاحین۔ خار گلزار اور باد سموم نسیم سحر بنجاتے ہیں۔ اس دامن کو چھوڑ کر دوسرے دامن سے سہارا لینے والے کس طرح ہلاک و برباد ہوتے [illegible] کبھی اس راہ کے کنارے کبھی اس راہ کے وسط

زمانہ کا دور پلٹتا ہے۔ بغاوت کی اصلاح اور مخالفت کی ظلمت کو نیست و نابود کرنے کے لئے مہربان و شفیق بادشاہ خود ہی آجاتا ہے۔ اخلاق کریمانہ اطوار ملوکانہ اور سلوک خسروانہ سے ڈرا کر دھمکا کر انعام واکرام سے اور آیندہ کی جزا و سزا کے وعدہ وعیدے ان کی بغاوت و سرکشی کو فرو کرتا ہے۔ یہ قوم اپنے بادشاہ کو بادشاہ تسلیم کرتی ہی۔ اس کے قوانین پر چلنے کے وعدے اور عہد و پیمان ہوتے ہیں۔ آخر یہ بادشاہ اپنے دار السلطنت کیطرف مراجعت کرنے سے پیشتر اپنا نائب ضرور مقرر کریگا۔ سر دربار اسکا تقرر ہوگا۔ فرامین کے اجرا کے وقت اسکا پروانہ تقرری تحریر کیا جائیگا۔ تاکہ اس کی نیابت میں شک نہ رہے۔ اور اس کی مخالفت کی خواہش پیدا نہ ہو۔ یہ امر ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے کہ پہلی خلافت سے مخالفت کرنے والے کو دوسرے گروہ کے درمیان سے نکلجانیکا حکم ہوا تھا۔ آخر اس آخری زمانے میں اس فرمان شاہی کی تحریر میں مناقشت کرنیوالوں کو قوموا عنی (میرے پاس سے نکلجاؤ) کا حکم ہوا ۔ ہر شخص کا ہر ایک قوم کا ایک خاص طرز کلام ہوتا ہے مخصوص لب ولہجہ ہوتا ہے جس کے ذریعہ وہ دیگر شخصیت و قومیت میں ممتاز نظر آیا کرتی ہو۔ نقاد سخن طرز گفتگو اور انداز ادائے مضامین سے اس کی قومیت و شخصیت پر فوراً حکم لگا دیتے ہیں۔ مثلاً ذیل کے دو شعروں سی کہنے والوں کی قومیت فوراً ظاہر ہو جائے گی

سرہانے میرؔ کے آہستہ بولو (۱) ابھی ٹک روتے روتے سو گیا ہے۔

سوداؔ کے جو بالیں پہ اٹھا شور قیامت (۲) خدام ادب بولے ابھی آنکھ لگی ہے

پہلے شخص کے الفاظ اس کے عجز و انکسار اور عبد مجبور رونا چار ہونے کو ظاہر کرتے ہیں جس کے نصیب عمر بھر رونا ہے۔ یہ ہے نسلی امتیاز۔ فوراً کہنا پڑتا ہے کہ پہلا شاعر اپنی قومیت میں سادات عظام سے تعلق رکھتا ہی باوجود کمال ذاتی اس پر نازاں نہیں۔ نخوت سے خالی ہی۔ لیکن وہی مضمون جب دوسرے شاعر کی زبان سے ادا ہوتا ہے تو تمکنت شاہی اور نخوت ذاتی کی جھلک دکھلائی پڑتی ہی۔ سپاہیانہ جہالت مترشح ہی اسکی قومیت اس کے الفاظ میں نظر آتی ہے تو بلی خیالات ساغر دل میں چھلکتے ہوئے ملتے ہیں۔

جب اسی تنقیدی نظر سے ہم اُن الفاظ پر جو قرآنی صورت بیان میں منکر اول ابلیس کی نسبت دیکھتے ہیں اُخرج منہا فانک رجیم وان علیک لعنتی الی یوم الدین (اس امت سے نکل جا کیونکہ تو رجیم ہے۔ اور تجھپر قیامت تک میری لعنت ہی) اور پھر مناقش زمانِ آخر کی نسبت قوموا عنی ... پڑھتے ہیں تو بے اختیار زبان پر کہنا پڑتا ہے کہ کہنے والا ایک ہی ہی۔ لیکن نوعیت کلام کا موضوع جداگانہ ہی۔ پہلا کلام اپنے نائب کے اختیارات اور قدر و منزلت دکھلانے کے لئے تھا۔ اور دوسرے میں خود اپنی مخالفت کے خراب نتائج ظاہر کرنے مقصود تھے۔ کہنے والا ایک ہی ہی۔ خود قرآنی شہادت موجود ہی کہ اس کہنے والے کی زبان زبانِ خدا۔

یین یین خدا۔ دست دست خدا ہے۔ جبھی تو وما رمیت اذ رمیت ولکن اللہ رمیٰ (اے رسول جب
تونے سنگ ریزے پھینکے۔ تو وہ تونے نہیں پھینکے بلکہ خدانے پھینکے) درست ہوسکتا ہے۔ پس ظاہر ہوا کہ جس
انسانی ہاتھ میں یہ قابلیت موجود ہے کہ یداللہ کہلائے۔ اسی زبان میں یہ قابلیت ہوگی کہ لسان اللہ کہلائے
اور احکامات قدرت کو اپنے الفاظ میں ڈھالکر دوسروں تک پہونچائے۔ یا منشار قدرت کے مطابق
ان الفاظ کو تفسیر وتاویل کا جامہ پہنائے۔ تو مواعنی کہی یا فاخوج منہا سنائے۔ ہر ایک حال میں لسان
اللہ ہے۔ اسی خیال کو شاعرانہ انداز میں اس طرح پر ظاہر کیا گیا ہے۔ ؎

اللہ بولتا ہے انہیں کی زبان سے

لہٰذا اس وثیقہ تقرّری کی تحریر میں جو وصیّت نامہ کہلاتا ہے مناقشہ ومنازعہ کرنیوالے تابعین یقین
یا رعیت فرمانبردار وباوفا نہیں کہلاسکتے۔ کیونکہ بادشاہ سے اس کے نائب کی تقرّری کے پروانہ لکھا جانے
میں تنازع کر رہے ہیں یہ معلوم ہو کہ پہلے مخالف کو نکالدیا گیا لعنت کا طوق پہنایا گیا۔ لیکن ببول کے درخت میں
آم نہیں لگتے۔ نہ گلاب کے پھول اس میں نکلتے ہیں۔ نہ کتّے کی دم سیدھی ہوتی ہو۔ نہ بگڑے ہوئے دل
اصلاح پذیر ہوں گے۔ ادہر رحمت للعلمین ہی نہیں چاہتا کہ یہ لوگ عذاب میں پھنسیں (ان کے تکرار کو انکار
حکم کے درجے تک پہونچنے سے پیشتر ہی ان کو اپنے سامنے سے نکالدیتا ہو۔ ان کے خیالات کو محض لفظی
جامہ پہننے کی مہلت ملتی ہے فعل کی صورت میں آنے نہیں دیتا مبادا عذاب میں گرفتار ہوں۔ اس لئے فورًا
حکم دیتا ہے "میرے پاس سے دفع ہوجاؤ (یا دور ہوجاؤ نکلجاؤ۔ کیا تمہیں معلوم نہیں کہ) میرے سامنے تنازع
کرنا جائز نہیں"۔ یہ جھگڑالو بیچ کے جھگڑالو پھل دربار نبوت سے نکلکر رہے۔ مگر کس حیثیت سے نکلے مخالفت کا
رنگ چہرہ پر، رسول کی ناراضی کا تازیانہ پشت پر، نفاق کا اظہار زبان سے۔ اس شعر کو ان کے حسب حال
سمجھنا چاہیے۔ ؎

نکلنا خلد سے آدم کا سنتے آئے تھے لیکن　　　بہت بے آبرو ہو کر ترے کوچہ سے ہم نکلے

لہٰذا جو ہاتھ یداللہ کے ہاتھ میں ہوگا وہ تو دست قدرت میں پہونچیگا۔ لیکن جو ہاتھ دربارے دھتکارے
ہوؤں کے ہاتھ میں ہو اس کا ید قدرت سے ملنا مشکل۔ بقول سعدیؒ

ترسم نہ رسی بکعبہ اے اعرابی　　　کایں رہ کہ تو می روی بترکستان ست

حکم الٰہی سے مخالفت اور پھر اس سے ملاقات کی توقع اور انعامات کے حصول کی امید۔ بھلا
"کانٹے بوئے ببول کے انبہ کہاں سے ہوں"۔ ؛ "یہ موتہ اور گرما گرم حلوا"۔
کہنے والے کہہ سکتے ہیں اور اب بھی کہتے ہیں"۔ وہ رسول کیسا تھا جس کی صحبت کا اثر دوسروں پر نہ پڑا
جس کی تعلیم آئینہ دل کو اغیار تو اغیار ہی ہیں ان کو رہنے دیجئے۔ احباب کو درست نہ کرسکی۔ یا تو یہ تعلیم

اعتراض بجا سوال بجا۔ مگر شرط یہ ہے کہ تحقیق مدنظر ہو کہ مخالفت۔ عدل و توازن کا ارادہ ہو نہ کہ مغالطہ دہی اور ابلہ فریبی کا۔

رسول عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تبلیغی عمر ۲۳ سال سے زیادہ نہ تھی۔ اس کے ساتھ ہی حضرت نوح علیہ السلام کا زمانہ تبلیغ تقریباً ۹۰۰ سال۔ ذرا تقابل تو کیجیے پہلے ۹۵۰ سال کی محنت سے کل اسّی نفوس نکلے اور پھر ان میں سے بھی کم ہو گئے۔ کیا تعلیم نوح علیہ السلام ناقص تھی۔ لا واللہ ہرگز نہیں۔ ناقص کبھی کامل کا خلیفہ۔ نائب یا رسول نہیں ہو سکتا۔ قدرت کامل۔ اسکا علم کامل۔ اس کی تعلیم کامل۔ پھر وہ ادھورے معلّم کیوں رکھے۔ کیا اس میں قدرت نہیں کہ کامل معلّم پیدا کرے۔ یا بنائے نہیں سے ظاہر ہوتا ہے کہ کامل کا نائب وہ ہوگا جس میں اپنے منیب کی جھلک نظر آئے۔ نہ کہ وہ جو اس کے بالکل برعکس ہو محض نام رکھدینے سے صفات پیدا نہیں ہو سکتیں۔ زنگی کو عمر بھر کافور کہتے رہئے۔ زنگی ہی رہے گا۔ کافور نہیں بنجائیگا۔ کیونکہ اس کا مادّہ قابلہ تاریک ہے۔ سفید نہیں ہو سکتا قلعی کی چمک ظاہری ہوتی ہے۔ اس سے اصلیت نہیں بدلجاتی۔ نہ قلعی شدہ شے ظاہری مشابہت کے باعث سونے چاندی کی کہلاتے گی قلعی اُتری اور اصلیت ظاہر ہوئی اسی طرح فیض صحبت کے اثر سے فسادی کچھ عرصہ کے لیے صالح نظر آتا ہے۔ لیکن صحبت کا فیض بند ہوا۔ اور یہ اثر بھی جاتا رہا مقناطیس کا اثر لوہے پر بھی، اور فولاد پر بھی یکساں ہے مگر فولاد اس اثر کو قبول کرنے کے بعد کسی قوی خارجی اثر کے بغیر اس (اثر) کو نہیں چھوڑتا۔ اور لوہا پناہ بخدا۔ اثر قبول کرنے کے بعد جب تک مؤثر موجود ہے۔ اصل مقناطیس سے بھی زیادہ تر اثر دکھلاتا ہے۔ ظاہری اثر سے اسکو حقیقی مقناطیس اور فولادی مقناطیس پر فوقیت حاصل ہوتی ہے لیکن ادھر مؤثر غائب ہوا۔ ادھر یہ جیسا پہلے تھا وہی لوہے کا ٹکڑا رہگیا۔ نہ کشش کی طاقت ہے نہ وصل کی۔ جو ذرّے اسکو مقناطیس سمجھکر اس سے آملے۔ ان کو بھی پست ہونا اور اوج ہوا سے فرش خاک پر گرنا پڑا بعینہٖ یہی حال روحانی دنیا میں بھی موجود ہے۔ رسول مقناطیس روحانی ہے اس کی تعلیم بدرجہ اثر مقناطیس۔ اثر قبول کرنیوالے کچھ راسخ العقیدہ ہوتے ہیں اور کچھ فاسد العقاید جب تک رسول موجود ہے۔ یہ آخری گروہ اپنا عیب پوشیدہ رکھنے کی غرض سے اظہار اطاعت و انقیاد میں راسخ العقاید والا یمان لوگوں پر سبقت لیجاتا ہوا معلوم ہوتا ہے۔ زبانی عہد و پیمان القاب و آداب میں سب سے آگے مگر بعد نبی اور مخالف اثر سے اصلی تعلیم کو بچانے میں سب کے پیچھے۔ کیونکہ میدان عمل میں مؤثر کے اثر سے علیحدہ ہو کر اپنی بدلی ہوئی طینت کا اثر دکھلانا پڑتا ہے جسکو استقامت یا ایمان کہنا بیجا نہ ہوگا۔ اسی ظاہر داری کے معیار سے خداوند عالم نے ان کی شناخت قائم کی ولتعرفنھم فی لحن القول (تو ان کے انداز گفتگو سے ضرور ان کو پہچان لیگا) یعنی تھوتھا چنا باجے گھنا ہے ڈھول کی پول کھولدی۔

راسخ العقیدہ کو اس کی ضرورت نہیں کہ رسول حاضر ہے یا غائب۔ اس کا جانشین نظر دل کے سامنے

مگر نہیں۔ بلکہ الفاظ و بیان حقؔ و صداقت کے محتاج ہیں۔ اگر بیان میں صداقت نہیں۔ کتنا ہی فصیح کیوں نہ
ہو۔ عدالت میں گر جاتا ہے۔ قابل قبول نہیں ہوتا۔

ایک اور مثال سے اس معاملہ کو سمجھئے۔ زمین زمین ہی کہلائے گی۔ خواہ بنجر ہو۔ ریگستان ہو۔ پتھریلی ہو
زراعتی ہو۔ یا آبادی کی۔ ابر رحمت گھر کر آتا ہے۔ وہ یہ نہیں دیکھتا کہ زمین کیسی ہے بنجر زمین پر بھی اوسی طرح
برستا ہے۔ جیسا کہ زراعتی زمین پر۔ ریتلی زمین پر یا پتھریلی زمین پر۔ لیکن زراعتی زمین اس آب رحمت سے
سیراب ہو کر راز قدرت کے جلوے نمایاں کرتی ہے۔ ایک تختہ سبزہ زار ہوتا ہے جس کی نازک پتیاں زبانِ
حال سے شکر منعم ادا کرتی ہیں۔ پتھریلی زمین میں جو قطرہ پتھر پر گرا بیکار گیا۔ اچھی جگہ گرا شان قدرت دکھا کر
رہا۔ اگرچہ حوادثات کی ہوا نے اسکو پھولنے پھلنے کا موقع نہ دیا لیکن وہ قطرہ جو ریگستان و بنجر زمین میں گیا۔
اظہار قدرت قادر کرنے میں عاجز رہا۔ کیونکہ مادۂ قابلہ اس قطرہ کے اثرات کو قبول کرنیکے لئے اس زمین میں موجود
نہیں۔ زیادہ سے زیادہ یہی ہوگا کہ خاردار جھاڑیاں اونٹ کٹارے اور ببول کے درخت نکلیں۔ گل و
ریاحین، اثمار و فواکہ کی اس زمین سے توقع نہیں ہوتی۔

اسی طرح ابر رسالت برسا۔ خوب جھکر برسا۔ گھر گھر کر برسا۔ فائدہ ان ہی نفوس کو پہونچا جو مادّہ
قابلہ رکھتے تھے۔ جو اس سے سیراب ہونے کے خواہشمند تھے۔ ابر رسالت کے قطرات تعلیم کے پیاسے تھے۔
انھوں نے تعلیم پاکر عمل کے میدان میں رسول کی تعلیم کی حقیقت کالشمس فی نصف النہار ثابت کر دکھائی
اپنی عملی تعلیم کے ذریعہ سے دوسروں کو تعلیم رسول سے فیض حاصل کرنیکا سبق دیگئے۔ دنیا کو اپنا گرویدہ بنا گئے
قلت اعداد میں اپنی کثرت کے ثبوت دیگئے۔ اپنی ظاہری فنا سے ابدی بقا کے خلعت حاصل کئے۔ خراج
شکر و تحسین کے نذرانے ان کی بارگاہ کی زیبائش قرار پائے۔ اپنی ہستی مٹا کر تعلیم رسول کا بیج زمین قلوب
میں کاشت کیا۔ اپنے خون سے سینچا۔ شجر اسلام اُگا۔ وحدانیت و حقانیت کا باغ ہرا بھرا ہوا۔ معرفت
کے پھول کھلے۔ اور اپنی مہک سے بہتوں کو متوالہ و شیفتہ بنا گئے۔ اب بھی بنا رہے ہیں اور آئندہ بھی بنائینگے
اے سعادتمندو! تمہاری سعی مشکور، تمہارا ذکر بلند، تمہاری ہستیاں مقدس، اور تمہارے کارنامے چراغ
ہدایت۔ اے کربلا والو! تم اپنی آنکھ سے اپنی طاقت اور کثرت دیکھو۔ اپنے سبق کو تم نے حصول تعلیم رسول
کا مقدمہ بنا کر اپنی ارواح کو روح رسول سے وصل کر دیا فسلام اللہ و برکاتہ و رحمتہ علیکم من یومنا
هذا الی یوم الدین۔

ابر رسالت بخیل نہ تھا کہ زراعت پر برستا اور دوسروں کو ترساتا۔ اپنی اپنی کوشش ہے جس نے
جو مانگا ملا۔ دنیا مانگی۔ دنیا ملی۔ دین کی خواہش اور عقبیٰ کی طلب ہوئی وہ مل گئے۔ اور جس نے نہ دنیا کیطرف

دتمنا تھی۔ اس کو وہ عطا ہوئی۔ پھر جو کوئی بھی رضائے قدرت کا مالک ہو۔ وہی مرتضیٰ ہے۔ اس کی طرف راہ نما ہے۔ رازدار قدرت ہے بادشاہ ہے کسی دوسرے مخلوق کا محتاج نہیں بلکہ خود وسیلۂ تقرب خدا ہے۔ رسول مرتضیٰ ہو تو خلافت رسول ارتضیٰ سے خالی نہیں رہ سکتی۔ کیونکہ منیب کے اوصاف کی جھلک نائب میں دکھلائی دینی ضروری ہے۔ ورنہ صادق و کاذب میں تمیز نہ ہوگی۔

یہ تھی تعلیم رسول عربؐ جو سرتاج انبیائے سلف تھے کہ اس کی تعلیم نے ایسے ایسے عارف پیدا کردئے۔ جو انبیائے سلف کی تعلیم سے ظاہر نہ ہوئے۔ آدم علیہ السلام سے لیکر عیسے علیہ السلام تک اس معیار پر ان کے تابعین کو پرکھئے تو معلوم ہوگا کہ سوائے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اور کوئی نبی یا رسول ایسا نہیں ہوا جس کی تعلیم نے اسقدر اثر دکھایا ہو۔ حضرت عیسے علیہ السلام کا شاگرد رشید تین مرتبہ ان حضرت کے شاگرد اور پیرو ہونے کا انکار کر جاتا ہے۔ آدم و نوح علیہما السلام کے پسر اُن کی مخالفت پر تُل جاتے ہیں۔ موسیٰ علیہ السلام صرف ایک نفس ایسا حاضر کرسکے جو حکم الہی سے دریا میں گرنے کو تیار آگ میں جلنے کو موجود۔ دشمنان الہی سے جنگ کرنے کے لئے مستعد لیکن نبی اسلام علیہ وآلہ الاف التحیۃ والسلام کی تعلیم نے بچے بوڑھے جوان شیر خوار مرد و عورت میں ایسی روح پھونکدی کہ ہزارے جوان کے مقابلہ سے خوف ہے نہ لاکھوں تلواروں سے نہ پیاس کا صدمہ ہے نہ ہلاکت کا رنج۔ فکر ہے تو یہی کہ صداقت اسلام میں فرق نہ آئے۔ جان جائے لیکن تعلیم نبی زندہ رہے اپنے اوپر مصیبت کے پہاڑ ٹوٹ پڑیں اسلام بال بال بچ جائے اسپر آنچ نہ آئے۔

ببیں تفاوت رہ از کجا است تابکجا

زبانی دعوے کرنا آسان ہے اور اس وعدہ کو نبھانا مشکل۔ اور پھر دوسرے کے وعدہ کو نبھانا اور بھی مشکل تر۔ نبی اسلام کی صداقت پر اس سے زیادہ اور کیا شہادت ہوسکتی ہے جو کربلا میں پیش ہوئی۔ جس کی مثال و نظیر دنیا پیش نہیں کرسکتی۔

احباب رسول یا اصحاب رسول کہلانا بڑی بات نہیں لیکن اپنے افعال سے مُحِب رسول یا صحاب رسول ثابت کردکھانا مشکل ہے حضرت یوسف علیہ السلام عرصہ تک زندان مصر میں مقید رہے۔ آپ اس زندان میں تنہا نہ تھے۔ بلکہ اور لوگ بھی مقید تھے۔ ان کو آنحضرت علیہ السلام کا ساتھی ماننا پڑتا ہے قرآنی شہادت موجود ہے یا صاحبی السجن ءارباب متفرقون خیر ام اللہ الواحد القھار۔ اے میری قید کے ساتھیو کیا مختلف رب بہتر ہیں یا اللہ واحد قہار۔ کیا یہ قیدی اصحاب یوسف علیہ السلام ہونے کی وجہ سے مقدس نفوس بن گئے۔ ہرگز نہیں پھر اصحاب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم میں بھی تو مومن و منافق سب طرح کے افراد شامل تھے۔ کیا سب کو مقدس کہنا جائز ہے۔ اگر سب کو مقدس سمجھیے تو مخالفت خدا لازم آتی ہے۔ جو اصحاب رسول میں سے بعض کو منافق کہتا ہے۔ اذا جاءک المنافقون قالوا نشھد انک لرسول اللہ

والله یعلم انک لرسولہ ط والله یشھد ان المنٰفقین لکذبون ٥ جب منافق تیرے پاس آتے ہیں
تو (زبان سے) کہتے ہیں۔ تو البتہ اللہ کا رسول ہے۔ اور خدا جانتا ہے کہ تو اس کا رسول ہے۔ اور خدا اس
امر کی گواہی دیتا ہے۔ کہ منافق لوگ (اپنے اقرار رسالت میں) جھوٹے ہیں۔ لہٰذا رسول کے پاس آمد و رفت
رکھنے والوں میں منافقوں کا موجود ہونا بنص قرآن ثابت ہو گیا۔ ان آمد و رفت رکھنے والوں کو اصحاب
کہئے گا یا نہیں؟

اس بیان سے یہ امر بایۂ ثبوت کو پہونچا کہ تعلیم رسول کا کمال زیادہ لوگوں کو مسلمان بنانے میں
نہیں تھا بلکہ ایسے فرد پیدا کر لینے میں تھا جن کا مثل و نظیر ابتدائے بشریت سے لیکر انتہائے زمانہ تک اگر
لیکر تلاش کرنے سے بھی دستیاب نہیں ہوتا۔ ایسے ہی نفوس کی دیکھا دیکھی سے بہت اشخاص شامل اسلام
ہو گئے۔ کچھ تفحص حالات کی غرض سے۔ کچھ تحقیقات کرنے کے لئے اور بعض محض فساد و شر کی نیت سے،
زراعت اسلام کو برباد کرنے کی غرض سے جماعت میں شامل ہو کر دلوں کو پراگندہ کرنے کی خاطر۔ یہ
آخری گروہ سخت ترین دشمنان اسلام ہے اس لئے خداوند عالم نے اس کی علامت شناخت "طرز گفتگو"
قرار دیا۔ اور "منافق" کا خطاب دیکر صحابیت کے فخر کے دہوئیں اڑا دیئے۔ ان کے کفر کا الزام رسول
کے ذمہ نہیں۔ رسول کا کام تو تبلیغ احکام ہے۔ کسی کو مسلمان کرنا اسپر فرض نہیں اس لئے صاف لفظوں میں
فرما دیا۔ وما علے رسولنا الا البلاغ۔ رسول کا کام تو صرف تبلیغ احکام ہے کوئی مانے یا نہ مانے۔ لست
علیهم بمصیطر تو اے رسول ان پر داروغہ نہیں

خیر آمدم برسر مطلب طوفان کی آمد کیوقت عمر سام بن نوح علیہا السلام سو سال تہی انکے بیٹے ارفکسد سو شالخ ہو گئے۔ اور شالخ سے عبر۔
نسّاب شالخ کو صالح اور عبر کو ہود کہتے ہیں۔ حضرت صالح علیہ السلام قوم ثمود پر اور ہود علیہ السلام
قوم عاد کے لئے مبعوث ہوئے۔ قوم ثمود فن سنگ تراشی میں ید طولیٰ رکھتی تہی۔ پہاڑ کے اندر کھود
کھود کر شہر بسائے ہوئے تھے۔ ایسے ایسے صنّاع کہ ان کی بنائی ہوئی پتھر کی مورتیں آجتک
اصلی اور زندہ نظر آتی ہیں۔ ملک دکن میں گولکنڈہ کے قریب ایلینٹا غار کے اندر اس گذشتہ صنعت کی
مثالیں موجود ہیں۔ ملک سوڈان کے جنوب میں جو قلعہ سمندر کے قریب ہے اس میں بھی اسی طرح پہاڑ کاٹ
کر چٹانوں کے اندر وسیع محل اور دیگر عمارتیں موجود بتلائی جاتی ہیں۔ یہ سب عمارتیں زمین دوز ہیں۔
اس سے خیال پیدا ہوتا ہے کہ یہ قوم جنوبی افریقہ میں بود و باش رکھتی تھی۔ حفاظت کے لئے اس قسم کے زمین
دوز مکانات بنائے تاکہ بیخبری میں غنیم چھاپہ نہ مار سکے۔
افریقی ثمودی قبیلہ کا قصہ اس قسم کے ایک قبرستان کے کتبہ سے بیان کیا گیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے،
کہ یہ قوم اپنے گھروں میں بڑے عیش میں بسر کر رہی تھی کہ اچانک ایک دن آسمان پر ابر محیط دکھلائی پڑا

کا بازار گرم کر دیا۔ مُردوں کو اگلے ٹھکانے لگانیوالا بھی کوئی نہ بچا۔ ان واقعات کو قلمبند کرنیوالا خود موت کا منتظر تھا۔

قرآنی بیان کے مطابق یہ قوم صیحہ سے ہلاک ہوئی جس کا ثبوت کوہ وسیویس واقعہ اٹلی سے بہم پہونچتا ہے۔ اگرچہ تاریخی اعتبار سے اس قوم کے وجود کا پتہ لگانا مشکل ہے جس کا وجود آناً فاناً صفحۂ ہستی سے کٹ جائے گمان غالب ہے کہ ثمود سائمُد کی اولاد ہوگی جس کے نام سے سامد ریکھا زمانہ حال میں مشہور چلا آتا ہے۔ سائمُد اغلباً سُمدرا کا نام ہے۔ جو برہما کی نسل میں (بلکہ اس کا پسر) تھا۔ سُمدرا کی نسل جراسندھ کہلاتی ہے۔ سندہ سمندر کو کہتے ہیں اور سُمدرا بھی سمندر ہے۔ پس تاریخی اعتبار سے یہ قوم حام بن نوح علیہ السلام کے بیٹے کی آماجگاہ قرار پائی۔

سائمد نے بھی علم غیب جاننے کا دعویٰ کیا۔ نہ صرف اس کی نسل' بلکہ ان کے تابعین بھی اسی دعوے کی بنا پر ہستی عالم الغیوب یا نبوت نوح علیہ السلام سے منکر ہوئے۔ علاوہ ازیں سندہ ریگستانی علاقہ ہے پانی کی قلت ہونا ممکن ہے اونٹنی کا معجزہ طلب کرنا اس خیال کا مویّد نظر آتا ہے کہ ثمود سائمد یا سندہ کی اولاد ہے۔ جو عراق عرب سندہ افریقہ میں بستی تھی۔ علامت الٰہی کے مٹانے کی پاداش میں ہلاک ہوئی۔

حضرت ہود علیہ السلام قوم عاد پر مبعوث ہوئے۔ یہ لوگ بڑے قد آور، طاقتور اور زبردست تھے اس قوم کی دو شاخیں تھیں ایک یمن افریقہ وہند وغیرہ میں حکمراں تھی۔ دوسری ایران افغانستان بلوچستان سیستان وغیرہ میں۔ پہلی عاد اولیٰ۔ یا عادِ ذاتَ ارمِ کہلاتی ہے۔ ان کا حاکم شدّاد تھا جس نے دعویٰ خدائی کیا۔ حضرت ہود علیہ السلام اس قوم کی ہدایت پر مامور تھے۔ (شدّاد نے ایک باغ نمونۂ فردوس بنوایا) نصیحت ہوا کی۔ قوم نہ مانی۔ آخر آندھی آئی۔ اور ان سب کو ساحل فنا پر پہونچا گئی۔

قرآنی شہادت اس تاریخی واقعہ کو ان الفاظ میں ادا کرتی ہے۔ الم تر کیف فعل ربک بعاد ارم ذات العماد التی لم یخلق مثلہا فی البلاد۔ کیا تو ارامی عاد (باغوں والی قوم عاد) کیطرف غور نہیں کرتا۔ جو بڑے بڑے جثّہ والے تھے۔ یہ ایسی قوم تھی جن کا نظیر و مثیل تمام زمین پر پھر پیدا نہیں کیا گیا۔ فصب علیہم ربک سوط عذاب۔ ان ربك لبالمرصاد۔ انھوں نے جب نافرمانی داعی الی الحق (ہود) کی تو تازیانہ عذاب ان پر گرا۔ کیونکہ تیرا رب رب الافواج و مسبب الاسباب ہے۔ پیل دمان کو چیونٹی کے ذریعہ مار ڈالتا ہے۔ وہ کمزور سے کمزور مخلوق کو زیادہ سے زیادہ طاقتور کے مقابلہ میں کھڑا کر دیتا ہے۔ اور اس کمزور کو غلبہ دیتا ہے۔ چنانچہ اسی قوم عاد کا یہ حال ہوا کہ کانھم اعجاز نخل خاویہ۔ وہ درخت کی ٹوٹی ہوئی شاخ کیطرح لڑھکتے پھرتے تھے کہیں قدم نہ جمتے تھے۔ بڑے بڑے کڑیل جوان اور تنومند پہلوان ٹھینیاں کھاتے جاتے تھے۔ ان کی قومیت جاتی رہی۔ ان کی طاقت ٹوٹ گئی۔ ان کی شان و شوکت قصّۂ

لکم ولکن لا تحبون الناصحین - ہود علیہ السلام ان کی جانب سے واپس ہوئے ان سے کہا اے میری قوم میں نے تمکو پہلے ہی نصیحت کردی تھی۔ مگر تم (ایسے بد دماغ اور بد سرشت ہو) کہ نصیحت کرنیوالے سے محبت نہیں کرتے ہو۔ (بلکہ اس کے دشمن جان ہو جاتے ہو) آخر اپنی کرتوت سے یہ دن دیکھے۔

اقوام عالم کی ابتدائی نسلوں کا معلوم کرنا مشکل ہے جب تک کہ ہر ایک قوم اپنا شجرۂ نسب پیش نکری اگر یہ شجرۂ انساب میسر ہوں تو پھر آسانی سے ناموں کی شناخت ہو جانا اور اس نسل کی شاخ کا وہ زمانہ جس میں وہ اصل شجرۂ نسب سے علیحدہ ہوئی معلوم ہونا ممکن ہے۔ ابتدائی زمانہ کے اکثر نام ایسے پائی جاتے ہیں جو دراصل محض تلفظ کا رد و بدل ہوتے ہیں۔ ذیل کے چند نام عربی و ہندی شجرۂ انساب سے مثال کے طور پر پیش ہوتے ہیں۔

عربی نام	ہندی نام	عربی نام	ہندی نام
کیومرث (کے اومرث)	مریچ	لغاظ	نہش
یادن (یو عوان)	الیو- یادونا	سندھ	سمدرا
ہند	انڈو	بنو عاد	الوہاد
ود	بدھ	عناق- (عوبن قا)	ناگ ناگا

اسی طرح لفظ کایستھ بھی "کے" (خا) اور "شیث" سے مرکب معلوم ہوتا ہے۔ اہل ہند اپنے خیال میں ان کو مخلوط النسل سمجھتے ہیں اغلباً یہ نسل قابیل اور شیث کی نسل کی میل جول سے بنی۔ اور کایستھ کہلائی۔

افریقہ کے ملک سوڈان کو ایتھیوپیا کہتے ہیں جس سے مراد ایتھیپ کا ملک ہے۔ ایتھیپ یونانی زبان کا لفظ ہے جو سنسکرت کی ایک شاخ ہے۔ ایتھیپ اور ایت یپ ایک ہی لفظ ہیں۔ ایت کے معنی آفتاب اور یپ کے معنی ورد کرنیوالا۔ اس مرکب لفظ سے مراد آفتاب پرست ہوئی۔

یونانی نوشتوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس پہلے شخص کا نام جس نے آفتاب پرستی کی بنیاد ڈالی ایتھیپ تھا۔ عربی تاریخ سے اس شخص کا نام حام ظاہر ہوتا ہے۔ لہذا حام اور ایتھیپ ایک ہی وجود قرار پائے۔ (دو بابل پادری ہسلپ)

خیر عبر کی عمر جو تیس سال ہوئی تو فلج کی پیدائش ہوئی۔ فلج سے رعو پیدا ہوئے۔

نساب و مؤرخ رعو بن فلج کو بادشاہ تسلیم کرتے ہیں۔ نہ صرف رعو کو بلکہ فلج (خضر) کو بھی بادشاہ کا پسر بتلاتے ہیں فلج کو دنیا کی طرف التفات نہ تھی سلطنت سے کنارہ کشی اختیار کی اس لئے آپ کا اکلوتا پسر اپنے دادا کا قائمقام ہوا۔ اور حفاظت دین کیساتھ ساتھ حفاظت خلق کے فرائض بھی ادا کرتا تھا۔

اس تاریخی ہستی کا مقام سلطنت معلوم کرنے سے پیشتر یہ ظاہر کرنا بھی ضروری ہے۔ کہ اولاد سام بن نوح

خلقت کو اس جھوٹی تعلیم کی متابعت سے بچائیں جو حام اور اس کی اولاد نے چاروں طرف پھیلا رکھی تھی
موجودہ زمانہ کی وہ قومیں جو راؤ کہلاتی ہیں۔ اسی رعو کے پسر سروج کی اولاد معلوم ہوتی ہیں۔
سروج عبرانی طرز تحریر ہے جس میں "یا" کو "جیم" سے بدل دیا جاتا ہے۔ عربی طریقہ تحریر کے مطابق اسکو سروے پڑھا جائیگا۔ "ساروعوے" یا پسر رعو" اصلی نام نہیں بلکہ عرفی نام ہے جو مشہور ہو گیا۔ یہ ظاہر ہے کہ یہ بادشاہ جو شریعت نوح علیہ السلام کا داعی تھا۔ علوم میں طاق ہوگا۔ اس نے جان کے دشمنوں اور شریعت کے مخالفوں کے درمیان عمر بسر کرنا تھی وہ شجاع و دلیر و عالم ضرور ہوگا۔

تاریخ عالم پر نظر ڈالنے سے صرف ایک نام ایسا نظر آتا ہے جس میں یہ کل صفات موجود ہیں "راون" کا نام تاریخ ہند میں شہرت رکھتا ہے۔ اسمیں کل صفات محمودہ کا جمع ہونا بیان کیا جاتا ہے۔ اس کا علم مسلّم اس کی شجاعت کے افسانے رائج اس کے نظم ونسق سلطنت و ہر دلعزیزی کے قصے مشہور۔

راون یا رعوٗ ایسا عالم ہو کر اس عجیب و غریب قصہ کا موجب نہیں ہو سکتا تھا۔ جو اس کی نسبت مشہور ہے یہ سب مخالفین کی گل افشانیاں ہیں۔ ورنہ دراصل بنائے فساد وہی تبلیغ مذہب تھی۔ جس کے لئے اس کی زندگی وقف تھی

یہ قصہ اگرچہ اس مضمون سے تعلق نہیں رکھتا لیکن تشخیص و تعیین بنائے فساد میں مدد ضرور دیتا ہے۔ قصہ فساد اس طرح بیان ہوا ہے۔ "روپ نکھا" "راون کی بہن" "لچھمن جی برادر رامچندر جی" سے شادی کرنا چاہتی ہے۔ اپنے مقام سکونت سے نکلکر ارولی پربت پر پہونچتی ہے۔ خود درخواست کرتی ہے۔ اور اس کے جواب میں لچھمن جی اس کا ناک کاٹ ڈالتے ہیں۔ یہ حال راون دیکھتا ہے تو سیتا جی کو زبردستی لے بھاگتا ہے۔ اور آخر جنگ عظیم برپا ہوتی ہے جس میں دکن کے وہ حکمران جو راون کے عُمّال مقرر کرنے کیوجہ سے صحرانشین ہو گئے تھے۔ اور انکی رعایا جو جبراً دین قدیم سے اس مذہب راون کی ترویج کے باعث دست بردار ہوتی تھی اپنے آبائی مذہب کی حمایت اور بادشاہوں کی ..... امداد میں اٹھ کھڑی ہوتی ہے۔ راون کے مقرر کردہ عمّال و گورنر معطّل و منکوب کئے جاتے ہیں۔ اور اس گروہ کی امداد پر جس کا جرنیل ہنومان جی کی شخصیت ہے لنکا پر حملہ ہوتا ہے۔ آخر ملک فتح ہوجاتا ہے۔ فاتح مظفر و منصور خوشی کے نقارے بجاتے شاہی قیدیوں کو ہمراہ لئے مراجعت کرتے ہیں

اس سے ہمیں کوئی بحث نہیں کون فاتح ہوا اور کون مفتوح۔ کس نے غلبہ پایا اور کسکو مغلوب ہونا پڑا صرف بنائے فساد کی تشخیص ہمارا مدعا اور اس جنگ کی وجہ کی تعیین ہماری غرض ہے۔

"روپ نکھا" ایک عورت ہے اور لچھمن جی مرد محض معمولی سی بات پر اس کی ناک اڑا دینا ان کی شان شجاعت کے خلاف ہے۔ بہادر تو عورتوں اور کمزور و ناتوانوں پر ہتھیار اٹھاتے ہی نہیں۔ ناممکن ہے کہ اس دنیا

کی ان سے کئی آیا تو وہ بہادر ہی ہوتے۔ جو مرد رنے آیا ہی عورت ہے۔ اور پھر ایک ایسے شخص سے
جو جنگ کے لئے نہیں بلکہ سائل بنکر دروازے پر آیا ہو یہ سلوک کرے۔ مخالف قومیں اپنے دشمنوں کی یاد
کو مطعون کرتی ہیں۔ ان کے عیوب و نقائص بیان کرتی ہیں۔ لیکن ایسا طعن جس میں خود اپنی فضیحت و رسوائی
کیساتھ ساتھ دوسرے کی ذلّت مدنظر ہو۔ بیوقوفی ہی کہلائے گی۔ لہذا اصل بنائے فساد "روپ نکھا" کا عشق یا
"لچھمن جی" کا ظلم محض بناوٹی اور شاعرانہ تخیل ہے جس نے اس قصہ کو دلچسپ بنانے کے لئے نہ صرف حسن و عشق کی
کے کیرکٹر شامل کئے بلکہ اپنی خیالی وسعت کی بدولت "ہنومان جی کو جو فنون جنگ میں ماہر عقل و ہنر کے
زیور سے آراستہ تھے وحشی "بندر" بنا دیا۔ شاعر کا منشا، صرف ناظرین قصّے کی دلچسپی تھی جب تک ایسے عجائبات
پیدا نہ کرے اس کو کامیابی ممکن نہ تھی۔ مذہبی جنگ کا رنگ دکھلاتا تو اس کی کامیابی ناممکن تھی۔ اور شہرت
بازار عدم کی سیر کرتی ہوتی۔

دوسری جانب راون کی شجاعت کے یہ افسانے کہ روئیں کھڑے ہوتے ہیں جسطرف نکل جاتا ہے
پرے کے پرے صاف کرتا ہوا چلا جاتا ہے۔ یا یہ قصّہ کہ چوروں کی طرح آتا ہے فریب دیتا ہے۔ اور زبردستی
سیتا جی کو اوٹھا لیجاتا ہے۔ اثنائے راہ میں یہ بھی نہیں دیکھتا کہ اس کا شکار کیا گل کاریاں کرتا جاتا ہے جس
سے اس کی چوری یا سرزوری کا پتہ لگ جائیگا۔ ایک زبردست عالم باعمل اور ایسی حرکت کہ پرائی استری
پر ہاتھ ڈالے۔ اگر ایسا ہوتا تو سیتا جی کا دامن عصمت ضرور پھٹ جاتا۔ بادشاہ جابر، صاحب اختیار،
خواہش نفسانی کا مغلوب۔ ادھر سیتا جی حسین جوان۔ بے کس و بے یار۔ اور پھر قبضہ ظالم میں گرفتار۔ اسکے
گھر میں اس کے محل میں، بلکہ اس کے عشرتکدہ میں۔ اگر وہ ایسا ہوتا کہ پرائی عورت پر ہاتھ رکھتا تو اس کے
لئے کوئی روک ٹوک نہ تھی۔ دامن تمنّا گل آرزو سے بھر چکا ہوتا جسکو جبرًا دوسری حد سے اوٹھا لایا۔ اس سے
جبرًا اپنی خواہش پوری کر لینا بعید نہیں ہو سکتا۔ اس کا ایسا نہ کرنا اس کے ظلم کے افسانوں کی قلعی کھولتا ہے۔
اور اس واقعہ کی تحقیق کیطرف متوجہ کرتا ہے جس کے باعث راون سیتا کو لے گیا یا لچھمن جی نے اپنی بہادری
کا ثبوت دیا۔

راون عالم تھا، علم دوست تھا۔ اس کے داعی ہر طرف ہدایت کے وعظ سناتے پھرتے تھے دکن
میں ان وعظوں کیوجہ سے اس کی تقلید و اطاعت کرنیوالے کھڑے ہو گئے۔ حکومت نے دبانا چاہا لیکن
راون کی امداد نے حکومت کا عصا توڑ ڈالا۔ صاحبان تخت صحرا نشین ہوئے۔ اور راون کے طرفدار تخت
پر قابض ہو گئے۔ سگریو وغیرہ ایسے ہی راجہ تھے۔ جو راون کیوجہ سے جنگل میں مارے مارے پھرتے تھے۔
ہم یہ کہہ چکے ہیں کہ راون کے داعی اپنے مذہب کا وعظ ہر چہار طرف سناتے پھرتے تھے۔ عورتوں
میں عورتیں ... اور لکشمن جی کے سوا اور تیسرا وجود نہیں۔ روپ نکھا

اور منہ دکھلانے کے قابل نہیں رہتی علمی بازی میں مات کھا کر راون سے امداد کی طالب ہوتی ہے۔ تاکہ
حق ظاہر وغالب ہو۔ لکشمن جی عالم تھے۔ دوسری دکن کی اقوام کے مانند نہ تھے کہ اس عورت سے
لاجواب ہوجاتے۔ راون روپ نکھا کے ہمراہ خود آتا ہے اور مباحثہ میں غالب ہوتا ہے۔ لکشمن جی
رامچندر جی کی تلاش میں نکلتے ہیں۔ تاکہ راون کا جواب دیں۔ روپ نکھا نے ممکن ہے ان کو اسطرف کا پتہ
دیا جدہر ان کو تلاش شکار میں دیکھا ہو۔ ممکن ہے راہ دکھلانے کے لئے کچھ دور تک خود بھی ہمراہ گئی ہو لیکن
شکاری کی تلاش آسان نہیں۔ ایک عرصہ گذر گیا۔ پرائی حدود میں مخالفوں کے درمیان راون کا اس
طرح واپسی کا منتظر رہنا خطرناک تھا۔ اگر اس کی موجودگی کی خبر اس کے مخالفین کو ہوجائے اور وہ
آگھیریں تو پھر جان بچانی مشکل اس لئے واپسی بہتر سمجھی۔ حق واضح ہوچکا تھا۔ سیتا جی نے اغلب ہے حق کو
تسلیم کیا اور اس کے ہمراہ روانہ ہوئیں۔ روانگی کے وقت اپنے جانے کی جگہ کا پتہ اور اثنائے راہ میں
مختلف اشیاء وغیرہ راستہ دکھلانے کی غرض سے پھینکتی رہیں جس کے ذریعہ سے رامچندر جی ان کی تلاش
میں لنکا کیجانب روانہ ہوئے۔ اور ان راجاؤں سے ملاقات ہوئی جو حکومت سے بدر ہوکر بادیہ
نشین ہورہے تھے۔ ان سے مدد کی توقع اسی وقت ممکن تھی جبکہ ان کی مدد کیجائے اور راون کے اثر کو
لوگوں کے دلوں سے مٹا کر پہلے مذہب کو رواج دیا جائے۔ اس لئے ان دونوں بہادر راجکماروں نے
پہلے یہی کام کیا۔ نئے حکمران مارے گئے قدیم راجہ گدی پر بیٹھے۔ وعظ ہوئے۔ راون کے ظلم کی داستان
سنائی گئی۔ لوگوں کو اس کی طرف سے متنفر اور مظلوم کی امداد پر برانگیختہ کیا۔ اسطرح پر لشکر فراہم کرکے
لنکا پر چڑہائی ہوئی۔ گھر کا بھیدی لنکا ڈہائے۔ ہنومان جی ایک عالم فاضل اور بہادر سورما تھے۔ ان
کو معلوم تھا سیتا جی کس محل میں راون نے مقیم کیا ہے۔ رامچندر جی کے اس دردناک قصہ نے ان کو اپنا
طرفدار بنالیا۔ اور وہ خود ہی سفیر بنکر راون کے دربار میں گئے۔ اس فرضی قصہ سے تمام رعیت کو راون کی
خلاف بھڑکا دیا۔ ہر طرف مخالفت کی آگ بھڑک اوٹھی۔ دربار کی سفارت کی نوبت آئی۔ تو علم کے سامنے
سوائے ہٹ دھرمی کے اور کیا بن سکتا تھا۔ آخر مذہبی رنگ نے جہادی صورت اختیار کرلی۔ لیکن گھر
کی مخالفت اپنا رنگ دکھاتی ہے نتیجہ "شکست" ہونا تھا۔ ظاہر ہوا۔ جو ساتھ رہے وہ کھیت رہے۔ جو
دشمنوں سے مل گئے۔ وہ بچ گئے۔ اس طرح پر اس مبلغ ہدایت کو دنیا سے سفر کرنا پڑا۔ اب سلسلۂ ہدایت
قومی" کی جگہ "نسلی اور شہری" ہدایت کا سلسلہ شروع ہوا جس کا وجود آیندہ سلاطین کے کارناموں سے
ظاہر ہوتا ہے

انسانی دنیا میں ہدایت کے تین دوروں کا خاتمہ ہوکر چوتھا دور شروع ہوتا ہے۔ کیونکہ پہلا
دور آدم علیہ السلام سے شروع ہوا آپ کی نسل اوسی شریعت کی تبلیغ کرتی رہی یہاں تک کہ حضرت ادریس ع

یہ سلسلہ صرف آپ کی ذریّت میں محدود ہو گیا۔ بقیہ کل نسلیں اس سلسلہ سے خارج ہو گئیں۔

مینار کے بنانیوالے نے بھی اس دور کو قائم رکھا۔ پیدائش ابراہیم علیہ السلام کو اسی دورے سنگ سیاہ سے شروع کیا اور درجۂ کمالِ نقش تک منتہی کیا۔ جو اسوقت تک حدِ ترقی تعالیٰ تھی۔

اب تیسرے دور کے نبی اور وصی کم ہونے لگے۔ دنیا کا یہی دستور چلا آتا ہے۔ نئی نسلیں پرانی نسلوں کی قائمقام ہوتی رہتی ہیں۔ اسی طرح شجرۂ نبوت میں نئے پھل کا موسم آیا۔ پہلے پھل جھڑنے شروع ہو گئے۔ شاخوں نے نئے لباس پہنے۔ نئی شاخیں اور نئی کونپلیں برآمد ہوئیں۔ پہلی جھڑ گئیں۔

توریت کیمطابق وفات نوح علیہ السلام کے وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام ۵۸ سالہ تھے اور ان کے والد ماجد اس سے آٹھ سال پیشتر انتقال فرما چکے تھے۔ تخت کیانی پر نمرود لعین کا کوس رونق افروز تھا۔ حیات نوح علیہ السلام میں سام اور ان کی اولاد کی جسقدر قدر و منزلت تھی ان کی آنکھ بند ہوتے ہی غائب ہو گئی۔ دنیا کی آنکھیں پھر گئیں۔ حکومت کے ذریں طپانچہ کی طمع نے حقیقی وارث علم الٰہی اور خلافت حق سے روگردانی کرا ڈالی۔ صرف معدودے چند ساتھی جن میں زیادہ تر اولاد کی تعداد تھی رہ گئے۔

ادہر نمرود نے میدان خالی پایا جس کا خوف تھا وہ چل بسا۔ دنیا کو حیات نوح علیہ السلام میں جو پاس و لحاظ یا خوف نہاں ان کی وفات کے بعد زائل ہو چکا تھا۔ حاکم دنیا کی جانب جھکے پڑتے تھے۔ اس کی طبیعت نے جولانی دکھائی۔ باپ دادا نے نبوّت کے دعوے کئے۔ لیکن یہ دن نہ دیکھ سکے کہ دنیا ان کے قدموں پر جھکتی پھرے بلکہ تازیانۂ عقوبت سے بھاگتے ہی رہے۔ آج وہ دن ہے کہ اپنے بیگانے قدموں پر سر جھکاتے ہیں جو کہئے کرنیکو تیار اس لئے ربوبیّت کا دعویٰ کر دیا۔ اور اپنا بُت اپنے باپ دادا کے بُت بنوا کر بتکدہ میں رکھوائے ان مورتوں کے قدموں پر ان پتھروں، اور لکڑی کے ٹکڑوں کو اشرف المخلوقات سجدہ کرنے کے لئے جھکی۔ اس لئے کہ اس اطاعت سے نمرود خوش ہوتا تھا انعام و اکرام کی توقع تھی لیکن اس شخص کی اطاعت سے جسکو خدا نے اپنے تقرّب و انعام و اکرام اُخروی کا وسیلہ قرار دیا تھا یہ سونے چاندی کے خوشگوار انعام دنیوی کہاں۔ نقد و ادھار میں زمین و آسمان کا بل۔ الغرض اگر دولت کے خزانے بھی ہوں تو خلیفہ برحق تو سب کو مساوی ہی دے گا۔ یہ رتبے، بڑی بڑی جاگیریں، ادھینے، خطابات، کیسے ملتے۔ دنیا کی مال و دولت حشم و خدم، اونٹ گھوڑے، پیدل اور رسالوں کی کمان، درباری اعزاز کہاں۔ اور فاقہ مستی کی بہشت اور اس کے انعامی وعدے کہاں۔ حاضر حاضر ہی ہے اسکو چھوڑ کر امید موہوم کے پیچھے کون پڑے۔ "غائب" کی تلاش میں "حاضر" بھی غائب ہو جائے۔ دنیا کا دستور
... اگر وصیِ نوح علیہ السلام سے روگردانی کرنیوالے اور نمرود کے قدموں پر

سر جھکانے والے برحق ہوں تو آیندہ بھی یہ طریقہ حق کہلائیگا۔ انسان کو حق حاصل ہے کہ دو چیزوں میں سے جو ایک دوسرے کے مقابل ہوں ایک کو اختیار کرے یہ کوئی نہیں چاہتا کہ اچھی چیز چھوڑ کر بُری چیز لیوے۔ لہذا جس چیز کو وہ اختیار کریگا وہ اس کی نظر میں حق ہوگی۔ اور دوسری جہت کو "ناحق" سمجھیگا۔ اپنی اپنی سمجھ ہے۔ دوسرے شخص کو یہ حق نہیں پہونچتا کہ جبرًا کسی کو اپنا ہمخیال بنائے۔ غیر حق یا ناحق سے زبردستی روگردانی کرادے۔ لا اکراہ فی الدین۔ دین (اعتقادات) میں زبردستی نہیں چلتی۔ البتہ دلائل و براہان سے حق کو واضح کرنا فرض ہے۔ اسی کو تبلیغ کہتے ہیں۔ اگر حق واضح ہونے پر بھی کوئی کذب کو صدق یا ظلم کو عدل بت پرستی کو خدا پرستی یا اجماع مخلوق کو نصّ الٰہی سمجھے۔ تو وہ جانے اس کا کام۔ ما علینا الا البلاغ۔ نہ رسول اور ان پر دار وغہ نہ اوصیاے رسول ان کے چوکیدار۔ لست علیھم بمصیطر۔ تو ان پر کوتوال مقرر نہیں ہوا کہ جبرًا اپنا ہمخیال بنائے۔ پھر ہم جبر کرنے والے کون۔

انسان کیا اور اس کے فہم و ادراک کیا۔ اس کی عقل صرف اس حد تک رہنمائی کر سکتی ہے جو اس کے محسوسات میں آئیں۔ الٰہی انتظامات کو دریافت کرنا کٹھن ہے۔ کیا ذراسی چیونٹی۔ اور کتنا بڑا قوی الجثہ ہاتھی۔ پاؤں تلے دبائے تو نشان بھی نظر نہ آئے۔ لیکن یہی بے حقیقت ہستی اس دیوزاد جثہ کو خاک کا تودہ بنا دیتی ہے۔ کیا ذرا سا مچھر بڑے بڑے شیر باز خان اس کے سامنے ناچتے ہوئے نظر آتے ہیں۔

نمرود کے لئے ربوبیّت کا دعوے آسان ہے نبھانا مشکل۔ اپنی اختراعات یا رفاہ عام کے امور کی اصلاحات کی بنا پر ایسا دعویٰ کرنا باطل ہے۔ اصلاح عقل و فہم کی ضرورت ہے۔ دو دمانِ ہدایت کا ایلچی مشعل معرفت ہاتھ میں لئے دلائل و براہین کے ساتھ غلطی پر متنبہ کرنے کے لئے آموجود ہوتا ہے۔ لیکن کلدانیوں کے خدا کہدیوں کے معبود اور بابل کے فرمانروا کے دربار تک رسائی نہیں ہوتی۔

کارخانۂ قدرت کا ایلچی سنگتراش کا شاگرد ہوتا ہے۔ آذر بتخانۂ نمرودی کا مہتمم بلکہ روح رواں تھا ایسے ایسے بت بناتا کہ حسن خود اس کی دستکاری پر فریفتہ ہو جاتا۔ اوّل استاد و شاگرد میں ہی تکرار ہوئی جس کو آذر کی دھمکی نے دبا دیا۔ لیکن یہ ایسا نشہ نہیں تھا کہ ہرن ہو جاتا۔ یہ حکیمِ ملّت منتظر وقت تھا کہ اس انسانی صنعت کو شکستہ کرے اور دربار نمرود تک پہونچے

عید میدان آپہونچی۔ سب مرد و زن بوڑھے بچے۔ باہر نکلے۔ ادھر ابراہیم علیہ السلام نے بتوں کو توڑنا شروع کیا۔ وہ صنعت انسانی کے نمونے جو کل تک اشرف المخلوقات سے خراج سجدہ لیتے تھے۔ آج ایک انسان کے ہاتھ سے پامال ہو رہے ہیں کُل بتوں کو توڑا۔ صرف بڑے بُت کو جو نمرود کا بُت تھا رہنے دیا۔ بسولا اس کے شانے پر رکھا اپنے مقام پر واپس آ منتظرِ وقت ہو بیٹھے۔

آخر شام ہوئی۔ لوگ گھروں میں واپس آئے پجاریوں کا شور و غوغا بلند ہوا شدہ شدہ ابراہیم علیہ السلام

تیری کارستانی ہے؟ جواب ملا بل فعلہ کبیرھم۔ ان کے بڑے نے کیا ہوگا۔ اگر یہ بولتے ہوں تو ان سے پوچھو
کیسی دلیل ساکت تھی۔ ایک بولنے والا انسان ایک بے حس و بے حرکت کو معبود سمجھے۔ اللہ اللہ۔ ایسا منفعل
ہوئے کہ گردنیں جھک گئیں۔ آخر بول اُٹھے تو جانتا ہے یہ بول نہیں سکتے۔ پھر ان سے دریافت کریں تو کیسے۔ حجت
غالب ہوئی۔ کہنا پڑا پھر بھائی ایسوں کی پوجا کیوں کرتے ہو۔ جو نہ بول سکتے ہیں نہ اپنے سے شر کو دفع کر سکتے
ہیں۔ جو اپنے نفع نقصان پر قدرت نہیں رکھتا۔ تمہیں اس سے کیا توقع ہو سکتی ہے۔ آخر اجماع ہوا۔ شوریٰ کا دور
چلا۔ رائیں دینے لگے۔ فیصلہ یہی ہوا کہ ابراہیمؑ کو دربار شاہی میں پیش کر کے آگ میں جلوا دیا جائے۔ تاکہ آئندہ
عبرت ہو۔ آتش ان کا اِلٰہ تھی اس کے سپرد کرنا اپنے خدا کا غضب نازل کرنا تھا۔ معلوم تھا کہ جو آگ میں گیا زندہ
نہ آیا۔ اس طاقت سے ابراہیمؑ کا مقابلہ ممکن نہیں اور پھر ایسی حالت میں جبکہ ہاتھ پاؤں رسی سے جکڑے ہوئے ہوں
آخر جس روز کی تمنا تھی وہ بھی آیا۔ ایلچی پادکیل قدرت دربار نمرود میں پہونچا۔ یا یوں کہئے کہ روحانیت کا
فرشتہ بُت پرستوں کے خدا کے دربار میں مجرموں کی حیثیت سے حاضر ہوا۔

مستغیث نمرود کے سامنے اپنا بیان پیش کر چکے۔ فرد جرم لگی۔ ملزم سے جواب طلب ہوا۔ نمرود
نے دریافت کیا اے شخص تو میرے بُت کیطرف کیوں سجدہ نہیں کرتا۔ کیا تو میری ربوبیت کا منکر ہے آنحضرت
نے اسکا جواب دیا۔ ربی الذی یحیی ویمیت میرا رب (مربّی) تو وہ ہے جو زندہ بھی کرتا ہے اور مارتا بھی ہے۔ یہ سنکر
نمرود نے کہا۔ انا احی وامیت میں بھی تو حیات و موت پر قادر ہوں۔ دو مجرموں کو اسی وقت طلب کیا
ایک کو قتل کیا اور دوسرے کی جان بخشی کی۔ اب ابراہیم علیہ السلام نے مزید توضیح کی اور کہا اگر یہی بات ہے
تو سُن ربی الذی یاتی بالشمس من المشرق فات بہا من المغرب۔ میرا رب (مربی پالنے والا) تو وہ ہے کہ
سورج کو مشرق سے نکالتا ہے اگر تو وہی ہے تو تو مغرب سے نکال میں قائل ہو جاؤں گا۔ یہ ایسا زبردست حجاج
تھا کہ جس سے فبہت الذی کفر نمرود کا فق رنگ رہگیا۔ سکتہ میں آگیا آخر اس مرد خدا کو آگ میں ڈالنے کا حکم
صادر کیا۔

اظہار حق کی ایک کڑی منزل باقی تھی وہ آگ جس کی پرستش کی بنیاد قابیل نے قائم کی جسکو آفتاب
کا مظہر مانکر ہوشنگ نے سجدہ کیا اور اس کی اُلوہیت کا واعظ بنا۔ ابھی تک ان کے دلوں میں عظیم المرتبت تھی
اُلوہیت نمرودی سے منکر ہونا نار کی اُلوہیت سے انکار نہ تھا وہ اس کی خاصیت سے واقف تھے۔ ان پر
ان کے اس آلہ کی مجبوریت و عبودیت کا روشن کرنا بھی لازمی اور ضروری تھا۔ آتشکدہ پہلے ہی سے

ابراہیم علیہ السلام کا نمرود کے دربار میں بحیثیت مجرم حاضر ہونا ایک دوسرے واقعہ کی یاد دلاتا ہے جو وفات رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد ہی

آتشکدہ بنا ہوا تھا۔ نمرود کی حکمت نے اس ایندھن کے انبار لگا دیئے کو پہلے سے ہی کافی تیز ہو گیا تھا

قریب جانا دشوار ہی نہیں بلکہ ناممکن تھا۔

اس آتشی گھر میں حضرت ابراہیم علیہ السلام مشین (فلاخن یا گوپیا) کے ذریعہ پھینکے گئے۔ کوئی دوسرا شخص ہوتا حکم سنتے ہی کانپ اٹھتا۔ آتشین منظر دیکھتے ہی گھبرا جاتا۔ نمرود کے پاؤں پڑتا۔ سجدے کرتا۔ معافی مانگتا لیکن یہ شجرۂ طیبہ کا نام لیوا۔ مظہر قدرت کا خلیفہ کائنات کا حاکم بنا۔ انسان سرکش اس سے بغاوت کرے تو کرے اجنہ اس کی اطاعت سے گریزاں ہوں تو ہوں۔ دیگر مخلوقات عالم میں سے کوئی شے ان کی (خلفاء اللہ) کی مخالفت نہیں کر سکتی۔ آگ اسکو کیونکر جلائے جو ایسی ہستی کا خلیفہ ہو جس نے آگ کو آگ بنایا اس میں جلانے کی خاصیت ودیعت رکھی۔ مثل مشہور ہے جو چیز انسان بنا سکتا ہے اسکو توڑ بھی سکتا ہے۔ جو چیز دے سکتا ہے اسکو لے بھی سکتا ہے اور دوسری شے سے بدل بھی سکتا ہے۔ اسی طرح سے وہ ہستی جسنے آگ میں جلانے کی خاصیت پیدا کی اسکو سلب بھی کر سکتی ہے۔ اور بدل بھی سکتی ہے۔

آتش ان کے لئے آتش ہے جو اس کے عبد کہلانے کے مدعی ہوں۔ مٹی پتھر کی مورتوں کے حضور سر نیاز جھکاتے ہوں۔ بیجان کو جاندار سے افضل سمجھتے ہوں۔ قاعدہ کی بات ہے دسترس اسی پر ہوتا ہے جو اپنے سے کمتر ہستی اور ماتحت شخصیت ہو۔ اپنے مافوق پر دست فنا نہیں چل سکتا۔ جب تک وہ مافوق اسی میں مصلحت نہ سمجھے۔ لہذا آگ کا خطرہ ان ہی لوگوں کو ہو سکتا ہے جو عمر بھر ان بتوں کو پوجیں۔ اور اس کو الوہیت کے درجہ پر سمجھتے رہیں۔ اب ان سے پھرنے کا خیال بغاوت ہے۔ اور بغاوت کا نتیجہ سزا لیکن وہ شخص جو اصنام و عناصر پر حاکم ہو اسکو ان سے کیا حذر وہ جسکو چاہے توڑ ڈالے۔ خارج کر دے بجھا دے یا بہنے دے۔ بلندی سے پستی پر پھینکے یا پیسکر سرمہ بنائے اور پانی میں ڈالدے اس کا اختیار ہے۔

جسوقت ابراہیم علیہ السلام آگ کیجانب مشین سے پھینکے گئے تو موجودات عالم میں ضرور تہلکہ پڑ گیا ہوگا آتش بھی اس سے باہر نہ تھی۔ لہذا حکم خالق خلق پہونچا یا نار کونی برداً وسلماً علیٰ ابراھیم۔ اے آگ خاصیت بدل۔ خبردار ابراہیم کا رونگٹا بھی نہ جلے بلکہ خوشگوار برودت کی خاصیت اختیار کر۔ ہمارا بندہ خاص تیرا مہمان ہوتا ہے جو تجھپر حاکم ہے وہ تیرے گھر آتا ہے۔ باادب ہو تعظیم دے۔ حق اطاعت و مہمانی بجالا۔

ادہر ابراہیم علیہ السلام ہوا میں آگ کے قریب ہوئے شعلے استقبال کے لئے بڑہے وہ رسیاں جن کے ذریعہ ہاتھ پاؤں جکڑے ہوئے تھے جلکر گر گئیں۔ زبانۂ آتش پھول بن گئے۔ مہمان عزیز پر پھول برساتے ہوئے قیام گاہ تک لائے۔ وہ دہکتے ہوئے انگارے جھلسنے والی خاکستر پھولوں کا بستر بنی اور جلتے ہوئے لکڑیوں کے انبار گل و ریاحین بن گئے۔ نمرود اور اس کے درباریوں کے لئے یہ دوسری شکست تھی جس سے ثابت ہو گیا کہ ایسی طاقت، ایسی قوت، ایسا وجود ضرور ہے جو خاصیت طبائع بدلدینے پر قادر ہے اور وہی

ایک طرف آتشی خاصیت ایک جانب۔ فرداً فرداً اور مجموعی حیثیت سے، اسکو اسکے ارادہ سے اسکے منصب سے
ہٹا نہ سکے۔ تلوار کی آنچ، آگ کے شعلوں کی بھبک، دشمنوں کا نرغہ۔ قید یا اسیری اس کے مدعا میں حارج
نہیں ہو سکتی۔ دنیا کی کوئی طاقت اس کے قدم کو ڈگمگا نہیں سکتی۔ کیونکہ اسکو یہ منصب عطا کرنیوالا قادر مطلق
یا لامحدود قوت ہے۔ اور اپنے چُنے ہوئے کے فعل کو خاص اپنا فعل قرار دیتی ہے۔ وما رمیت اذ رمیت
ولکن اللہ رمیٰ اے رسول وہ کنکریاں جو تونے پھینکی تھیں وہ تونے نہیں پھینکیں۔ بلکہ وہ تو ہمنے پھینکیں۔
تم تو محض نائب ہو۔ یہ مخالفت تم سے نہیں۔ تمہاری عمر کا بڑا حصہ ان کے درمیان گذرا کبھی تم سے برسر
پرخاش نہیں ہوئے لیکن اعلان نیابت ہوتے ہی ان کی حالت کا بدلجانا بتلاتا ہے کہ یہ مخالفت ہم سے
ہے۔ اس لئے جو فعل بھی تمہارے ہاتھ سے ان کے خلاف واقع ہوتا ہو وہ ہماری طرف منسوب ہوتا ہے
تمہارا قول ہمارا قول ہو اور تمہارا فعل ہمارا فعل۔ تمہاری مخالفت ہماری مخالفت اور تمہاری محبت ہماری
محبت کہلائے گی۔ تمہاری بیعت ہماری بیعت ہو۔ پس خلیفۂ خدا کو لسان اللہ، یداللہ، جنب اللہ، اور عین اللہ
کہنا برحق ہے۔

انسان اشرف المخلوقات، احسان فراموش ہستی، سے یہ ممکن ہو کہ لسان اللہ کو کاٹنے کی سعی کرے
اذن اللہ پر پتھر برسائے یداللہ کو طوق و زنجیر یا رسی میں باندھے۔ جنب اللہ کو مجروح کرے۔ عین اللہ
پر خاک اڑائے۔ حزب اللہ پر تلوار چلائے۔ لیکن عناصر میں یا دیگر موجودات میں یہ دل گردہ نہیں کہ اس طرح
کے ستم ڈھائے۔ لوہا ان کے ہاتھ میں موم ہوجاتا ہے۔ عقدے کھُل جاتے ہیں۔ آتش گلزار، سمندر گہوارہ،
ہوائی کرہ تخت سیر اور ماہی مقام تفریح ہو جاتے ہیں جس کو قدرت حاکم مقرر کرتی ہو وہی حاکم ہوتا ہے
دنیا و مافیہا اسی کے مطیع ہوتے ہیں اگرچہ انسان اس کا مخالف جنات اس کے دشمن ہوں لیکن اس مخالفت
سے خلیفۂ منصوص معزول نہیں ہوجاتا۔ اور نہ مخلوقات کا بنایا ہوا خلیفہ خلیفۂ منصوص کہلاتا ہو۔ نمرود، نمرود
ہی رہا۔ خلقت کے اجماع سے خلیل اللہ نہیں بنا اور نہ ابراہیم علیہ السلام اپنے مخالفین کی کثرت اور اپنی
تنہائی کے باعث نبوت اور خلّت سے معزول ہوئے۔ یہ تو قانون فطرت ہو۔ نوکر کی توہین آقا کی توہین
کہلاتی ہو۔ لہذا آقا کا فرض ہو کہ اپنے ملازم کی عزت برقرار رکھے۔ تاکہ خود اس کی عزت بنی رہے۔ اور
وہ واجب التعظیم و قابل احترام منظور رہو۔ خلیل اللہ نے اپنے آقا اپنے مربی کے اوصاف نمرود کو گنوادیئے۔
جو آقائی و مربی عالم ہونیکا مدعی تھا۔ نہ کہ خلاق عالم ہونیکا۔ ورنہ اس دوسری صورت میں دلائل و براہین نمرود کو
قاطع نہیں ہو سکتے۔ رفاہ عام کی اصلاحیں جو اس کے ذریعہ اور اس کی تجاویز پر کاربند ہونے سے ظاہر ہوئیں
ان سے بنی نوع انسان اس کے مرہون احسان تھے وہ محسن نوع انسان و محسن قوم تھا مربی عالم نہ تھا۔
مربی عالم صرف وہی شخص ہو سکتا ہو جو حیوۃ و ممات پر قادر ہو۔ اور تمام موجودات کونی و مکانی پر متصرف

وہ ہے مربی عالم۔ وہی واجب التعظیم و تکریم۔ اس لئے کہ وہ عالم مخلوقات الہی ہے۔ خلاق عالم نے کل موجودات عالم کو اس کے قبضۂ تصرف میں دیدیا ہے کیونکہ اس نے اپنا نفس رضائے الہی کے بدلے میں فروخت کر دیا۔ خدائے خلاق عالم نے اس کا نفس خرید لیا اور اپنے کارخانہ قدرت کا اسکو مختار بنا دیا۔ ان اللہ اشتری من المومنین انفسہم و اموالہم بان لہم الجنۃ خداوند عالم مومنین سے ان کے نفسوں کو خرید چکا (زمانۂ ماضی مطلق میں جبکہ زمانہ کی ابتدا ابھی نہ تھی)، اور ان کو اس کے عوض میں جنت (رضائے الہی) عطا کی۔ آقائے عالم و مربی دو جہاں یہی مومنین ہو سکتے ہیں۔ جو اپنی جانوں کے بدلے رضائے الہی کے مالک ہو گئے۔ اور خداوند عالم اپنی رضائے ان کے حوالے کر کے جو کچھ ان کا کہلاتا تھا اس پر قابض و متصرف ہو گیا۔ پس ان کے ہاتھ پاؤں، آنکھ، ناک، مال، دولت، اولاد، نائب، ملازم، غلام سب خدا کی ملکیت قرار پائے اور اس کے نام سے منسوب ہو گئے۔ لسان اللہ۔ ید اللہ۔ عین اللہ۔ جنب اللہ۔ حزب اللہ۔ نبی اللہ۔ ولی اللہ کہلائے ورنہ خداوند عالم اس سے بہت زیادہ بلند ہے کہ وہ آنکھ، ناک، کان، ہاتھ، زبان، اعوان، انصار، یا خوشخبری دینے والے دوست وغیرہ کا محتاج ہو۔

حضرت خلیل اللہ نے اپنے مربی کے اوصاف نمرود کو تبلا دیئے کہ میرا مربی تو وہ ہے جو سورج کو مغرب سے نکال سکتا ہے حالانکہ قانون قدرت کے خلاف ہے۔ اگر تو مربی ہونے کا مدعی ہے تو ہمت کر اور دعوی کو سچ کر دکھلا۔ نمرود مبہوت ہو گیا لیکن تاریخ ان ہستیوں کے وجود کا پتہ دے رہی ہے جنھوں نے سورج کو مغرب سے نکالکر ظاہر کر دیا کہ دعوئے خلیل غلط نہ تھا۔ وہ مربی عالم ہستیاں ہمارے وجود میں ملتی ہیں ہم رضائے الہی کے مالک ہیں۔ ایک لسان اللہ ہے تو دوسرا ید اللہ ہے۔ عین اللہ و حزب اللہ اسی گروہ میں مل سکتے ہیں ان کے غیر میں نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ یہ خدا کی ملکیت، دوسروں کے حضور نہیں جھک سکتے۔ ورنہ اگر حزب اللہ بتوں کا سجدہ کرنیوالے ہوتے تو بت پرستی ثواب اور بت شکنی عذاب کا باعث ہوتی۔ واذ لبس فلبس

الغرض خلیل اللہ تین روز آتشکدہ میں رہے۔ تاکہ نمرودیوں کو اپنی غلطی خوب ثابت ہو جائے۔

بیان ہذا سے ظاہر ہے کہ بادشاہی (یا سطوت) قہر و غلبہ یا احتجاج مخلوقات سے خلافت حقہ (نبوت و امامت) میسر نہیں ہو سکتی۔ بلکہ یہ وہ درجات رفیعہ ہیں جن کو خداوند عالم نے اپنے ہی قبضۂ قدرت میں رکھا ہے۔ مقرب ترین مخلوقات یعنی فرشتوں کو بھی اس انتخاب میں مداخلت نہیں۔ گنہگار و کوتہ اندیش انسان تو اور بھی بعید تر ہے۔

کلام پاک میں ان قصوں کا تذکرہ بکثرت ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر ایک قصہ جو بتفصیل و تکرار مذکور ہوا ہے ضرور اس امت میں واقع ہوا یا آیندہ ہو گا۔

حضرت خلیل اللہ کے ساتھ آتش نمرودی کا واقعہ رحلت نوح علیہ السلام سے چودہ سال بعد ظہور

اس واقعہ کے بعد نمرود نے آنحضرت کو اپنی حدود سے خارج کر دیا۔ اور آپنے بابل سے ہجرت کی

بابل کے تخت کے وارث نمرود اور افریقی حاکم فرعون کہلاتے تھے۔ جو شخص اس زمانہ میں

مصر وغیرہ پر حاکم تھا وہ بھی راہ راست سے منحرف تھا۔ منشائے الٰہی کے مطابق اتمام حجت ضروری تھی۔ بابل سے روانہ ہو کر حضرت خلیلؑ اس کی جانب آئے۔ فرعون معجزات باہرہ دیکھکر ایمان لے آیا۔ اپنی لڑکی ہاجرہؑ کنیزی میں پیش کی دوسری لونڈی قطورہ آپ کی زوجہ سارہؑ کیخدمت کے لئے حاضر کی نیز بہت سا زر و جواہر حشم و خدم جہیز کے طور پر نذر کیا۔

مصر سے روانہ ہو کر آنحضرت جرار میں مقیم ہوئے۔ یہ شہر عرب و فلسطین کی حد پر واقع ہے۔ اس آمد و رفت میں تقریباً ½۳ سال صرف ہوئے۔

اپنی کتاب "دو بابل" میں پادری ہسلپ نے بدلائل ثابت کیا ہے کہ مصر جلاوطنوں کی بستی تھی۔ نمرود کا حضرت خلیل اللہ کو نکالنا اور آپ کا مصر کیطرف روانہ ہونا بھی اسی بیان کی تائید کرتا ہے کہ مصر جلاوطنوں کے لئے پناہگاہ تھی دوسری اطراف ان کے لئے بند تھے۔

ایرانی تاریخ سے جمشید کا نام مائیل یا مہئیل بھی معلوم ہوتا ہے۔ اولاد جمشید کا نام جو سپہبد کابل کی دختر سے پیدا ہوئی۔ مائل کثر مائل بیان کیا جاتا ہے یعنی مہئیل کے زند (یازا) مہئیل۔ زند یازا ہندی شو یا شا کے مقابل ہے جو ابنیت کو ظاہر کرتا ہے فریدوں یا آفریدوں ہوشنگ کے نسل سے تھا۔ آفرید اُدان اس کا عرفی نام ہے یعنی اد کے بیٹے کی نسل۔

یونانی تاریخ اور ہندی تاریخ سے منوجی اور مینیز کے حالات پر غور کیجائے۔ تو منو مہہ بن اُد اور مینیز مہہ بن ایز یا ایش کی دوسری صورت ہے۔ اد یا ایش ہوشنگ کا نام ہے جسکو چند مرتبہ ناگا قوم سے ظاہر کیا جا چکا ہے۔ لہذا منوجی یا مینیز اسی اد کے جو ناگا نسل سے تھا پسر تھے۔ ایرانی تاریخ سے اوشنگ کے دو پسر تہمورث اور جمشید (یا مہئیل) ہیں جمشید کا رفاہ عام کے کاروبار میں انہماک، منوجی کا قوانین معاشرت مرتب کرنا اور مینیز یا مصرائیم کا مصر کو بود و باش کے قابل بنانا ان کو ہمدرد نوع انسانی ہونا ظاہر کرتا ہے۔ ان کے مخالفین یا باغیوں کی سزا قتل و جلاوطنی ہی ہو سکتی ہے۔ جیسا کہ زمانہ حال میں بھی ایسے اشخاص جو بنی نوع انسان کی بہبودی میں مخل نظر آتے ہیں" کالا پانی" (یا انڈیمان کے ٹاپو میں) بھیجدیئے جاتے ہیں تاکہ ان کا اثر وبائے عام ہو کر بقیہ نوع انسان کے فساد کا باعث نہ ہو۔

خیر بابل سے نکلکر خلیل اللہ مصر ہوتے ہوئے جرار میں آبسے۔ چھتیّر سال کی عمر ہو گئی۔ باوجودیکہ عسرت بابل کے بدلے رحمت الٰہی نے تونگری، حشم و خدم، سب سامان راحت عطا فرمائے۔ میوۂ قلب، سرور قلب سے ابھی تک آنکھیں آشنا نہ تھیں۔ مردوں کی نسبت مستورات کو لاولدی کا زیادہ صدمہ ہوتا ہے۔ یہی حضرت سارہؑ کا حال ہوا اسی خیال سے انہوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اجازت دیدی اور ہاجرہؑ کی رقابت منظور کی۔

گھر انسان کے لئے تفکرات دنیوی سے ایک گونہ آزادی دینے کے لئے ہوتا ہے۔ جس میں اس کی زندگی کی ساجھی اُسکی دلجوئی کرتی اور حوصلہ بڑھاتی ہے وہ اپنے استقلال اور خانگی تفکرات میں ہمت و جرأت، صبر و حلم، جفاکشی اور محنت

جاتی رہی۔ شگفتگی آگئی۔ اور پھر مصائب کا مقابلہ کرنے کے لئے مستعد و منتظر وقت ہو بیٹھا۔ لیکن جب ہی تشفی پر مردنی ہو جاتی تو انسان کو نہ گھر میں چین ملتی ہے نہ باہر آرام۔ اسوقت دامن صبر و تحمل چاک ہو جاتا ہے دوہ نفوس نہایت ہی اعلیٰ و ارفع ہوتے ہیں جو اسوقت بھی مضمحل نہ ہوں فرائض منصبی اسی جوش و خروش، اور اسی انہماک سے ادا کرتے رہیں جو پہلے ظاہر ہوتا تھا۔

بیوی کی بیقراری اور لاولدی کی شکایت لب خلیل پر دعا بنکر آئی۔ رب ھب لی من لدنک ذرّیۃ طیبۃ بار الٰہا! دل کی پژمردگی کھل۔ اپنی بارگاہ سے پاک اولاد عطا فرما۔ اولاد طیّب کی دعا ہے نہ کہ غیر طیب کی۔ دعائے خلیل ہے۔ اور پھر ایسے کریم کی بارگاہ میں جو دشمنوں، اور مخالفوں، نافرمانوں اور باغیوں کی دعا بھی مسترد نہیں کرتا۔ شیطان نے قیامت تک مہلت مانگی۔ وقت معلوم تک عطا کی۔ حالانکہ اطاعت حکم سے انکار کرچکا ہے۔ بغاوت ظاہر ہو چکی ہے۔ اب پہلی خدمات کا صلہ مانگتا ہے۔ یہ ظاہر ہے کہ زندہ رہا تو سرکشی کا بازار گرم کریگا۔ لیکن وہ جواد و کریم قادر مطلق ہے اس کی گرفت سے کوئی مخلوق نکل نہیں سکتی۔ وہ ان کی خواہشات کے مطابق عطا کرتا ہے ان کے ظرفوں کا امتحان لیتا ہے اور دیکھتا ہے آیا شکر نعمت بجالاتے ہیں یا نہیں۔ اسکی نعمت سے متمتع ہو کر اس کی معرفت میں ترقی کرتے اور اسکے مقرر کردہ امین، ولی نعمت، نائب، یا خلیفہ، کو تسلیم کرتے ہیں یا نہیں اس کی نعمت اس کے حکم کیمطابق صرف کرنے پر مستعد ہیں یا نہ

پھر بھلا خلیلؑ کی دعا کیوں مستجاب نہ ہوتی۔ حسب مدعا پسر ملا طیب پسر کی استدعا تھی بطن ہاجرہؑ سے اسی سال دعائے خلیلؑ نے پسر جلیل یعنی اسمٰعیلؑ کی صورت میں ظہور کیا۔ ظاہر ہے کہ پاک چیز کے لئے پاک ظرف کی ضرورت ہے اگر ظرف پاک نہ ہو تو چیز نجس ہو جائے گی۔ طیب نہیں رہ سکتی۔ اگر چیز ظرف میں آنے کے بعد بھی طیّب ہی تو معلوم ہو گیا کہ ظرف پاک ہے اسکو مالک نے چیز ڈالنے سے بیشتر پاک کر لیا ہو گا۔ معمولی ظرف ہوتا تو پانی سے صاف کر لیا جاتا۔ لیکن یہ بطن مادر وہ ظرف تھا کہ دست قدرت کے سوا اور کوئی اس تک رسائی نہیں رکھتا۔ ایمان کا پانی۔ عرفان الٰہی کے نور کی جھلک۔ صدق نیّت وصداقت عمل اس ظرف کو پاک کر سکتے ہیں۔

مادرِ اسمٰعیلؑ مومنہ باخلاص تھی اور اس اخلاص میں اسقدر ترقی کی کہ خداوند عالم نے دعائے خلیلؑ کے مطابق ذریّت طیب اس کے بطن سے پیدا کی۔ اور اس مومنہ با اخلاص کی طہارت نفس پر اپنی مُہر ثبت کر دی۔ اولاد طیّب اور بیوی مطہر ان دونوں کی خلیلؑ اگر قدر نہ کرتے تو کیا کفرانِ نعمت کرتے۔ (معاذ اللہ منہا)

عام مشاہدہ کی بات ہے جسقدر بادشاہ کی عزت یا دوست کی محبت دل میں ہوتی ہے۔ اسی قدر عطیہ کی عظمت و وقعت زیادہ ہوتی ہے۔ اس کے ساتھ ہی اس ظرف کی قدر و منزلت بھی بڑھ جاتی ہے جس میں وہ عطیہ یا دوست کی یادگار بند ہو کر پہونچتی یا آئندہ محفوظ رکھی جاتی ہے۔ اسی سے بادشاہ کی عظمت اور دوست کی محبت کا اندازہ کیا جاتا ہے حضرت خلیلؑ کو خداوند جلیل عطیہ طیب کرامت فرمائے وہ کس طرح اس کی قدر نہ کرتے۔ اس کی قدر کی بلکہ اس کے ظرف کی قدر کی۔ اس کی تعظیم و تکریم میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا۔ جو حضرت سارہؑ کو ناگوار گذرا۔ بیوی اور بیٹے کی تعظیم خلاف قاعدہ تھی

اولاد طیب ہو تو عزیز تر ہوتی ہے باپ کی پیری کا سہارا ہوتی ہے جس سے کل امور میں اسکو تعلیم و تربیت دیجاتی ہے یہاں بھی یہ ہی ہوا۔ اسمعیلؑ صغرسنی ہی میں شریک پدر ہو کر معاہدہ الٰہی کے وقت ایک فریق قرار پا سے۔ شرائط عہدنامہ کے اسی طرح پابند ہوئے جیسے کہ پدر آنحضرت۔ لیکن حضرت خلیل اللہ معمولی شخص نہ تھے بلکہ خداوند عالم کے رسول اور برگزیدہ بندے تھے۔ اسمعیلؑ شرائط عہدنامہ کی تکمیل پر باپ کیطرح اسی وقت مقدرت رکھ سکتے تھے جبکہ آنحضرت بھی نبوت کا درجہ حاصل کر لیں۔ چونکہ تکمیل شرائط میں آپ نے اپنے پدر کے برابر حصہ لیا۔ لہذا تسلیم کرنا پڑیگا کہ آپکو اسی زمانہ طفولیت میں نبوت مل گئی تھی۔ اگر نہ ملتی تو خلیل اللہ کیطرح تعمیل شرائط ممکن نہ تھی۔ غیر نبی نبی کا ہمسر نہیں ہو سکتا۔ نبوت کے لئے اہلیت چاہئے جو دعائے خلیل میں موجود ہے۔

دو نبیوں کا ایک جگہ رہنا فضول ہے جبتک ان میں سے ایک ماتحت قرار نہ پائے۔ لہذا اسمعیلؑ کا بغرض تکمیل خدمات منصبی باپ سے علیحدہ ہونا ضروری تھا۔ باپ سے اس عمر میں علیحدہ ہونا آسان ہے لیکن ماں کی جدائی مصیبت ہے۔ لہذا حضرت ہاجرہ اپنے لخت جگر کی محافظ بنکر ان کے ہمراہ گئیں۔

اولاد کی جدائی سخت امتحان ہے۔ بیوی کے کہنے سے بیٹا اور وہ بھی سعید بیٹا، اکلوتا بیٹا جدا نہیں کر سکتے۔ لیکن حکم خدا۔ دوست کا فرمان۔ مالک کا اشارہ اس کڑی منزل کو آسان بنا دیتا ہے۔ دینے والا حفاظت کا وعدہ کرتا ہے زمین مقدس میں بیت محترم کی مجاوری۔ آنیوالوں کی تعلیم و تربیت کی خدمت سپرد کرتا ہے۔ ہدایت خلق کے لئے بیٹے کی جدائی منظور کی۔ اور اسمعیلؑ و ہاجرہؑ کو علی الصباح بیابان فاران میں چھوڑ آنے کے لئے تیار ہو گئے۔

سواری چلی تین شخص بستی سے نکلے۔ ایک بچہ دوسری عورت اور تیسرا بوڑھا۔ ان میں دو نبی۔ ایک باپ ایک بیٹا۔ تیسرا ان دونوں کے درمیان رابطہ۔ یا مجسمۂ ایمان۔ مومنہ با اخلاص۔ کیونکہ ایمان وہ رشتہ۔ رابطہ یا تعلق ہے۔ جو دو نبیوں کو ہمخیال بناتا ہے بلکہ دو متقیوں اور خدا پرستوں کو ایک خط پر لے آتا ہے۔

یہ مسافر ایک مقام پر پہونچے۔ سواری سے اُترے۔ پہونچانیوالا واپسی کا عزم کرتا ہے۔ غریب عورت اپنے شوہر کے چہرے پر حسرت سے نظر ڈالتی ہے پھر اپنے نازوں کے پالے کمسن بچے کو دیکھتی ہے۔ ساتھ ہی اپنے چار طرف نظر دوڑاتی ہے نہ کہیں بستی نظر آتی ہے نہ سایہ کے لئے کوئی شجر دکھلائی پڑتا ہے۔ جہانتک نظر پہونچتی ہے ریگستان ہی دکھلائی دیتا ہے۔ موت کی تصویر آنکھوں میں پھر جاتی ہے۔ آخر شوہر سے دریافت کرتی ہے۔ اے میرے سرتاج کونسا قصور ایسا ہوا جس کی پاداش میں ہمیں اس ہُو کے مقام میں چھوڑے جاتے ہو۔ کچھ جواب نہ پاکر پاس سے پھر کہتی ہے۔ اے ابراہیمؑ۔ اگر مجھ پر رحم نہیں آتا اپنے خوردسال بچے پر رحم کرو۔ یہ جنگل کچھ دیر میں آتش فشان بنجائیگا۔ یہاں نہ بستی ہے نہ شجر۔ نہ کہیں پانی کا نشان۔ یہ معصوم کس طرح زندہ رہیگا۔ بیوی کے کلمات اور بچے پر آنیوالی مصیبت کا خیال بوڑھے باپ کے دل سے پوچھنا چاہئے جس نے عمر بھر تمنا کر کے ایک بچہ پایا ہو اور اسکو صحرائے لق و دق میں بے یار و مددگار چھوڑنا پڑے۔ خلیل اللہ

سواری کیطرف بڑھتے ہیں۔ بیکس بیوی بیقرار ہوکر دوڑتی ہے۔ اور دامن شوہر سنبھالکر تیسری دفعہ دریافت کرتی ہے ای
نبی اللہ اس خونی میدان میں ہمیں کس کے حوالے کئے جاتے ہو۔ آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑی لگی ہوئی ہے۔ ادھر
پسر حسرت و یاس سے باپ کا چہرہ اور ماں کی بیقراری دیکھتا ہے۔ چہرہ پر اداسی چھا جاتی ہے۔

زبان خلیل میں یارا نہیں کہ بیوی کے سوال کا جواب دیں آخر انگلی سے آسمان کی طرف اشارہ فرماتے ہیں اور
اپنے عزیزوں کو خدا کے سپرد کرتے ہیں۔ وہ تابع فرمان مؤمنہ با اخلاص اس اشارے کو دیکھتی ہے۔ دامن قبا ہاتھ سے
چھوڑ دیتی ہے اور خدائی سہارے پر ہو بیٹھتی ہے۔

خلیل اللہ روانہ ہوتے ہیں۔ یہ دونوں ماں بیٹا ان کی طرف ٹکٹکی باندھے دیکھ رہے ہیں۔ یہانتک کہ سواری
نظروں سے اوجھل ہوگئی۔ کچھ دیر تک امداد غیبی کے منتظر رہے۔ آخر پھر ہر سمت نظر دوڑائی۔ دہوپ سے بچنے کے لیئے جائے
پناہ تلاش کی۔ اس صحرا میں جائے پناہ کہاں۔ دور فاصلہ پر ایک تنہ کھجور دکھلائی دیا۔ اسی کو غنیمت سمجھا۔ ڈوبتے کو تنکے
کا سہارا۔ اسی رُخ چلنے کے لئے کھڑے ہوگئے حضرت ہاجرہؑ نے پانی کا مشکیزہ دوش پر لیا بچے کا ہاتھ پکڑا اور روانہ
ہوئیں۔ ریت کا سفر۔ راہ بیراہ۔ پیادہ پا ایک نازوں کا پالا جسکا پہلا سفر ہو صغیر السن ہو کیونکر چلے۔ دہوپ چڑھتی آتی ہے
ریت گرم ہو رہی تھی۔ منزل مقصود دور۔ آخر میدان میں شرارے چمکنے لگے۔ مسافروں کو پیاس نے گھیرا مشکیزہ کا پانی
ختم ہوگیا۔ ادہر سورج کی تپش، زمین کی حدت۔ اور سب سے بڑھکر گرم ہوا کے جھونکے ان بیکسوں کی مصیبت بڑھا رہے تھے
بچہ پیاس سے بلبلا اُٹھا چلنا دشوار ہوا۔ بہزار دقّت کچھ فاصلہ طے کیا۔ طاقت نے جواب دیا۔ اور زمین گرم پر گر پڑا۔ عرب
کی دہوپ مشہور ہے۔ ماں مصیبت کی ماری کیا کرے کہاں سے پانی لائے۔ آخر بچے کو گود میں اُٹھایا اور روانہ ہوئی۔

بچہ پیاس کی شدت سے بیتاب ہے دہوپ کا سفر ہے ماں کی گود ہی سہی لیکن بیرونی اثرات اپنا اثر کئے بغیر نہیں رہتے
رواں دواں منزل مقصود پر پہونچی چادر سر سے اتار اس تنہ کھجور پر ڈالی سایہ کیا بچے کو جو اسوقت بیہوش ہوگیا تھا لٹایا
خود پانی کی تلاش میں ہر سو نظر دوڑائی۔ ریگستان میں دوپہر کیوقت سخت دہوکا ہوتا ہے۔ ریت کے ذرے اس طرح
چمکتے ہیں کہ پانی بہتا ہوا معلوم ہوتا ہے جسکو سراب کہتے ہیں یہی نظارہ حضرت ہاجرہؑ کے پیش نظر تھا۔ مشکیزہ سنبھالا سراب
کا رُخ کیا۔ دوڑتے دوڑتے تھک گئی لیکن پانی کا پتہ نہ چلا۔ پہاڑی کے دامن میں پہونچی تو ریت کے سوا اور کیا رکھا
تھا۔ اوپر چڑھی بچے کیطرف نظر دوڑائی اسکو تنہا اور بیقرار دیکھکر ماں کی مامتا پھر واپس دوڑ پڑی۔ بچے کے پاس پہنچی
پیاس سے حالت غیر دیکھی۔ پھر نظر اُٹھائی۔ دوسری طرف پانی کا دریا بہتا ہوا نظر آیا۔ پھر دوڑی۔ یہانتک کہ اس
طرف کا ٹیلہ نظر آیا۔ پانی کا دریا غائب ہوگیا۔ آخر واپس ہوئی۔ اس دہوپ کی دوڑ دہوپ نے خستہ کردیا تھا۔ بچے کی زندگی
سے مایوسی تھی۔ واپس آکر اُسکو جاں بلب پایا۔ امداد طلب کرنے کے لیئے قریب کے ٹیلے پر چڑھی۔ استغاثہ بلند کیا۔ کوئی ہو
تو جواب دے آخر اپنی بیکسی بے بسی پر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ اور دل سے اُس قادر مطلق کیطرف متوجہ ہوئی جو
کارساز عالم ہے۔ رحمت الٰہی جوش میں آئی۔ وہ میدان بے آب و گیاہ آباد کرنا منظور تھا۔ ہوائے رحمت چلی۔ بچہ کو ماں

بچے کے ایڑیاں رگڑنے سے ریت ہٹی۔ پانی کا چشمہ رواں ہوا۔ اس صغیر کو اس عالم بیہوشی میں خنکی محسوس ہوئی۔ کرب وبیقراری کم ہوئی۔ ماں نے اس طرف دیکھا بچے کو ساکن پایا۔ سمجھی چل بسا۔ چلا کر روئی۔ یہانتک کہ ہاتف غیبی نے صدا دی اور سبب گریہ دریافت کیا۔ بیچاری نے اپنا قصہ دہرایا۔ پوچھنے والے نے پوچھا آخر ابراہیمؑ نے تمہیں کس کے حوالے کیا تھا بولی۔ "خدا کے"۔ ہاتف نے کہا اے ہاجرہ پھر تجھے کیا غم۔ جا اپنے بیٹے کو دیکھ وہ زندہ ہی۔ پانی تو اس کے قدموں میں موجود ہے تو بیفائدہ رنج کر رہی ہی۔

نظر اٹھائی۔ بیٹے کے پاؤں پانی میں تر نظر آئے اسکو کروٹ لئے ہوئے پایا۔ خدا کا شکر کیا۔ قریب آئی بیٹے کو اُٹھایا ہاتھ منہ دُھلایا۔ پانی پلایا۔ مشکیزہ پانی سے بھرا۔ اور چشمہ کے گرد ریت اکھٹی کر کے اونچے کنارے بنائے۔ پانی کیا نکلا کھجور کا تنہ بھی سرسبز ہوگیا۔ خوشے نکل آئے اور رسیدہ ہوگئے۔ دونوں نے خوب سیر ہو کر کھائے شکر منعم ادا کیا جس نے اس مصیبت سے رہائی دی۔

ادہر ابراہیم علیہ السلام روانہ ہو کر دوپہر کیوقت ایک چاہ کے قریب پہونچے۔ دہوپ اور پیاس سے امن کا مقام دیکھا اُتر پڑے۔ پانی پیا سُستائے۔ اُن دو صحرانوردوں کا خیال دل میں لائے جو اسی دہوپ کیوقت صحرائے لق ودق میں تھے جہاں نہ پانی تھا نہ سایہ۔ خیال آتے ہی دل بھر آیا اپنے خالق کیطرف رجوع کر کے عرض پیرا ہوئے۔ ربنا انی اسکنت من ذریتی بواد غیر ذی زرع عند بیتک المحرم ربنا لیقیموا الصلوٰۃ فاجعل افئدۃ من الناس تھوی الیہم وارزقہم من الثمرات ط انک انت السمیع الدعاء۔ خدایا میں نے تیرے خانۂ محترم کے نزدیک بے آب وگیاہ وادی میں اپنی ذریت کو مقیم تو کیا ہی۔ لیکن تو میرے دل کے حال سے واقف ہی تو ہی ان کا کفیل ہی الٰہی لوگوں کے دلوں کو ان کی طرف مائل کر اور اُن کو میوہ جات (پھل) کھلا دیا ان کو دودھوں نہلا۔ فارغ البال بنا) اور صاحب اولاد کر) تو ہی دعاؤں کا بہتر سننے والا ہی۔ دعائے خلیل بھی مستجاب ہوئی۔ شام سے پہلے پہلے قافلۂ تجار اسمٰعیلؑ وہاجرہؑ کی تنہائی کا مونس اور موجودہ شہر مکہ کی آبادی کا سنگ بنیاد قرار پایا۔ ۱۳۴۶ھ تک اس واقعہ کو ۴۰۴۸ برس ہوئے۔

دعائے خلیلؑ بے اثر نہیں ہو سکتی جسوقت بھی دعا کی مستجاب ہوئی۔ جو مانگا ملا اور اس سے بھی زیادہ ملا۔

اسمٰعیل علیہ السلام دس سال کے سن میں باپ سے جدا ہوئے اور خدمت الٰہی کے لئے وقف ہوگئے بیت اللہ کے مجاور اور معلم اُمت قرار پائے۔ کم سنی حارج نبوت نہ ہوئی۔ تو امامت میں یا ایمان میں کیوں حارج ہونے لگی۔ اگر نبی طفلی میں فرائض منصبی ادا کر سکتا ہی اور اس کی تعلیم قابل تعمیل ہی۔ تو خلیفہ رسول وشاہد نبوت بھی مقرر ہو سکتا ہے۔ اور بڑے بوڑہوں پر اس کی حکم کی تعمیل فرض عین ہوگی۔ اُس کی خوردسالی حکومت کی منافی نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ بزرگی بعقل است نہ بسال وفضیلت بعلم ست نہ بمال وتقدم بعمل ست نہ بقال۔ بڑا وہی ہی جو عقلمند ہوتا ہی۔ طول عمر پر بڑائی منحصر نہیں

خود کر کے دکھانے سے امامت ملتی ہے۔ جان چرانے سے درجات عالیہ حاصل نہیں ہوتے بلکہ تم اپنی عقبیٰ اپنی جان اندر کھو

حضرت خلیل اللہ کو بیٹے کی جدائی اور بیٹے کو باپ سے علیحدہ ہونا بھولا بھی نہ ہوگا کہ قربانی پسر کے لئے تحریک شروع ہوئی۔ ابراہیم علیہ السلام خواب میں دیکھتے ہیں۔ اسمعیلؑ کو اپنے ہاتھ سے ذبح کر رہا ہوں اس کے خون سے تمام زمین گلرنگ ہو رہی ہے۔ پہلے دن تو کچھ خیال نہ کیا۔ دوسری شب پھر یہی دیکھا۔ تو دن بھر پریشانی اور فکر دامنگیر رہا۔ تیسری شب یہی کیفیت پھر دیکھی یقین ہو گیا۔ خداوند عالم اسمعیلؑ کی قربانی کا حکم دیتا ہے۔ صبح ہوئی اُٹھے سوار ہو بیت اللہ پہنچے۔ عید اضحیٰ بیٹے کیساتھ منائی۔ دوسرے روز بیوی سے کہکر بیٹے کو لباس فاخرہ میں ملبوس کرایا۔ دوست کے گھر دعوت کے لئے روانہ ہوئے۔ بیٹا ساتھ ہے۔ چودہ پندرہ سال کا سن ہے۔ بچہ نہیں ہے۔ اثنائے راہ میں اس سے ذکر آتا ہے یا بنیّ انی اریٰ فی المنام انی اذبحک فانظر ماذا تریٰ۔ اے میرے پارۂ جگر میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ تجھے ذبح کر رہا ہوں۔ اے قرۃ العین تو بتلا تیری کیا رائے ہے۔

باپ نے کس دل سے یہ سوال پیش کیا ہوگا۔ اور اسوقت آپ کی کیا کیفیت ہوئی ہوگی؟

لیکن اگر باپ حکم خدا کا تابع ہے تو بیٹا بھی اسمعیلؑ ہے۔ نہ یہ کہ نہیں کہ دو دو ہاتھ ہوتے ہوتے دم نکلتے ہوں چھری کے نیچے گردن رکھنا صاحب ایمان کا کام ہے۔ ایرے غیرے اس میدان میں نہیں جم سکتے۔

باپ کا ارشاد۔ پدر کا سوال۔ اور پھر پدر بھی وہ جو رسول اللہ ہے خلیل اللہ ہے۔ فوراً عرض کی یا ابت افعل ما تؤمر ستجدنی ان شاء اللہ من الصابرین۔ ابا جان جس طرح آپ کو حکم ہوا ہے تعمیل کیجئے (سر مو فرق نہ ہونے پائے۔) انشاء اللہ آپ مجھے صابرین سے پائیں گے۔

کیوں نہ ہو۔ یہ شرف اسی خاندان نبوت کو ہے۔ باپ تعمیل حکم الٰہی میں اپنے ہاتھ سے اکلوتے بیٹے کو ذبح کرنے کے لئے تیار ہے۔ اور بیٹا راہ خدا میں ذبح ہونیکو ہمہ تن موجود۔ زندگی اور موت میں ایک قدم کا فاصلہ ہے۔ آج موت نہ آئی کل آئی۔ پھر راہ خدا میں مرنے سے بہتر اور کون سی موت ہوگی۔ آج بھاگ کر جان بچائی کل کو عورتوں کی طرح بستر پہ جان دی۔ کیا نفع ہوا۔ بقول ے مفت بدنام ہوئے لوگ ہنسائی ٹھہری۔

ہاں یہ موت کی کسوٹی ہی ایسی زبردست ہے جسپر ایمان کی پرکھ ہوتی ہے دل کی جانچ کیجاتی ہے۔ بڑا سخت امتحان ہے بڑے بڑے کڑیل جوان اس امتحان میں بزکوہی کی طرح اچکتے اور بھاگتے نظر آتے ہیں یا ایسے دم بخود ہو جاتے ہیں۔ کہ گویا ان کی اماں جان اس جہان سے تشریف لے گئیں۔ کاٹو تو لہو نہیں بدن میں۔

ایمان والوں سے اس گھڑی کی خوشی پوچھئے جبکہ وہ عروس مرگ سے ہمکنار ہونے کی خوشی میں مستانہ وار قدم اٹھاتے ہوں۔ بیچارے بھگوڑے کیا جانیں خدا کیا ہے اور اس کے حکم کی تعمیل میں مرنا کیسا ہے؟

ہم اس ذکر کو چھوڑتے ہیں کہ باپ نے اپنے اکلوتے پسر کے گلے پر چھری پھرائی اور یہ دیکھتے ہیں کہ اس حکم کی غایت کیا تھی کیوں باپ کے ہاتھ سے بیٹے کے گلے پر چھری رکھوائی۔ اگر قربانی ہی منظور تھی تو پھر گلا کیوں نہ کٹنے دیا؟

نبی کے فرائض میں سے ہے کہ ہر وقت اپنے مالک کی خدمت انجام دے۔ اور بیٹے پر فرض ہے کہ باپ کی خدمت کرے
پیری میں اسکا سہارا ہو۔ انسان سے ایک وقت میں دو فریضہ ادا نہیں ہو سکتے۔ لہذا باپ کے ہاتھ سے بیٹے کو ذبح کرا دینا ان
تمام تعلقات کو منقطع کر دیتا ہے جو جسمانی لحاظ سے باپ بیٹے کے درمیان ہوتے ہیں اگر ذبح واقع ہو جاتا تو ابراہیم علیہ السلام
بیٹے سے خدمت نہیں لے سکتے تھے۔ اُنھوں نے اپنی طرف سے اپنے تعلقات منافع اور توقعات اپنے ہاتھ سے قطع کر دیئے
اسی طرح اسمٰعیل علیہ السلام نے بھی اپنے کل تعلقات وغیرہ دنیاوی چھری سے قطع کرا دیئے۔ لہذا نہ باپ بیٹے سے خدمت
طلب کر سکتا ہے۔ نہ بیٹا باپ سے جلب منافع کی توقع رکھتا ہے۔

(۲) نذر شدہ شے یا قربانی نذر کنندہ کی ملکیت سے خارج ہو جاتی ہے اور اُس کی ملکیت قرار پاتی ہے جس کے حضور
نذر پیش کی جاتی ہے۔ اندریں صورت اسمٰعیلؑ ملکیت خلیلؑ سے نکل گئے۔ اور خدا کی ملک قرار پائے لہذا نہ باپ کو بیٹے سے کوئی شکایت
ہو سکتی ہے نہ بیٹے کو باپ سے۔

(۳) امانت الٰہی کو وہی شخص اٹھا سکتا ہے جسکو اپنی جان کی پرواہ نہ ہو۔ اسی کو خداوند عالم نے حامل امانت
الٰہی کی کسوٹی مقرر کیا ہے یا ایہا الذین ھادوا ان زعمتم انکم اولیاء للہ من دون الناس فتمنوا الموت
ان کنتم صادقین (اے رسول تو کہہ، اے لوگو جو ہدایت یافتہ (یہودی) کہلاتے ہو۔ اگر تمہیں یہ خیال ہے کہ تم دوسرے
لوگوں کی نسبت اللہ کے زیادہ دوست (محبّ یا اولیاء) ہو تو تم مرنے کی خواہش کرو۔ اگر تم واقعی اپنے دعوے میں سچے
ہو۔ ولا یتمنونہ ابدًا بما قدمت ایدیھم واللہ علیم بالظلمین لیکن وہ ان افعال کی بنا پر جو وہ کر چکے آرزوئے
مرگ کبھی نہ کریں گے۔ اور اللہ ظالموں سے خوب واقف ہے۔

بنا بریں خداوند عالم نے ایک قاعدہ مقرر فرما دیا جس سے اولیاء اللہ شناخت ہو سکتے ہیں پس جو کوئی بھی اس
قاعدے پر پورا اُترے وہی ولیِ خدا ہے۔ اور ہدایت کرنے کی قابلیت رکھتا ہے۔ مثال کے طور پر خداوند عالم نے
خلیلؑ و ذبیح علیہما السلام کا قصہ بیان فرمایا۔ تاکہ سمجھنے میں دقت نہ ہو حقیقی اولیاء اللہ اور نقلی اولیاء اللہ میں سرسری
نظر سے دیکھتے ہی فرق معلوم ہو جائے۔

خلیلؑ اللہ نے بخوشی خاطر آگ میں جلنا منظور کیا لیکن ایک گمراہ کی اطاعت منظور نہ کی۔
حکم ملتے ہی بیٹے کو اپنے ہاتھ سے ذبح کرنے کے لئے تیار ہو گئے۔ بلکہ چھری اس کی گردن پر پھرائی۔ حالانکہ اولاد
ایسی شے ہے جسکے لئے انسان تو انسان حیوان بھی اپنی جان قربان کرنے کے لئے تیار ہو جاتے ہیں اور حتی الوسع اس پر
آنچ نہیں آنے دیتے۔ پس خلیلؑ اللہ جیسے اولیاء اللہ میں شمار ہوں گے۔

اسمٰعیلؑ نے باپ کے خواب کا ذکر سنتے ہی مرنے پر رضامندی ظاہر کی۔ گویا وہ ہر وقت موت کے متمنی تھے۔
اگر ایسا نہ ہوتا تو جواب دینے سے پہلے کچھ سوچتے۔ لیکن یہاں تو ذکر ہی نرالا ہے ادھر سوال ہوتا ہے کہ تمہاری رائے کیا

رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی کے واقعات پر نظر ڈالئے۔

(۱) شب ہجرت۔ بستر رسول پر تلواروں کی چھاؤں میں کون آرام کریگا وہی جو موت کا طالب ہو۔ اور کوئی دل گردہ نہیں رکھتا۔ ولی اللہ ہو تو آرزوئے مرگ رکھے۔ غیر ولی اللہ اس مقام پر رو پڑتے ہیں۔ موت کی خیالی صورت ہاتھوں میں رعشہ پاؤں میں تشنج زبان پر فریاد لے آتی ہے۔ ہائے واویلا شروع ہو جاتی ہے۔ آنحضرت کو کہنا پڑتا ہے۔ لا تحزن ان اللہ معنا۔ غم (جزع فزع) نہ کر۔ اللہ ہمارا مددگار ہے وہ ہمارے ساتھ ہے۔

ولی اللہ ہوتے تو موت سے ڈرنا کیسا۔ اس کی آرزو ہوتی۔ اس کی خیالی صورت ہلال عید ہو جاتی۔

(۲) جہادوں پر نظر ڈالئے۔ صرف وہی لوگ جو عروس مرگ کے متمنی ہیں مرتے مارتے نظر آتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی فوج صرف یہی لوگ ہیں باقی تو محض دکھاوا ہی دکھاوا ہے۔ اولیاء اللہ ہوتے تو دشمنوں میں گھستے مرتے یا مارتے۔ جان کا خوف ہی نہ ہوتا

عمرو بن عبدود کی پکار ہے۔ سوائے ایک شخص کے دوسرا کوئی بھی آرزوئے مرگ نہیں رکھتا۔ ولی اللہ ہوتے تو آرزوئے مرگ سینہ میں لئے ہوئے مقابلہ پر نکل کھڑے ہوتے۔ تمنائے موت کرتے۔ موت سے بھاگنا بانگ بلند کہہ رہا ہے ولا یتمنونہ ابداً الخ کہ ان کو اپنی کیفیت اپنے اعمال معلوم ہیں اس برتے پر ابد تک موت کی آرزو نہیں کر سکتے کیونکہ ظلم کی مُہر ان پر ثبت ہے۔

(۳) اولیاء اللہ کا قاعدہ ہے کہ ادہر رائے پوچھی (حکم کی ضرورت نہیں) اُدہر لبیک کی صدا بلند ہو جاتی ہے ورنہ بادشاہ جابر کی فوج کے سپاہی بھی حکم ہوتے ہی جان دینے پر تل جاتے ہیں پھر دونوں میں فرق کیا ہو سکتا ہے۔ خلیل اللہ صرف رائے دریافت کرتے ہیں۔ دوسری طرف ولی خدا ہی فوراً مستعدی ظاہر کرتا ہے۔

ادہر رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) جان کے طالب نہیں اس کے بہت سے منظر دیکھ لیے۔ صرف کاغذ قلم دوات طلب کرتے ہیں۔ ہدایت نامہ تحریر کرنا چاہتے ہیں (اپنے لئے نہیں بلکہ ان لوگوں کے لئے جن پر ان زعمتم انکم اولیاء للہ صادق آتا ہے جو ہر وقت جان بچانے کی فکر میں رہے۔) تاکہ وہ گمراہ نہوں اولیاء اللہ کی شناخت کے لئے کہاں تک سہولت پیدا کی۔ تاکہ ظاہر ہو جائے کہ جان دینا تو درکنار حکم کی اطاعت نہ کرنیوالے اولیاء اللہ نہیں ہو سکتے بلکہ اس قابل ہیں کہ اس گروہ سے خارج کئے جاویں۔ اور عملاً قوموا عنی کا دُرّہ لگا کر سب کو اولیاء اللہ کی جماعت سے باہر نکالدیا۔

ایک جگہ سے نہیں نکالا بلکہ دو جگہ سے صحن مسجد سے نکالا۔ دروازہ بند کر دیئے۔ کیونکہ خدا کے گھر میں اُس کے دوست ہی آمد و رفت رکھ سکتے ہیں۔ بار دوم خانہ نبوت سے نکالا۔ تاکہ معلوم ہو جائے کہ خانہ نبوت اور خانہ خدا اولیاء اللہ کیلئے ہے غیروں کے لئے نہیں کیونکہ حکم الٰہی یہی تھا طہرا بیتی للطائفین والعاکفین والرکع السجود۔ پس جن کا طواف و اعتکاف رکوع و سجود محض خدا کے لئے تھا اور کبھی کسی غیر کے لئے نہیں ہوا ان کیلئے بیت اللہ موجود۔ بیت رسالت حاضر۔ ایک زچہ خانہ ہے تو دوسرا استراحت کا مقام

وشرکت بڑھ جاتی ہے۔ آدم علیہ السلام کی قدر و عزت فرشتوں سے بڑھ گئی۔ کیونکہ وہ اس نور الٰہی کے مظروف تھے جو باعث ایجاد خلق تھا ابراہیم علیہ السلام اپنے بیٹے کی تعظیم کے لئے اس لئے کھڑے ہو جاتے ہیں کہ آپ کی نسل میں اسوقت یہی ایک پسر تھا اور وہی مظروف نور الٰہی تھا۔ اسی پسر سے قطع تعلق کرنے کیلئے اسکو درگاہ الٰہی میں نذر کرنا پڑا: تاکہ نور الٰہی غیر از ملک الٰہی کسی ایسے کیطرف منسوب نہ ہو سکے جو غیر از ذات باری ہو اور اس نور کے ظرف کو اس کی عزت کے لئے جھکنا پڑے۔

خداوند عالم کی ملکیّت دنیا و ما فیہا سب ہی کچھ ہے خلیلؑ بھی ملک خدا اور پسر خلیلؑ بھی لیکن خلیلؑ اللہ کے اپنے پسر پر کچھ حقوق تھے جن کی ادائیگی اس پسر پر فرض تھی جب تک ایسے طریق سے دستبرداری نہ ہو جس کے بعد دعویٰ نہ چل سکے۔ یہ حقوق زائل نہیں ہو سکتے تھے۔ جسوقت خلیلؑ اللہ نے اپنا پسر نذر الٰہی کیا اور ذبح کرنے کے لئے چھری گلے پر پھیری تو آنحضرت نے اپنے کل حقوق خوشنودی حق کے حصول کی غرض سے اس چھری سے قطع کر ڈالے۔ یہ حقوق جسمانی تھے جو منقطع ہوئے کیونکہ جسم اسمٰعیلؑ پر قربانی کا قصد ہوا۔ اور روحانی تعلقات بدستور باقی تھے۔ صرف جسم اسمٰعیل سے ہر ایک قسم کے تعلقات جاتے رہے۔

خلّاق عالم نہ کسی چیز کا محتاج ہے نہ اسکو ضرورت لاحق ہوتی ہے۔ بادشاہ اپنی رعایا سے کسی نذرانے یا پیش کش کا محتاج نہیں ہوتا بلکہ ان کے ہدیئے ان کی خلوص نیّت اور عقیدت کا اظہار کرتے ہیں نذرانے کی رقم شاہی خزانے میں داخل نہیں ہوتی بلکہ حاجب دربار کی جیب میں جاتی ہے۔ اسی طرح تمام نذریں جو مقدّس مقاموں میں ادا کیجاتی ہیں۔ وہ مجاوروں یا اس مقدّس کے کاہنوں کی ملکیت قرار پاتی ہیں۔ چنانچہ ابراہیم علیہ السلام کا اکلوتا پسر (اسمٰعیلؑ) نذر الٰہی ہو کر ملکیت کاہن دربار کبریا ہو گیا۔

اسفار انبیائے سلف (کتاب پیدایش ۱۴ آیۃ ۱۸۔۲۰ و خط پولوس بنام عبرانیان ب ۶، ۷) سے معلوم ہوتا ہے کہ ازل سے ابد تک کاہن دربار کبریا "ملک صدق" یا "ملک صدوق" ہے۔ لہٰذا اسمٰعیلؑ علیہ السلام ملکیت پدر سے نکلکر اس کاہن دربار الٰہی کی ملکیت ہو گئے۔ یہ آیندہ ظاہر ہوگا کہ ملک صدوق کون تھا۔ یہاں پر اسی قدر کافی ہے کہ اسمٰعیلؑ کاہن دربار الٰہی کی ملکیت تھے۔ مالک کو اختیار ہے کہ جس طرح چاہے اپنی ملک میں تصرف کرے۔ دوسرے کو اس کی اجازت بغیر تصرف کرنا زیبا نہیں علاوہ ازیں اس ملکیّت کی کل پیداوار صاحب ملک کا مال ہو گی لہٰذا کسی غیر کا تصرف جائز نہیں ہو سکتا۔

سورۂ جمعہ کی آیۂ مبارکہ سے ہم دیکھ چکے کہ ظالم اولیاء اللہ نہیں ہو سکتے۔ اب یہ معلوم کرنا رہ گیا کہ ظالم کسکو کہتے ہیں۔ علماء، فلاسفر اور عقلاء نے ظلم کے معنی وضع الشیٔ فی غیر محلہٖ "کسی شے کو اس کے مقام مخصوص سے ہٹا کر دوسرے مقام پر رکھنا بتلاتے ہیں۔ لہٰذا ہم اسکو سیدھے سادے الفاظ میں "غیر تحفّظ مراتب" سے تعبیر کر سکتے ہیں۔

آیۂ قرآنی لعنۃ اللہ علی الظّٰلمین سے معلوم ہوتا ہے کہ "غیر تحفّظ مراتب" کچھ بڑا ہی گناہ ہے۔ جس کیوجہ سے خداوند عالم ظالموں پر لعنت کرتا ہے۔ لفظ "ظلم" کلام پاک میں متعدد مقامات میں مذکور ہوا ہے۔ مثلاً

(۱) فمن اظلم ممن کذب علی اللہ وکذب بالصدق اذ جاءہ۔ (اس شخص سے زیادہ اور کون ظالم ہے جس نے خدا پر جھوٹ بولا یا سچ کو جھٹلا یا جکہ سچ اس کے پاس آیا۔)

تھے۔ آپ کا خلافت کے متعلق اصحاب رسول سے احتجاج کرنا کتب تواریخ میں مذکور ہے۔ (روضۃ الاحباب تاریخ اعثم وغیرہ)
صحابۂ رسول مدعی ہیں۔ نحن معاشر الانبیاء لا نرث ولا نورث ما ترکناہ صدقۃ۔ یعنی پیغمبروں کو نہ میراث ملتی ہے۔ نہ
ان کی میراث کوئی لیتا ہے۔ جو کچھ ان کا ترکہ ہوتا ہے وہ صدقہ ہوتا ہے۔ دختر رسول کا اپنے باپ کی میراث طلب کرنا اور اس
حق مجسم (علیؑ) کا ان کے دعوے کی صداقت پر گواہی دینا دو صورت پیدا کر دیتا ہے۔
(۱) حدیث رسول سچی اور دعوے میراث و شہادت مرتضویٰ حق تھی۔ صحابہ رسول کی زبردستی تھی کہ باپ کی میراث
بیٹی سے چھین لی اور خود اس پر قابض ہو گئے۔
(ب) رسول اللہ (معاذ اللہ) کاذب تھے کہ ایک ایسے شخص کی نسبت جو آئندہ جھوٹ بولنے والا تھا حق مجسم کہہ گئے
اور اسی پر اکتفا نہ کی بلکہ ساتھ ہی یہ دعا بھی کر گئے۔ اللھم ادر الحق حیثما دار۔ خدایا جس طرف علی پھرے اسی طرف حق کو پھرا۔
اس طرح حضرت رسول مستجاب الدعواۃ بھی نہ تھے پھر ایسے رسول کو کیا کریں جو کاذب بھی ہو اور ظالم بھی۔ اور کلام
پاک سے جاہل بھی۔ حدیث میراث کو اب کہاں لیجائیں۔ سچی مانیں تو اسلام گیا جھوٹی کہیں تو بھائی ناراض۔
بھائی ناراض ہوں یا خوش ہم تو رسول کو سچا سمجھتے ہیں اور اس حدیث میراث کو وضعی کہتے ہیں۔ ورنہ رسولؐ کو
جھوٹا کہکر خدا سے دشمنی خریدنی پڑتی ہے جو رسول کے ہاتھ کو اپنا ہاتھ اور اس کے قول کو اپنا قول بتلاتا ہے۔ اس کے علاوہ
جو خدا پر افترا کرے وہ ظالم ہے۔
(۲) سورہ لقمٰن میں اذ قال لقمٰن لابنہ وھو یعظہ یٰبنی لا تشرک باللہ ان الشرک لظلم عظیم "(اس وقت
کو یاد کر، جبکہ لقمٰن نے اپنے بیٹے کو نصیحت کرتے ہوئے کہا اے میری لاڈلے اللہ کیساتھ کسیکو شریک کرنا کیونکہ شرک بہت بڑا ظلم
ہے" لہذا شرک بہت بڑا ظالم قرار پایا۔ اس لئے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دعا کی۔ اجنبنی و بنی ان نعبد الاصنام ط
رب انھن اضللن کثیرا من الناس "۔ خدایا مجھے اور میرے نور نظر کو بتوں کی پرستش سے بچا۔ کیونکہ ان بتوں نے تو ایک
دنیا کو گمراہ کر رکھا ہے"۔
پیشتر مذکور ہوا کہ اولیاء اللہ کا درجہ ظالم کو نہیں ملتا۔ اور ظالم یہاں پر مشرک و مفتری و غاصب ظاہر ہوا۔ لہذا
وہ شخص جو مشرک ہو غاصب ہو مفتری ہو ولی اللہ نہیں ہو سکتا یہی مراد آیۃ لا ینال عھدی الظلمین سے ہے عہد الٰہی (ولایت)
ظالموں کو نہیں مل سکتی۔ یہاں امامت کو عہد الٰہی کہا گیا جب امامت ظالمین کو نہیں مل سکتی تو ولایت مطلقہ تو بالاولیٰ نہیں ملسکتی
اگر ظالم کو ولایت (امامت (حکومت روحانی) عہد الٰہی) مل سکتا ہے تو وعدۂ الٰہی غلط اور دعائے خلیل مسترد۔ (معاذ اللہ
من ذلک) ہوتی ہے۔ ورنہ ظالم ابنیت خلیل سے خارج ہے جیسا کہ پسر نوحؑ خارج ہوا۔
آیات مذکورہ بالا سے ظاہر ہے کہ عہد الٰہی کے حصول کے لئے عصمت کی ضرورت ہے ظلم صغیر ہو یا کبیر، گناہ ضرور ہے اور گنہگار
معصوم نہیں کہلا سکتا۔
ہاں یہ سوال اٹھ سکتا ہے کہ تائب ہو کر جو شخص گناہ سے مجتنب رہے وہ ظالم نہیں کہلا سکتا۔ لہذا وہ ولایت سے کیوں خارج ہو گا؟

و پوست میں سرایت کرچکی ہو وہ زبانی اقراری جیسے صاف ہوسکتی ہی سونیکا کھوٹ آگ پر پانی بناکر نکلتا ہی۔ دہونیسے صرف ظاہری میل زائل ہو جاتی ہی رنگ نکھر جاتا ہی۔ کھوٹ نہیں نکلتا۔ اسی طرح ظالم اپنے ظلم سے باز آگر تائب کہلائیگا۔ معصوم نہیں ہوسکتا۔ معصوم تو وہی ہی۔ جو ظلم سے قطعًا نا آشنا ہو۔

لہذا ثابت ہوا کہ اولیاء اللہ وہی ہیں جو معصوم ہیں ہر وقت راہ خدا میں موت کے شائق۔ اگر ایسے اولیاء اللہ کے ہاتھ میں ہاتھ دیا گیا تو بیڑا پار ہوگا۔ اگر اس کے غیر کے ہاتھ میں ہاتھ دیا تو گئے گذرے ہوئے کیونکہ جو خود گم ہو وہ دوسروں کا رہبر نہیں ہوسکتا۔

اسمٰعیل علیہ السلام جو آیہ جمعہ کے مطابق ولی اللہ ثابت ہو چکے۔ پدر کی ملکیت سے خارج ہو کر کاہن دربار الٰہی یعنی ملک صدق" کی ملکیت قرار پائے۔ ایک ولی اللہ غیر ولی اللہ کی ملکیت نہیں ہوسکتا بلکہ کسی ایسے کی ملکیت ہوگا۔ جو مرتبہ ولایت سے بھی کوئی بلند درجہ رکھتا ہو۔ ایسا شخص وہی ہوسکتا ہی جو ولی مطلق یعنی مختار کار خانہ قدرت ہو جیسا کہ پیشتر آیہ والی ہدایۃ ان اللہ اشتری من المومنین کے تحت میں اس کا ذکر ہو چکا۔ پس ملک صدق مختار کار خانۂ قدرت قرار پایا۔ اس کی ملکیت خدا کی ملکیت اور خدا کے دوست اس کے دوست قرار پائیں گے۔

ملک صدق کا ذکر اپنے مقام پر آئیگا۔ (دانش)

ابراہیم علیہ السلام کے تذکرے سے خداوند عالم کو یہ تعلیم دینا منظور تھی کہ خلیلؑ جو بُت شکن تھا بُت پرست نہ تھا، اطاعت حکم الٰہی سے (نہ کہ مخالفت سے) رسالت و خلت کے درجات سے ترقی کرکے امامت کے درجہ پر پہونچا۔ اور ارشاد باری ہوا۔ انی جاعلک للناس اماماً۔ اے ابراہیم چونکہ تونے اپنے بیٹے ہاں اکلوتے بیٹے کو جسے تو پیار کرتا ہی مجھ سے عزیز نہ رکھا دیکھ میں تجھے بے نہایت بڑھاؤں گا۔ برکتوں پر برکتیں نازل کرونگا۔ زمین کے تمام گھرانے تجھ سے برکت پائیں گے۔ دیکھ تیری زوجہ سارہ تیرے لیے بیٹا جنے گی تو اس کا نام اسحٰق رکھیو میں اپنا عہد جو ابدی عہد ہی اسکے ساتھ باندھوں گا۔" (توریت کتاب پیدائش باب ۱۷ آیہ ۱۶) یہ وہ برکت ہی جس سے خلیلؑ اللہ سب مخلوق الٰہی کے امام و پیشوا کہلائے۔ کوئی عمل خیر بغیر وساطت آنحضرت مقبول نہیں ہوسکتا۔

خلیل اللہ کو امامت مل گئی۔ دوسرے بیٹے کی بشارت اور اس کیساتھ ابدی معاہدہ کی خوشخبری بھی ملی لیکن جس نازوں کے پالے کی گردن پر چھری رکھی جس نے بطیب خاطر اپنی جان راہ خدا میں نذر کی اس کی نسبت کچھ تذکرہ نہیں دل نے نہ مانا۔ آخر عرض کی۔ ومن ذریتی۔ اور میری اس ذریت میں بھی امامت کا درجہ کرامت فرما جس نے تیری خوشنودی کے لیے اپنی جان سے دریغ نہ کیا۔ جواب ملا۔ لاینال عہدی الظلمین۔ ظالموں کو تو یہ عہدہ ملیگا نہیں جو ظالم نہ ہوں گے ان کو مل جائیگا۔

کتاب پیدائش باب ۱۷ آیہ ۱۹۔۲۰ میں یہی ذکر مفصل درج ہی وہو ہذا۔

"اور اسمٰعیلؑ کے حق میں میں نے تیری سنی۔ دیکھ میں اسے برکت دوں گا۔ اور اسے برومند کروں گا۔ اور اسے بہت بڑھاؤنگا

تھا اس لئے امامت اولاد اسمٰعیلؑ میں بارہ کی تعداد میں منحصر ہوگئی۔ امام سردار دینی ہوتا ہے۔ ورنہ اولاد اسمٰعیلؑ میں دنیوی سرداروں کی تعداد از اندازِ شمار ہے۔ سرداری کا بارہ میں حصر کر دینا لغو ہوگا۔ بجز اس صورت کے کہ سرداری سے سردار روحانی مراد ہو جیسا کہ صحیفہ میکاہ ۵ آیۃ ۵ میں یہی لفظ "سردار" حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نسبت مستعمل ہوا ہے۔ مسیح علیہ السلام کسی دنیاوی سرداری پر ممتاز نہ تھے لہذا سرداری سے مراد سردار روحانی ہے جس کو امام کہتے ہیں۔ یہ آیندہ ظاہر ہوگا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام جو نسل اسحٰق علیہ السلام سے بڑے عظیم الشان پیغمبر ہوئے۔ اسی "ملک صدق" کے طریق کے سردار کاہن مقرر ہوئے۔

حضرت انسان کو کچھ اسی میں لطف آتا ہے کہ اصل واقعات کو چھپائے اور غلط واقعات کو شہرت دے چنانچہ بہت سی قومیں ایسی موجود ہیں جو قربانی اسمٰعیلؑ کی منکر ہیں اور اس کی جگہ قربانی اسحٰقؑ کی معتقد۔ حالانکہ توریت میں اکلوتے بیٹے کی قربانی مذکور ہے۔ لیکن وہ یہی کہتے چلے جاتے ہیں کہ قربانی اسحٰق علیہ السلام کی ہوئی جو توریت کے مطابق اسمٰعیلؑ سے چودہ سال بعد پیدا ہوئے کوئی عقلمند تو اسحٰق علیہ السلام کو اکلوتا پسر کہہ نہیں سکتا۔ ہٹ دھرمی کا علاج نہیں۔

دراصل دنیا میں کوئی ایسا اہم واقعہ یا مسئلہ نہیں ہو جس کے سب ہی قائل ہو گئے ہوں۔ تجربہ تو یہی کہتا ہے دس موافق ہوں تو سو منکر ہوتے ہیں۔ طوفان نوحؑ ہی کو دیکھئے کسقدر افراد انسانی اس کے منکر نظر آتے ہیں۔ کیسے کیسے زبردست دلائل فلسفیہ اس کی تردید میں پیش کرتے ہیں لیکن اصل واقعہ پر اس انکار سے کوئی اثر نہیں پڑتا۔ مرزا حیرت نے واقعۂ کربلا سے انکار کیا۔ یہ تو واقعات دنیاوی ہیں ایسے انسان بھی موجود ہیں جو خدا کے وجود سے منکر ہیں بڑے بڑے دلائل پیش کرتے ہیں ان کے انکار سے وجود الٰہی مفقود نہیں ہوتا فی الحقیقت مخالفت ہی شہرت اور بقائے دوام کا راز ہے۔ غور کیجئے اگر شیطان علیہ اللعن آدم علیہ السلام کا مخالف نہ ہوتا تو اس خاکی پُتلے کا شرف کیسے ظاہر ہوتا عاجزی کے جوہر پنہاں رہتے بلکہ اب تک یہ واقعہ نسیاً منسیا ہو گیا ہوتا۔

اسی طرح قربانی اسمٰعیلؑ کے احیا کا باعث یہ مخالفت ہی ہے۔ یہ مانا کہ نذر الٰہی ہو کر خلیلؑ نے اپنے حقوق سے اسکو آزاد کر دیا لیکن ابنیت خلیلؑ سے تو خارج نہیں ہوا۔ دنیاوی منافع طرفین ساقط ہو گیا اور بس۔

خود بنی اسرائیل میں یہی مثال موجود ہے۔ بنی لاوی خدمت الٰہی کے لئے وقف ہیں حضرت یعقوب علیہ السلام کے ترکۂ دنیاوی سے محروم رہے کیا وہ نسل اسرائیل سے خارج سمجھے جاتے ہیں اگر نہیں سمجھے جاتے تو اسمٰعیلؑ کس قصور کی پاداش میں خارج ہوئے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اس خیال کی تردید کی کہ مسیا د رسول موعود) داؤدؑ کی نسل سے ہوگا۔ (اس زمانے میں بنی اسرائیل کا عقیدہ تھا کہ مسیا اسحٰقؑ کی اولاد میں داؤدؑ کے گھرانے سے ہوگا) لیکن ہٹ دھرمی اور ضد کا کیا علاج۔ انجیل لوقا ۲۰ ۴۱۔۴۴ میں یہ مکالمۂ مسیح اس طرح درج ہے "پھر اس نے ان سے کہا مسیح کو کس طرح داؤدؑ کا بیٹا کہتے ہیں۔ داؤد تو زبور (۱۱۰) میں آپ کہتا ہے کہ "خداوند نے میرے خداوند سے کہا میری دہنی طرف بیٹھ جبتک میں تیرے دشمنوں

طرح کہتے۔ کیا مسیح علیہ السلام نسل داؤد علیہ السلام سے انکاری ہو کر ان پیشینگوئیوں کے مصداق ہو سکتے ہیں جو ان کی نسبت اسفار میں موجود ہیں۔ اس طرح وہ مکذب نبوت قرار نہ پائیں گے؟ (معاذ اللہ منہا)، ورنہ آنحضرت کا بیان قطعاً رسول موعود کو غیر از بنی اسرائیل ثابت کرتا ہے۔ اس کی تصدیق ایک دوسرے مقولہ سے بھی ہوتی ہے جو انجیل متی باب ۲۱ آیۃ ۴۳ میں اس طرح مذکور ہے۔

"اس لئے میں تم سے کہتا ہوں کہ خدا کی بادشاہت تم سے لیجائے گی اور اس قوم کو جو اس کے پھل لائے دیدیجائیگی" نبوت کا ثمر امامت ہے کیونکہ نبوت بادشاہی ہے اور امامت سرداری۔ وعدۂ الٰہی کے بموجب سرداری بنی اسمٰعیل میں حصر ہوئی لہذا نبوت بھی اسی قوم میں آگئی تاکہ سردار بغیر بادشاہ کے نہ رہیں لہذا اس نور الٰہی کو جو باعث ایجاد خلق تھا۔ خلاق عالم نے دو ٹکڑے کیا۔ نصف حصہ رسالت پر اور بقیہ نصف امامت پر قایم ہوا۔ اسی کو جناب ختم مرتبت نے انا و علی من نور واحد سے ظاہر فرمایا۔ اول نصف کل بنی آدم سے افضل ہو تو دوسرا نصف کیوں افضل نہ ہوگا۔ مفضول کو افضل سے اعلیٰ سمجھنا حضرت انسان ہی کا کام ہے۔ ورنہ الٰہی قاعدہ یا قانون قدرت تو ھل یستوی الاعمیٰ والبصیر میں موجود ہے۔ اندھا آنکھوں والے کے برابر نہیں ہوتا اسی طرح بے بصیرت صاحب بصیرت کی برابری نہیں کر سکتا۔ بے بصیرتی بتوں (اصنام واوثان) کے سامنے سجدے کرنے سے ظاہر ہے۔ اور بصیرت کلمہ "کرم اللہ وجہہ" سے ثابت۔

قربانی اسمٰعیلؑ کی غایت پر جسقدر غور کیا جائے اس کے اثبات کے نئے نئے پہلو نکلتے چلے آتے ہیں ان وجوہات میں ایک یہ بھی ہے جو کتاب "پیدائش" کے مطالعہ سے ثابت ہوتا ہے۔

حضرت اسمٰعیلؑ اور آپ کے دوسرے بھائی بھتیجے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ایسی عمر میں عطا ہوئے جبکہ بڑھاپے کے باعث آپکو اس امر کی توقع ہی نہ ہو سکتی تھی۔ پیری و صد عیب مشہور ہے۔ پس جو کچھ آپ کو علاوہ نعمت غیر مترقبہ اور مال غنیمت تھا جس کی کوئی امید حصول نہ تھی۔

توریت (کتاب پیدائش) اور انجیل (خط پولوس بنام عبرانیان) میں ذکر ہوا ہے کہ ابراہیم علیہ السلام نے اپنے کل مال غنیمت کی "دہ یکے" ملک صدق کو دی (جو دربار کبریا کا ازلی کاہن تھا۔) اس نے آنحضرت کے لئے دعا کی اور برکت دی۔ یہ بھی مذکور ہے کہ۔ خضر الاعمار شاہ عراق کی مال غنیمت سے آنحضرت نے خود کوئی حصہ نہیں لیا۔ اب سمجھ میں نہیں آتا وہ کونسا مال غنیمت ابراہیم علیہ السلام کے پاس تھا جس کی "دہ یکی" آپ کو دینی پڑی بجز اسکے کہ اولاد آپکے پاس نہ تھی۔ کاہن ازلی نے دعا کی اور آپنے نذر مانی کہ دسواں حصہ اولاد کا نذر الٰہی یا کاہن مذکور کا مال ہوگا۔ توقع تو تھی ہی نہیں جو کچھ علاوہ کاہن ازلی کے توسل سے۔ اس لئے جب اسمٰعیلؑ پیدا ہوئے تو دعا کے مستجاب ہونے اور دس بیٹے ہونے کی امید ہو سکتی تھی۔ وعدے کے مطابق پہلوٹھا مال کاہن مذکور تھا

اب اس خواب ابراہیم علیہ السلام پر غور کریں تو یہی معاملہ نظر آتا ہے۔ آپ کو وعدہ یاد دلایا جاتا ہے کہ یہ پہلوٹھا کاہن

پندرہ بچوں کی پرورش کی۔ پندرہ کا دسواں حصہ ۱½ امال کاہن مذکور قرار پائیگا۔

ابراهیم

قطورہ۔ زوجہ	سارہ۔ زوجہ	ہاجرہ۔ زوجہ
زمران، یقسان، مدان، اسباق، مدیان، شواع	اسحٰق	اسمٰعیل

یقسان: شیبہ، ددان
مدیان: عیفا، عیفر، حنوخ، عبیدہ، الدعہ
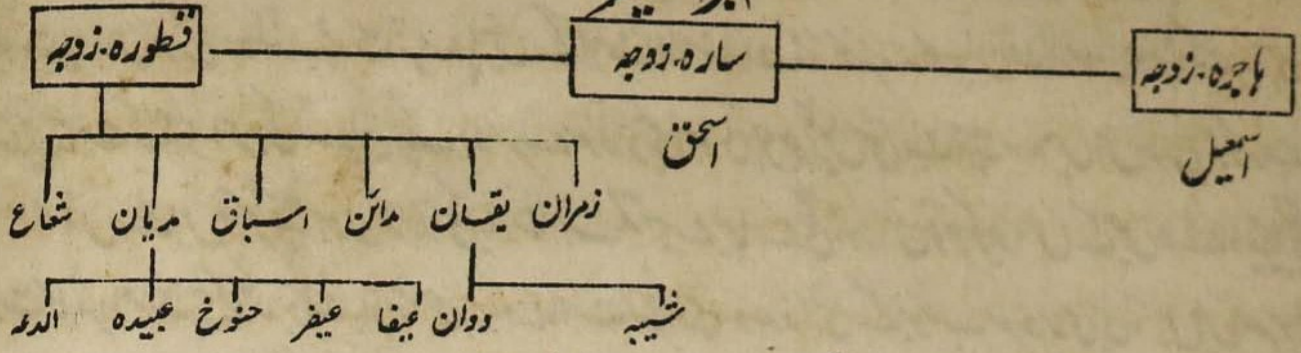
یہ اولاد ہی جو آپ کی حیات میں آپ کی ازواج نے پرورش کی

"وہ پہلے" کے مطابق اسمٰعیل پہلوٹھے تھے۔ ملکیت کا ہن ہو گئے۔ دوسرا بڑا بیٹا بھی نصف ملکیت کا ہن۔ اس لئے ایک طرف خدمت پدر اور دوسری جانب خدمت کاہن دربار الٰہی اس کے ذمہ قرار پائیں۔ تاکہ حیات پدر میں اس کی خدمت اور اس کے بعد اس عہد کے مطابق جو اس کے ساتھ ہوا۔ وہ آمد ملکِ صدق کا اعلان کرتا رہے۔ اس کی اولاد بھی اسی اعلان کو دہراتی رہے۔ یہانتک کہ ان کا آخری اعلان کرنیوالا اس کاہن دربار کبریا کے طریقہ کا عَلم اور اس کا تابع قرار پائے۔ اس وعدے کا وجود اسفار میں موجود ہے جو متواتر آمد ملک صدق کا اعلان کرتے رہے۔ اور آخری معلن یا مبشر کی نسبت ارشاد کر گئے "تو ملک صدق کے طریقہ کا ابد تک کاہن ہے" (زبور ۱۱۰ وخط پولوس بنام عبرانیان)

یہ تھی غایت قربانی اسمٰعیلؑ اور اس کے گلے پر چھُری نہ پھرنے کی۔ کیونکہ رازِ نجاتِ عالم نے اس کی نسل میں پیدا ہونا تھا وہ مظروف نور الٰہی تھا۔ اس مکان کا انہدام خلاف مصلحت تھا جسکا مکین اندر موجود تھا۔ اَنّ ھٰذا لھو البلٰؤ المبین وترکنا علیہ فی الاٰخرین۔ یہ بڑی سخت آزمایش تھی اس کی ابتدا تو یہاں ہوئی تکمیل زمانہ آخر پر چھوڑ دی گئی۔ تاکہ اصلی اور نقلی اولیاء اللہ میں جو زمانہ آخر میں پیدا ہوں گے تمیز ہو جائے۔ طالب ہدایت ادنیٰ تفکر سے منزل مقصود پر پہونچ جائے۔

بعد از اسمٰعیلؑ علیہ السلام سلسلۂ نیابت اون کے بھائی اسحٰق علیہ السلام کو ملا۔ مجاوری بیت اللہ و تعلیم فرائض حج کا کام قیدار کے سپرد ہوا حضرت یعقوب علیہ السلام حیات پدر میں نبوت پر فائز ہو گئے ان کی حیات میں ہی یوسف علیہ السلام نبی ہوئے باپ سے انکو بھی علیحدہ ہونا پڑا حضرت یوسف علیہ السلام کے بعد تقریباً تین سو سال تک سلسلہ نبوت اس خاندان میں بند رہا۔ اسحٰق علیہ السلام کی وفات پر ان کا بڑا پسر عیساؤ (الیسّع) نبی ہوئے۔ اور الیسعؑ سے یہ سلسلہ الہمیسعؑ کو ملا کچھ امانتیں اُن کی اولاد میں وصایت کے طور پر رہیں جو آخری وصی (شعیب علیہ السلام) نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو مدین میں سپرد کیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام حضرت الہمیسع سے اکتالیس سال چھوٹے تھے۔ جیسا کہ آیندہ تاریخوں سے ظاہر ہوگا۔ الہمیسعؑ کے بعد اولاد اسمٰعیلؑ علیہ السلام میں سلسلہ حامل الوصایا شروع ہو نبوت کا سلسلہ بنی اسرائیل میں جاری ہوا۔ لہٰذا تاریخ میں آیندہ یہی سلسلہ آئیگا۔

حضرت یعقوب علیہ السلام نبوت پر فائز ہو کر اپنے پدر سے علیحدہ ہوئے اور اپنے ماموں کے پاس چلے گئے اُسی جگہ اپنی ماموں کی دو لڑکیوں سے یکے بعد دیگرے نکاح کیا۔ لیّہ پہلے نکاح میں آئیں۔ اور راحیل بعد میں۔

چار پسر کل بارہ پسر تھے سب بیٹوں میں حضرت یوسف علیہ السلام زیادہ عزیز تھے۔ اس کے بعد بنیامین آپکا چھوٹا بھائی لیکن حضرت یوسف علیہ السلام سے اسقدر محبت تھی کہ ایک گھڑی کیلئے جدائی گوارا نہ تھی بعض یہ خیال کرتے ہیں راحیل محبوبہ یعقوب علیہ السلام تھی اس لئے اس کی اولاد زیادہ عزیز تھی۔ اغلباً یہ وہ لوگ ہیں جو نبوت سے واقف نہیں حضرت یعقوب علیہ السلام نبی تھے ان کو معلوم تھا یوسف نبی ہوگا جسوقت حضرت یوسف ؑ نے اپنا خواب باپ سے بیان کیا آپ نے معلوم کر لیا کہ صغرسنی کی نبوت باپ بیٹے میں جدائی ڈالیگی۔ دوسرے بھائی جو عمر میں بڑے ہیں حسد کریں گے اسلئے راز کو پوشیدہ رکھنا چاہا۔ یوسف ؑ کو ہر وقت نظروں کے سامنے رکھا۔ مبادا اُن کو خبر ہو جائے اور یوسف ؑ کو نقصان پہنچائیں۔ اُن کو باپ کا اس پسر سے زیادہ محبت کرنا پہلے ہی ناگوار تھا۔ یہ خبر بھی رفتہ رفتہ سن پائی۔ آخر خلیفۂ منصوص کے خلاف مشورہ ہوتا ہے۔ تجویز پاس ہو جاتی ہے حضرت یعقوب علیہ السلام بھی سمجھتے ہیں یوسف ؑ پندرہ سالہ ہو گیا ضرور جدائی ہو جائے گی لیکن جو مصائب بیٹے پر پڑنے والے تھے ان کا خیال رو رو کے گھڑی گھڑی کرتا تھا۔ حکم الٰہی سے مجبور ہیں ہر وقت بیٹے کے جمال پر نظر ہے۔ چاہتے ہیں خوب دل بھر کے جمال دیکھ لوں

بخت دیر کرکے دوسرے بیٹے ایکدن آنحضرت سے کہنے لگے آپ نے تو یوسف ؑ کو کمزور بنا دیا۔ نہ باہر کی تازہ ہوا اسکو میسر ہوتی ہے جو شگفتگی آئے نہ اوچھلنا کودنا نصیب ہوتا ہے کہ ہاتھ پیر چست وچاق ہوں۔ یہ تو اس غریب پر بڑا ظلم ہے آپ اسکو ہمارے ساتھ بھیج دیجئے ہم اس کی حفاظت کریں گے۔ تازہ ہوا اور میدان کی دوڑ دھوپ سے اس کا دل بہلے گا۔ اس طرح دلائل سے آنحضرت کو معقول کرنے کی کوشش کرتے ہیں لیکن آنحضرت راضی نہ ہوتے تھے۔ یہانتک کہ حضرت یوسف ؑ نے بضد ہوکر جانے کے لئے باپ سے منظوری لی۔ آنحضرت کو معلوم تھا کہ اُن کا منصوبہ کیا ہے۔ یہ بھی علم تھا کہ جدائی کی گھڑی آپہونچی ہے۔ لیکن ان کو متنبہ کرنے کے لئے کہا۔ مجھے خوف ہے۔ مبادا تم اس سے غافل ہو جاو۔ اور اُسکو بھیڑیا کھا جائے یہی ان کا منصوبہ تھا لیکن پتہ کی بات سنکر کہنے لگے بھلا ایسا ہو سکتا ہے کہ ہمارے ہوتے یوسف ؑ کو بھیڑیا کھائے۔ آخر یوسف ؑ بھائیوں کے ہمراہ روانہ ہوئے حضرت یعقوب علیہ السلام بھی بیٹے کی مفارقت میں روتے ہوئے ان کے عقب میں روانہ ہوتے ہیں۔ آبادی سے باہر دور تک چلے جاتے ہیں۔ بیٹے باپ کو عقب میں آتے دیکھکر ان کو بمنت وسماجت واپس کرتے ہیں آنحضرت نظروں سے اوجھل ہوئے اور اُن کے تیور بدلے۔ اسی یوسف ؑ کو جسے اسوقت تک باری باری دوش پر سوار لائے اب زمین پر پٹخ دیا جاتا ہے چاہتے ہیں کہ قتل کر دیں۔ لاوی اور یہودا اس فعل سے مانع آتے ہیں جان کے محافظ بنتے ہیں لیکن پٹائی جسقدر ہونی تھی ہوئی۔ پھر شوریٰ قائم ہوا۔ اور یوسف علیہ السلام کے خلاف اثر پڑنے لگیں قدرت نے شاید یہ بھی ایک کسوٹی مقرر کر دی تھی کہ خلیفہ برحق کے خلاف شوریٰ ہوا کرے تاکہ حقیقی خلیفہ سے ایک دو کا تخلف نہیں بلکہ مجمع کا تخلف ہو اور باوجود اس کے خلیفۂ خدا پر اسکا کوئی اثر نہ ہو وہ اپنے منصب پر قائم رہے اور اجماع والے اپنی مخالفت سے اپنی ہی عاقبت خراب کرلیں۔ مخالفت حضرت یوسف علیہ السلام اور ان مشوروں کا نتیجہ نکلا کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کی نظروں میں عزیز ہو گئے یا یوسف ؑ کیجگہ ان کو نبوت مل گئی وہ تو جسکا حصہ تھا

اس ذکر میں بھی آیندہ نسلوں کے لئے خداوند عالم نے نصیحت کے دفتر بہر دیئے بتلا دیا کہ خلیفہ برحق کے مخالف اعتبار ہی نہیں ہوتے بلکہ اپنے بھی ہو جاتے ہیں قتل کے منصوبے کرتے ہیں گھر سے بے گھر آزادی کی جگہ غلامی کا حلقہ کان میں محبت کے بدلے عداوت عزت کی بجائے ذلت دینے کا مشورہ کرتے ہیں لیکن خلیفۃ اللہ کی حقیقت آخر کار نمایاں ہوتی ہے۔ یہ منصوبے باندہنے والے سامنے ہاتھ باندہے معافی مانگتے ہوئے اور اس کی روحانی حکومت کو تسلیم کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ ایک معمولی انسان کا یہ حوصلہ نہیں کہ اسقدر صدمات برداشت کرنے کے بعد اگر اس کے دشمن اس کے قبضہ میں آجائیں۔ لا تثریب علیکم الیوم کہکر ان کے گذشتہ اعمال کو خیال بھی نہ کرے۔ یہ صرف اسی کا حصہ ہے جو خلیفۂ منصوص اور مظہر اوصافِ خالقِ کل ہو۔

بعینہ اسی قسم کا واقعہ اس امت میں گذرا۔ رسول مقبول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا اعلان نبوت کرتے ہیں۔ یگانے بیگانے خون کے پیاسے نظر آتے ہیں قتل کے منصوبے ہوئے گھر سے بے گھر ہونا پڑا۔ آخر زمانہ پلٹا۔ وہی لوگ جو قتل میں کوشاں تھے۔ ہاتھ باندہے سامنے آئے۔ اس آئینۂ جمالِ الٰہی نے رحمت کا سماں دکھلایا۔ حضرت یوسفؑ کی طرح لا تثریب علیکم الیوم کا اعادہ کرکے دکھلادیا اور حقیقی خلافت الٰہی کی شان ظاہر کردی۔

رسول پر یہ واقعہ گذرا۔ تو وصی رسول و خلیفۂ منصوص کیونکر بچے۔ الولد سر لابیہ بیٹے میں باپ کا اثر ضرور ہوتا ہے اور نائب میں اپنے منیب کی جھلک نظر آتی ہے۔

جنگ جمل کے واقعات پر غور کیجئے۔ اور خود ہی انصاف کرلیجئے خلیفہ برحق اپنے منیب کی شان عفو ظاہر کرتا ہے۔ یا نہیں۔ جنگ جمل کی ہیروئن اپنے پدر کی سنت کے موافق تھیں یا مخالف۔

حضرت یعقوب علیہ السلام نے آنکھوں سے اپنے پسر کے مصائب نہیں دیکھے محض اپنے علم کی بنا پر ان مصائب نے اسقدر رولایا کہ بصارت جاتی رہی معلوم تہا بیٹے پر کیا حادثہ گذرا۔ یہ بھی معلوم تھا کہ وہ زندہ ہے پھر ملجائیگا لیکن اس آغوش کے پالے کا عالم تنہائی میں اتنے مصائب اٹھانا ایسا خیال جانفرسا تہا کہ ادہر دل میں خیال آیا اودہر آہ کے ساتھ وا اسفیٰ علیٰ یوسف وابیضت عینہ من الحزن فھو کظیم۔ ہائے یوسف کا دلخراش کلمہ زبان سے نکلتا۔ اور آنسوؤں کا دریا آنکھوں سے بہتا۔ یہ حالت ہوگئی کہ آنکھیں روتے روتے سفید ہوگئیں اور غم نے گھلا کر نحیف و زار بنا دیا آخر ضبط نہ رہا وصال پسر کے لئے دست تمنا درگاہ قاضی الحاجات میں دراز کئے۔ دعا قبول ہوئی لیکن مصائب نے حضرت یوسفؑ کا چہرہ اسقدر بدلدیا تہا کہ آپکے حقیقی بھائی آپ کو شناخت نہ کرسکے جب تک آنحضرت نے خود اپنا نام نہ بتلایا ان کو معلوم نہ ہوسکا۔

حضرت یعقوب علیہ السلام کا یہ تذکرہ بھی تمثیلاً کلام پاک میں مذکور ہے۔ جناب خمسی مرتبت اُن تمام واقعات سے واقف تھے جو امت کے ہاتھ سے ہونیوالے تھے جس روز آنحضرت صلوٰۃ اللہ علیہ و آلہ نے انکا ذکر اپنی دختر سے کیا گھر بھر میں کہرام مچ گیا مجلس عزا قائم ہوئی اس لئے نہیں کہ واقعہ ہوچکا تہا۔ بلکہ ان مصائب کا خیال جو نسل رسول پر وارد ہونے

کتب مقاتل وسیر میں تحریر ہے کہ جب شور گریہ کم ہوا تو بضعۂ رسولؐ نے اس واقعہ کے ہونیکا زمانہ دریافت فرمایا آپنے ارشاد فرمایا اے فاطمہؑ یہ واقعہ اسوقت ہوگا جبکہ نہ میں دنیا میں موجود ہوں گا۔ نہ تو ہوگی۔ نہ علیؑ۔ اور نہ حسنؑ پس جب وقت وصال آنحضرت ہوا تو باپ کی مفارقت کا صدمہ ایک طرف، گھر کی تباہی کا نقشہ دوسری جانب جناب سیدہ معصومہ کو بیتاب کئے ہوئے تھا۔ باپ کا جنازہ پڑا ہوا تھا۔ اور اصحاب پدر غائب تھے۔ اتنا بھی نہ تھا کہ کوئی دلاسہ دے۔ باپ کا پُرسا دے۔ آخری ٹھکانے لگانے میں ہاتھ بٹائے جس کے دروازے پر کل شام تک جان نثاروں کا جمگھٹا ہوا اور آج باپ کی آنکھ بند ہوتے ہی میدان صاف نظر آئے اسکے رنج والم کا کیا پوچھنا اسلئے آل مخدومۂ کونین نے سمجھ لیا کہ زمانۂ مصائب شروع ہوگیا اولاد کی تباہی کا وہ زمانہ جسکا ذکر پدر بزرگوار نے کیا اب قریب ہے۔ بیقراری بڑھ گئی جب باپکے دوستوں کو اپنے دروازے میں آگ لگاتے دیکھا تو کل ہونیوالے واقعات کا نقشہ آنکھوں میں پھر گیا۔ تاب ضبط گریہ باقی نہ رہی اصحاب رسول کے سلوک نے جناب سیدہ کی امیدوں پر پانی پھیر دیا۔ صدموں پر صدمے سہنے پڑے۔ پھر رونا بند ہوتا تو کیونکر، یعقوب علیہ السلام کی زندگی کا مدار امید وصال پسر تھی۔ لیکن یہاں کون سی امید باقی رہگئی تھی جس کا سہارا ہوتا آخر رنج والم نے رشتۂ حیات قطع کر ڈالا۔

یہ تذکرہ بجائے خود خلیفۂ منصوص وخلیفۂ منصوب کا فرق ظاہر کرتا ہوا احباب صادق ویاران بیوفا کا پتہ دیتا ہے بقول سعدیؒ ؎

دوست مشمار آنکہ در راحت زند ⁂ لاف یاری و برادر خواندگی
دوست آں باشد کہ گیرد دست دوست ⁂ در پریشاں حالی و درماندگی

آل رسولؐ کی پریشانی اور رسولؐ کی درماندگی کا اسوقت سے بڑھکر اور کونسا وقت ہوسکتا ہے۔

اصحاب رسولؐ کے زبانی دعوے عشق رسول ومحبت آل رسولؐ کی کسوٹی بلبل شیراز نے اس رباعی میں اس طرح قائم کی ہے کہ بیوقوف سے بیوقوف بھی معاملہ کی تہ تک پہنچ سکتا ہے۔ اگر اسکو حق کی تلاش ہو اور کلام خدا کے رموز سے واقف ہو لیکن اگر معاملہ دگرگوں ہے" تو پہنچنا کیسا سر پڑ پڑ نالہ اپنے مقام پر ہی رہیگا"۔ خدا سجھائے، رسول پڑھائے، علم روشنی دے، سب بے سود۔ سوئے ہوئے کا جگانا ممکن لیکن جاگتا ہوا دم سادھے اور سوتا ہوا بنجائے۔ اس کا جگانا مشکل بلکہ ناممکن۔ کیونکہ قرآنی تصدیق موجود ہے۔ افلا یتدبرون القرآن۔ ام علی قلوب اقفالہا۔ کیا یہ لوگ قرآن میں تدبر نہیں کرتے۔ یا ان کے دلوں پر (جہالت) کے قفل لگے ہوئے ہیں۔ واقف ہوکر جاہل بنتے ہیں غور وخوض نہیں کرتے یا حیوان مطلق ہیں؟

اسلاف کے کارنامے اخلاف کے لئے سبق ہوتے ہیں۔ ہدایت کے صحیفے ہوتے ہیں عقل کی جلا کرتے ہیں لیکن

کلام پاک میں کوئی ذکر ایسا نہیں آیا جسکا تعلق اس امت سے نہ ہو۔ ہدایت کامل وہی ہے جس میں ہر ایک قسم کی تعلیم موجود ہو۔ دونوں راستے دکھلائے ہوں۔ دل میں آئے سیدھے راستہ پر چلے یا اُلٹے پر۔ انا ھدینٰہ السبیل امّا شاکراً و اما کفوراً۔ زبردستی نہیں۔ یہ تو کرنی بھرنی ہے۔ اُلٹے راستہ چلکر منزل مقصود پر کیوں کر پہنچ سکتا ہے بقول سعدیؒ

ہر آنکہ تخم بدی کشت و چشم نیکی داشت گمان بیہودہ بخت و خیال باطل بست یعنی

کانٹے بوتے ببول کے انبہ کہاں سے ہوں

خیر گذشتہ سے پیوستہ۔ دعائے یعقوب علیہ السلام برائے وصال پسر قبول ہوئی۔ بیٹوں کا قافلہ مصر سے چلا پیغام یوسف علیہ السلام ہمراہ ہے۔ پیراہنِ یوسفؑ اسباب میں محفوظ ہے لیکن نبی کو معلوم ہے کیا واقعہ ہو رہا ہے۔ ملاقات پسر کی خوشخبری نے کمزور اعضا میں سکت پیدا کر دی۔ زبان سے بے اختیار نکلگیا۔ انی لاجد ریح یوسف لولا ان تفندون۔ اے لوگو مجھے تو یوسف کی بو آرہی ہے۔ اگرچہ تم مکر کرتے ہو۔ یوسفؑ کا سانس، یوسفؑ کی خبر، یوسف کا پیغام، یا یوسفؑ کے پسینہ کا رائحہ، کچھ ہی سمجھ لو۔ لیکن دراصل یوسف علیہ السلام کا پیغام مقصود نبی معلوم ہوتا ہے جیسا کہ آیندہ آیت سے ظاہر ہے۔ خوشخبری دینے والے یا قاصد نے جسوقت پیراہن یوسفؑ سر اقدس پر ڈالا آنکھیں کھل گئیں تو آپ نے ارشاد فرمایا۔ انی اعلم من اللہ ما لا تعلمون مجھے خدا کی عنایت سے وہ علم حاصل ہے جس سے تم جاہل ہو کیا تم خیال کرتے ہو میں تمہاری نقل سے واقف نہیں کیا تم یہ سمجھے کہ میں یوسف کے حالات سے خبر نہیں رکھتا۔ اور اس لئے انک لفی ضلٰلک القدیم (کہ تم تو اپنی پرانی سڑ پر قائم ہو) کہتے ہو۔ اب بیٹوں کی آنکھیں کھلیں۔ اور کہنے لگے اباجان آپ ہمارے لئے اپنے خدا سے مغفرت طلب کیجئے ہمنے بڑا سخت گناہ کیا کہ خدا کے ممسوح کو ستایا اُسکی دشمن بنے اور ایذا پہونچائی۔ ہم اس کی حکومت دنیوی و روحانی تسلیم کرتے ہیں۔ وعدۂ پدر قال سوف استغفر لکم ربی۔ البتہ اب میں تمہارے لئے اپنے رب سے مغفرت طلب کروں گا۔ کیونکہ تم نے خلیفۂ منصوص کی اطاعت تسلیم کی اور اپنی خطا کے اقراری ہو۔ تمام رنج و غم کے اسباب اور اقرار فضیلت خلیفۂ منصوص کو ثابت کر رہا ہے۔

یہاں بھی ہمارے لئے سبق موجود ہے کہ اگر کبھی غلطی سے تم خلیفۂ منصوص کے خلاف ہو جاؤ تو تمہیں فوراً توبہ کرکے اس کی اطاعت کا اقرار اور مغفرت کے لئے رسول سے توسل کرنا چاہیے اگر وہ دعائے مغفرت کرے تو گناہ کی معافی ممکن ہے کیونکہ اسی کو حکم ہے خذ من اموالھم صدقۃ تطھرھم وتزکیھم بھا وصل علیھم ان صلٰوتک سکن لھم کہ مال میں سے صدقات وصول کرکے لوگوں کا تزکیہ کرے ان کے لئے دعا کرے۔ دعائے رسول ہی اطمینان قلبی کا باعث ہوگی۔ ویسے وظائف رٹ لگانے سے کچھ نہیں بنتا۔ اسی مطلب کو جناب ختمی مرتب نے حدیث من مات ولم یعرف امام زمانہ مات میتۃ الجاھلیۃ میں بیان فرمایا ہے۔ معرفت رسول حصول مغفرت کے لئے کافی نہیں۔ بلکہ معرفت امام وقت کی قید ساتھ لگی ہوئی ہے اور واقعی سچ بھی یہی ہے رسول کا زمانہ ختم ہوچکا اس کے کارنامے مشہور ہیں اس کا معجزہ باقی ہی ہیں کیونکر علم ہو کہ یہ مریدوں کی خوش عقیدت کی پرواز نہیں ہیں۔ اگر اسکا نائب انکو قائم کرکے

[illegible] ہی کہلائیں گے فرمانبردار ہیں بن سکتے

لیکن امامت کا حصر ایسے بارہ نفوس میں ہوچکا جو معصوم ہیں پس غیر معصوم خودساختہ امام نائب رسول نہیں ہوگا۔ رسول کا نائب وہی ہے جسکو رسول حسکم خدا سے مقرر کرے اور اُس میں اپنے منیب کی جھلک دکھلائی دے معجز نما ہو عاجز و درماندہ رسول کا نائب نہیں بنسکتا۔ عالم کی نیابت جاہل نہیں پاتا۔ ظلمت نور کی قائمقام نہیں ہوتی۔ بلکہ اس کی مخالف ہوتی ہے اور اسکو مٹانا چاہتی ہے۔

اذن ملاقات پسر حضرت یعقوب علیہ السلام کو بارگاہ کبریا سے مل چکا تھا آپ مصر کیطرف معہ عیال و مال روانہ ہوئے اس زمانے تک شریعت کا دامن بڑا وسیع تھا جب جی میں آیا یاد الٰہی کرلی۔ قدرت نے اس آزادی کو ایک قاعدے کا پابند بنانا چاہا۔ تاکہ ایک وقت مقررہ پر سب کے سب دنیا کے علائق سے قطع تعلق کرکے اس کی جانب توجہ کریں۔

انسان فطرتاً اس طرف مائل ہے کہ مل جلکر رہے اب تک اس مجموعی ہیئت کا رویہ خلیفۂ منصوص کیخلاف ہی ہوتا رہا۔ ہر ایک فرد اپنی معرفت کے خیال میں مست تھا لیکن معرفت حقیقی اور معرفت شخصی میں بعد المشرقین ہے۔ چنانچہ تعلیم گذشتہ اس بڑھتی ہوئی آبادی کو اُس اعلیٰ پیمانے پر لانے سے قاصر تھی جو مقصد ہدایت کہلایا جانے کا مستحق ہے۔ ایک شخص سے یہ ممکن نہ تھا۔ کہ کائنات کی کایا پلٹ دے۔ آخر کہانتک دائرہ تعلیم وسیع کرسکتا ہے انسان ہی تو ہے محنت سے تھکن لازمی ہے لہذا اس ضرورت کو پورا کرنے کے لئے ایک قانون کی ضرورت تھی جو مطلق العنان عبادت کو ایک سانچے میں ڈھالے۔ اور اس عادت قدیم (یعنی مخالفت خلیفۂ خدا میں اجماع کرنا اور ایک مقصد میں متفق الرائے ہوکر سعی کرنا) کو دوسرے رنگ میں بدلدے۔ اب بجائے مخالفت کے متابعت اور ناقص تعلیم کے بدلے تعلیم کامل اپنا عمل دخل کردکھائے تاکہ ایک سطح پر روزانہ چند مرتبہ جمع ہونے سے فیمابین تعارف بھی ہو۔ اور خلیفۂ برحق کی فضیلت کا توازن بھی۔ حکیم کا فعل حکمت سے خالی نہیں ہوتا۔ اس میں ایک ایسی تعلیم مضمر تھی جس کے باعث اس طاقت کا نشوونما کامل ہوتا تھا۔ اگر یہی قوت اطاعت الٰہی میں صرف کی جاتی۔ اور اجتماع کی غایت صرف متابعت خلیفۂ برحق ہوتی تو اس کا ادنیٰ اثر یہ ہوتا کہ اطاعت الٰہی کی طرف تمام افراد انسانی مائل ہوجائیں۔ اور مقصد ہدایت کامل ہوجاتا۔

اس مقصد کو پورا کرنے کے لئے ایک ایسے معلم کی ضرورت تھی۔ جو ضروریات زمانی و مکانی کا نباض ہو۔ ایک قوم کی گری ہوئی حالت کو سدھارنے اور اس تعلیم کی روح ان میں پھونکدینے کے لئے ہر وقت مستعد ہو۔ ایک مقررہ قانون کی تعلیم میں ہر وقت لگا رہنا اور پھر دن میں دو تین مرتبہ اُسکو عملاً کرکے دکھانا بڑی زبردست فعلی تعلیم ہے جسکو تحریک کہا جاتا ہے۔ آخر نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ کل قوم کے درمیان سے وہ چیدہ نفوس [illegible] مجتمع ہوکر استحکام ہدایت کے لئے ایک مضبوط قلعہ بنجاتے

اوٹھتی ہوئی مخالفتیں علی الاعلان ڈنکے کی چوٹ نہیں ہوتیں۔ بلکہ اسی اطاعت حکم الٰہی کے پردے ہیں اور قیام
ملت کے لباس میں، عالم ربانی کی نیابت کی صورت میں، جیسا کہ بنی اسرائیل میں ہوا (اس کا ذکر آئندہ آتا ہے انشاء اللہ)
پھر بنی اسمٰعیل بھی تو اسی جد کی نسل تھے۔ یہ کیوں پیچھے رہتے۔ بلکہ بیت اللہ کے جوار نے ان کا رتبہ بلند کیا ہوا
تھا۔ یہ اون سے بھی سبقت لے گئے۔ واقعات خود پکار اُٹھتے ہیں۔ کہدیتے اور کہلا دیتے ہیں کہ بنی اسمٰعیل نے
ہر ایک پہلو سے اپنے چچیرے بھائیوں اسرائیلیوں پر سبقت حاصل کی۔ نوعیت اطاعت میں بھی اور وسعت مخالفت
میں بھی۔ ایسا ہونا انوکھی بات نہیں لیکن تصدیق رسالت کا ایک زبردست آلہ ضرور ہے۔ حدیث طابق النعل
بالنعل کی صداقت ظاہر ہوتی ہے۔ لہذا جو کچھ بنی اسرائیل میں واقعہ ہوا وہ بھی۔ اور جو کچھ امم گذشتہ میں فرداً فرداً
واقع ہوا تھا وہ بھی مجموعی حیثیت سے اس امت کی ملکیت تھی۔ پھر یہ فوقیت کیوں نہ لیجاتے۔

یہ ذکر تھا کہ اطاعت الٰہی میں اجماع کرنے کی عادت راسخ کرنے کے لئے ایک مجموعۂ قوانین کی ضرورت
تھی۔ اس قانون کے سکھانیوالے اور اسکو عملاً کر کے دکھانیوالے کی ضرورت تھی۔ قدرت نے قانون رائج
کرنے سے پیشتر وہ نفوس پیدا کئے۔ جو اس قانون کی قولی و عملی تعلیم دیں۔ تاکہ اُمت اُن کے ادعائے ہدایت
سے پیشتر اُن کی معرفت حاصل کرے۔ اور اُن کی صداقت، امانت، دیانت، سیانت، خُلق، مروت، اور اعلیٰ
وارفع عادت، وخصلت، کی دل سے معترف ہو جاوے قبل ازیں کہ مجوزہ طریقۂ تعلیم رائج کیا جاوے۔ اور
قیود قانون کا جُوا ان کی گردنوں پر رکھا جائے۔ تاکہ دروغگوئی کا الزام ان معلموں پر عائد نہ ہو۔ اور دشمن
بھی ان کی ثنا میں رطب اللسان نظر آویں۔ یہ وہ فضیلت ہے جس سے بڑھکر ثبوت حقیقت میں کوئی فضیلت نہیں
ہوسکتی۔ احباب اصحاب مرید، شاگرد تو فضیلت کی راگنی الاپتے رہتے ہیں۔ مگر حقیقی شرف وفضیلت وہ ہے جسکا دشمن
اعتراف کرے۔ عربی مثل ہے۔ الفضل ما شھدت بہ الاعداء۔ دوستوں کی لن ترانیاں فضیلت کا
معیار نہیں ہوتیں۔ بات تو جب ہے کہ دشمن فضیلت کا اقرار کرے۔ ہندی کہاوت ہے "جادو وہ جو سر پہ
چڑھ کے بولے"۔

حضرت یوسف علیہ السلام کی حیات میں جسقدر عزت وحرمت بنی اسرائیل مصریوں کی نگاہ میں تھی ان کے
انتقال کے بعد نہ رہی۔ بلکہ بادشاہ کے مرنے کے بعد اس کے وارث کے تخت نشین ہوتے ہی کایا پلٹنی شروع
ہوگئی تھی۔ رفتہ رفتہ تمام بنی اسرائیل کو غلامی کے جوے میں جوتا۔ محنت ومشقت کا بار اُن کی پشت پر بار کیا۔ جسقدر ولید
کے زمانہ میں آرام پایا۔ اس سے دس گنا مصیبت مصعب بن ولید کے زمانہ میں دیکھی۔ تین پشتیں یہی مصیبت کاٹتی گذری
آخر فریادرس مظلومان نے مظلومین کی دادرسی کرنے اور آزادی دلانیکا سامان کیا۔ حضرت یوسف علیہ السلام ان
تمام واقعات سے پیشتر ہی خبر دے چکے تھے۔ اب بنی اسرائیل اس مددگار کی آمد کے لئے چشم براہ تھے۔

شیوتہانی دیا شہانی نبی بھی خاموش نہ تھی۔ انکی قدر ومنزلت ارحانی نبی کے ہوتے ہوئی خاک آلود ہو جاتی رہی آ

لڑکا پیدا ہوا۔ درباری جوتشی نے زائچہ کھینچا۔ اپنے علم کی بنا پر اسکو معلوم ہوا کہ وہ بچہ کسی بادشاہ کا وزیر ہوگا۔ معاملہ رفت و گذشت ہوا۔ تقویم سالانہ کا زمانہ آیا۔ تو زائچہ میں قران سیارگان اس طرح آپڑا جو شاہ مصر کے لیے خطرناک تھا۔ نجومی اور جوتشی غیب بین نہیں ہوتے لیکن بنائے عالم کچھ قواعد پر مترتّب ہے انسان نے ان قواعد کے دریافت کرنے میں سعی کی اور اُس میں اختراعات شروع ہوئیں۔ علمی صورت میں یہ فن علم ہندسہ کی شاخ ہے۔ حسابی غلطی نہو تو نتیجہ یا جواب غلط نہیں ہوسکتا اس لئے اس علم کے سیکھنے کی ممانعت ہے کیونکہ غلطی سے انسان بری نہیں غلطی کا نتیجہ غلط ہوگا۔ اس کے احکامات غلط اور لوگوں کو راہ سے بیراہ کردینا ممکن۔

اس جوتشی نے اپنے زائچہ کی بناء پر حکم لگایا کہ اس سال ایک بچہ پیدا ہوگا جو حکومت کے لئے مضر ہے وہ اگر زندہ رہا تو ملک کو تباہ کردے گا۔ مصعب بھی دعویٰ خدائی کئے ہوئے تھا۔ جوتشی کا حکم کیا تھا وہمیوں کے لئے وحی تھی دربار میں امراء و وزراء مشورے کے لئے بیٹھے۔ اور اس پیدا ہونیوالے خلیفہ الٰہی کی ہلاکت کی تجاویز سوچنے لگے۔ آخر حکم جوتش کے مطابق متفق الرّائے ہوکر فیصلہ کردیا کہ بنی اسرائیل میں جسقدر بچے پیدا ہوں ہلاک کردیئے جائیں۔ اول تو دربار کا حکم پھر جوتشی یا سوتھائی نبی کا حکم لیکن سب پر طرّہ یہ ہوا کہ خدائے مصر کا حکم پھر اس اجتماع کا کیا کہنا۔ دائیاں مقرر ہوگئیں جو بچہ نرینہ پیدا ہوا گلا دباکر مار دیا۔ گھر گھر رونا پڑ گیا۔ خلاّق عالم قادر مطلق سے ضعیف انسان مقابلہ نہیں کرسکتا۔ اُس کی ہستی کا ایسے ہی موقعوں پر اعتراف ہوتا ہے سال بھر خون ہوتے رہے دوسرے سال کے لئے بھی بندوبست ہوگیا پہلے ہی سال عورتوں کو مردوں سے علیحدہ کردیا۔ پہرے چوکی قائم ہوگئیں۔ دن بھر مشقت اور مردم شماری رات کو دروازے مقفل عورتیں اندر بند۔ یہ سب کچھ سہی لیکن کارکنان قدرت کے سامنے خدائے مصر اور اُسکے حکام کی کیا حقیقت، دروازوں کی کیا حقیقت، وہ دیواروں میں دروازے بنا دیتا ہے دروازے مقفل پڑے رہیں یہی ہوا۔ مادر موسیٰ شاہی محل میں خاص تخت فرعون کے بالین تک پونچی نہ حاجب کی روک نہ پہریدار کی ٹوک۔ پونچانیوالی قدرت دیواروں کو دروازے بنا کر لے گئی۔ نہ کسی انسان نے آتے جاتے جھلک دیکھی نہ پاؤں کی آہٹ سُنی۔ مصری انتظام نسج عنکبوت سے زیادہ نہ نکلا۔ اسرائیلی گھروں کا بندوبست کیا۔ ایسی خدائی میں آگ لگے جو اپنے گھر کا بندوبست نہ ہوسکے۔ اس برتے پر دعویٰ خدائی اور ادعائے غیب بینی۔ تف۔

بندوبست خاک میں مل گیا۔ خدائی کا مدعی کچھ نہ بنا سکا۔ ادھر مادر موسیٰ اپنے گھر کو روانہ ہوئی ادھر فرعون نے خواب دیکھا ستارہ آسمان سے جدا ہوکر محل میں آیا اور خاص تخت شاہی کے سرہانے گرا۔ خوف سے سوتے میں آنکھ کھلی جوتشی رمّال منجم حاضر کئے گئے خواب کی تعبیر دیکھنے لگے آخر متفق اللفظ پکارا و تھے آج اُس شخص نے اس محل شاہی میں رحم مادر میں قرار پکڑا جسکے قتل کے لئے ہزاروں بیگناہ بچے جان سے مارے گئے۔ قدم قدم پر قدرت دکھلا رہی ہے کہ تمہارے انتظامات اور تدابیر ہمارے انتظام میں مخل نہیں ہوسکتیں۔ تم اپنی کوشش کر گذرو ہمارے منظور نظر کا بال بینکا نہیں کرسکتے۔ ذرا دیکھو تو سہی تمہارے خدا کی گود میں اپنے منظور نظر کو پرورش نہ کرایا تو کہنا۔ خلیفہ برحق کی مخالفت میں ایک قدم اور ترقی ہوتی ہے

مستعدی سے بجالائے کہ فیصدی ایک بچہ بھی دوسری جگہ پیدا نہیں ہوا۔ مادر موسیٰ کا معائنہ بھی ہوتا رہا لیکن راز قدرت پر ضعیف انسان کا دسترس پانا مشکل ہے آثار حمل مفقود تھے یہاں تک کہ وضع حمل کا وقت آگیا۔ اپنے گھر میں شکم مادر سے آغوش مادر کی زینت ہوئے۔ ماں کی گود میں رہتے تو زندگی مشکل ہو جاتی۔ صندوق میں بچہ کو بند کیا اور دریا میں ڈال دیا۔ وہ بہتا ہوا شاہی محل سے آلگا ولیؑ خدا ہے سن سنی ہی میں دشمنوں کی ناک رگڑتا ہے۔ شاہی محل اور خاص فرعون کی گود میں پونہچتا ہے وہ پیاری پیاری موہنی صورت ہے کہ باوجود اسرائیلی خط و خال نمایاں ہونیکے فرعون اُسکو گود میں لئے ہوئے ہے۔ میاں بیوی کے دل میں محبت کا جوش ہوتا ہے قتل کا خیال کیونکر آئے قدرت صورت بدلنے پر قادر، دل کے بدلنے پر قادر خیالات بدلنے پر قادر۔ اگر چاہے تو ایک پل میں سب کو ایک شاہراہ پر چلادے لیکن یہ چلنا انعامات کے حصول میں مدد نہیں دیگا انسان دست قدرت کی کٹھ پتلی یا مشین بنجائے گا۔ خود مختار ہو کر قدرت کے منشار کے مطابق عمل کرے تو البتہ انعام کا مستحق ہے۔ قدرت کو اپنی قوت کا اپنی قدرت کا کبھی کبھی اظہار کرنا پڑتا ہے اسمیں بھی ہدایت خلق مدنظر ہوتی ہے۔ جیسے فرعون کی کایا پلٹ دی۔ وہ بچہ گود میں لئے ہوئے سینہ سے چمٹائے ہلوئے بیٹھا ہے جس کو قتل کرنے کیلئے ہزاروں خون کرڈالے اس کو قتل نہیں کرتا۔ اُسکی پرورش کی فکر ہے دودھ پلانیوالیاں ایک دو نہیں لاکھوں آتی ہیں بچہ رُخ نہیں کرتا۔ بھوک سے بلبلاتا ہے فرعون سے یہ مصیبت دیکھی نہیں جاتی۔ آخر اسرائیلی دائیاں طلب ہوتی ہیں انکے شامل مادر موسیٰ بھی آتی ہے۔ بچہ کسیطرف رُخ نہیں کرتا۔ اپنی ماں کی گود میں آیا۔ پیٹ بھر کر دودھ پیا۔ اور نیند کرنے لگا محل شاہی رہنے کے لئے ماں کی گود آرام کے لئے مصریوں کا خدا اور اس کا گھر بار خدمت کے لئے۔ یہ ہے کارسازی قدرت۔ کہ اپنے منظور نظر پر دشمنوں کی دشمنی سے زندگی بھر آنچ نہیں آنے دیتا۔ سارے منصوبے خاک میں ملا دیتا ہے کبھی کبھی اُس کی رفعت منزل ظاہر کرنے کے لئے خلقت کی ہدایت کے لئے انکو ابتلا میں بھی ڈالتا ہے۔ دشمنوں کے قبضہ میں دیدیتا ہے ظلم و ستم کے برداشت کرنے میں اُنکے ثبات قدم کو مخلوقات کی رہبری کے لئے نمونہ بناتا ہے معاشرت کے سبق قصاص سے طریقے عفو کے قاعدے تعلیم کرتا ہے۔

ولادت موسیٰ علیہ السلام کا مفصل تذکرہ قرآن پاک میں متواتر ہے تاکہ ظاہر ہو جائے کہ خلیفہ منصوص، ولی خدا انسانی بندشوں اور قاعدوں کا پابند نہیں اُس کے لئے ضروری نہیں کہ مکان میں داخل ہو تو دروازے سے یا دیوار پھاند کر۔ اگر مکان بند اور دروازہ مقفل ہے تو مجبور ولاچار بیٹھا رہے۔ خلیفہ خدا کائنات کے حاکم کا نائب۔ شجر و حجر اُسکے تابع فرمان۔ اُس کے لئے دیواریں شق ہو کر راستہ دیتی ہیں اور پھر بند ہو جاتی ہیں مادر موسیٰ علیہ السلام فرعون (دشمن خدا) کے محل کے اندر پہنچ جاتی ہے دروازوں کے قفل لگے ہوئے ہیں۔ لگے رہیں۔ نائب کی آمد پر دیواریں در بنگئیں تاکہ ولیؑ خدا کی آمد نجاست الود دروازوں کی وساطت سے ہو۔ مطہر ظرف مطہر مقام سے جائے اور مظروف کو لئے ہوئے اُسی مطہر راستہ سے آئے۔ خدا کے سوا کسی دوسرے کا محتاج ہو یہ تمثیلی قصہ دکھلانا منظور تھا۔ تاکہ ظاہر ہو جائے خلیفہ برحق وہ ہے جسکے لئے دیوار شق ہو جائے۔ اگر کسی وقت کسی زمانہ

خدائے مصر کے محل کی دیواروں کو در بنا ڈالا۔ لیکن جو شخص مختار کارخانہ عالم کا معاون اور مددگار بنکر آئے اُس کا خلیفہ کہلائے اس کی ماں کے لئے کس کے محل کی دیوار شق ہوگی۔ زید بکر کے گھر کی؟ قیصر و کسریٰ کے محل کی؟ ہرگز نہیں اس کی ماں کے لئے خدا کے گھر کی دیوار شق ہوجائیگی۔ بندوں کے گھروں کا یہ رتبہ نہیں ہوسکتا۔ خدائے مصر کا خانہ زاد مصریوں پر حجت الٰہی مقرر ہوا۔ خداوند عالم کا خانہ زاد مخلوقات عالم پر حجت الٰہی ہوگا اُس کے ہوتے ہوئے غیر کا دعویٰ غلط۔ وہی خلیفہ برحق و راز نجات مخلوقات عالم ہے جیساکہ موسیٰ علیہ السلام راز نجات بنی اسرائیل تھے۔

ولادت خالد بھی کہتے ہیں بیت اللہ میں ہوئی۔ ممکن ہے ہوئی ہوگی گذرگاہ عام میں ہر شخص کی آمد و رفت ہوتی ہے دربار عام میں ادنیٰ اعلیٰ سب ہی ہوتے ہیں پھر اسمیں فضیلت کیا ہوئی دربار خاص میں ایرے غیرے نہیں جاتے گنتی کے اور بھروسے کے لوگ اس دربار میں داخل ہوسکتے ہیں۔ اُن کو کلید ملتی ہے حاجب کے دست نگر نہیں ہوتے کہ دروازے کھولے تو داخل ہوں۔ محرم راز ہیں جس طرف سے چاہیں آئیں کوئی بندش نہیں دروازہ بند ہے۔ ہوا کرے دوسرا دروازہ کھولدیا جائے گا۔ خالد بھی اگر اسیطرح بیت اللہ میں پیدا ہوتا تو فضیلت میں کلام نہ تھا۔ دربار عام کے کمرہ کی ولادت اور دربار خاص کے کمرے کی ولادت میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ دروازے کھلے ہوئے تھے روک ٹوک تھی نہیں خالد کی ماں آئی طواف کرنے لگی درد ہوا بچہ پیدا ہوگیا۔ لیکن مقفّل کمرہ کے اندر غیر معروف راستہ سے پوہنچنا اور بچہّ پیدا ہونا کوئی معنی رکھتا ہے۔ بیٹا گھر میں ہوا کرتا ہے اور غلام زادہ باہر کے کمرے میں۔ شاہی حرم غلاموں کا زچہ خانہ نہیں ہوتا وہ اپنی حدود میں رہتے ہیں جس کو شاگرد پیشہ وغیرہ کہا کرتے ہیں بھلا چہ نسبت خاک را با عالم پاک جس جگہ خالد پیدا ہوا وہ تو بتخانہ بنا ہوا تھا۔ خدا کا گھر نہ تھا۔ خالد غیر کے قدموں میں گرا۔ بُت کو سجدہ کیا۔ جسکو سجدہ کیا جاتا ہے وہ افضل ہوتا ہے سجدہ کرنے والا مفضول قرار پاتا ہے لیکن اس خانہ زاد الٰہی نے خالد کے معبودوں کو اوندھے مُنہ گرایا بت شکن تھا۔ بُت پرست نہیں تھا۔ لہٰذا بتوں نے اس کے قدم چومے اسکو سجدہ کیا۔ خالد کے معبود علیؑ کو سجدہ کرنے والے ہوئے اس کا علیؑ سے تقابل یعنی چہ۔

موسیٰ علیہ السلام نے مصریوں کے خدا یعنی فرعون کے گھر سے برآمد ہوکر دنیا دیکھی۔ آپ کی والدہ اپنے ہاتھوں پر اس نور عین کو محل شاہی سے اپنے گھر لے گئیں۔ ادھر فاطمہؑ بنت اسد خلاّق عالم کے گھر سے اپنے نور عین کو غیر معروف راہ سے لیکر برآمد ہوئیں۔ خانہ زاد فرعون راہ نمائے خلق ہو خانہ زاد الٰہی کس طرح ماموم مخلوق ہوسکتا ہے مصریوں نے رسالت موسوی سے انکار کیا در پے آزار ہوئے آخر اپنے عزیزوں کو لیکر مصر سے نکلے ہجرت کی اس امت نے امام سے تخلّف کیا۔ قتل کے منصوبے باندھے مکان کا محاصرہ کیا گھر میں آگ لگائی آخر تنگ آکر مدینہ سے کوفہ میں قیام کرنا پڑا۔ یہ تاریخی منظر ہیں۔ عقیدت کے کلمے نہیں۔

رسالت موسٰیؑ اور امامت ہارونیؑ ساتھ ہی ساتھ قائم ہوئیں۔ ایک دن ایک ساعت ایک بھائی

اسے بلکہ امامت پر زیادہ [illegible]

انہوں نے کی کلام پاک شاہد ہے اور بآواز بلند بتلا رہا ہے کہ حضرت ہارون علیہ السلام پر کیا گذرا آپ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کیا کہا ان الفاظ سے ظاہر ہوتا ہے یابن ام۔ ان القوم استضعفونی وکادوا یقتلوننی اے میرے بھائی قوم نے تو مجھے ضعیف (بے یارو مددگار تنہا) کر ڈالا۔ اور انھوں نے تو مجھے قتل کرنے کی ٹھان لی تھی۔

بنی اسرائیل نے حضرت ہارون علیہ السلام سے وادی حوریب میں تخلّف کیا سامری کے کہنے سے بچھڑے کی پوجا شروع کی، اجماع ہو گیا نہ پوجنے والا صرف خلیفہ رسول تھا یا اس کے دو چار دس بیس رفیق و ساتھی چھ لاکھ کی مردم شماری میں دس بیس کی مخالفت کی حقیقت ہی کیا۔ آخر منصب ہدایت پر مقرر تھا۔ فرض بھی ادا کرنا پڑا۔ امت کو سمجھایا جسکو تم پوجتے ہو یہ تو موسیٰ کا خدا نہیں۔ بھلا وہ سامری کے چیلے کب ماننے والے تھے اُلٹے قتل کے درپے ہو گئے اور گوسالہ پرستی پر مجبور کرنے لگے۔ لیجئے امام کی حالت دیکھئے ماموم اپنے معبود کے سامنے سجدہ کراتے ہیں ورنہ قتل کا الٹی میٹم۔ ضرورت ایجاد کی ماں ہے اور مجبوری صبر کی بینا (اپنی امت کو بگڑتا دیکھکر کس قدر صدمہ ہوا ہوگا۔

اب ذرا تاریخ کے اوراق پلٹئے اُس واقعہ سے سوا دو ہزار سال بعد یہی منظر پھر نظر آئیگا۔ فرق اگر ہے تو اتنا وہ امت موسوی ہے گوسالہ پرستی شروع کرتی ہے یہ امت محمدی ہے اپنے سے کم درجہ مخلوقات کی اطاعت نہیں کرتی ایک انسان کو رسول کا خلیفہ بنا دیتی ہے۔ وہی سوال اور وہی قتل کی دھمکی موجود ہے اس امام کی زبان سے پھر وہی کلمات سُنے جاتے ہیں جو زبان ہارونی سے پہلے سُن چکے۔ فیصلہ کرنے والے حق و باطل، نیک و بد، رنگ و بو، قیل و قال، رفتار گفتار، سیرت و صورت، ادنیٰ و اعلیٰ، متشابہ اور غیر متشابہ میں حد فاصل قائم کرنے کا حق رکھتے ہیں۔ کسی کی دل آزاری کے لئے نہیں بلکہ اپنے اطمینان قلب کے لئے، اپنا خیال دوسروں پر ظاہر کرنے کے لئے اور اپنی محنت اور دماغ سوزی سے بنی نوع انسان کو فائدہ پہنچانیکی نیت سے نیز یہ بھی مدنظر ہوتا ہے کہ اگر فیصلہ کرنے یا رائے قائم کرنے میں غلطی ہو جائے تو دوسرے کے دلائل و براہین سے اپنے دلائل کا توازن کر کے راہ مستقیم پر قائم ہو جائے۔ وما علینا الا البلاغ بر رسولاں بلاغ باشد و بس۔

خداوند عالم نے اپنے کلام پاک میں حضرت موسیٰ علیہ السلام اور بنی اسرائیل کا تذکرہ تقریباً بہتر مرتبہ ارشاد فرمایا ہے اس تکرار ذکر کی اگر کچھ غایت اور اہمیت نہ ہو تو لامحالہ کہنا پڑے گا کہ محض دیوانے کے ترانے یا طوطی کی رٹ تھی ادھر اُدھر کی غپ شپ لگائی وقت پورا کر دیا۔ ہرگز ہرگز ایسا کلام کلامِ حکیم کہلانے کی قابلیت نہیں رکھ سکتا لیکن اگر غایت تکرار موجود ہو تو کلام حکمت آمیز و نتیجہ خیز کہلائیگا۔ ذرا اس پر غور کیجئے۔ خداوند عالم اس امت کو مخاطب کر کے کس تحدّی کے ساتھ ارشاد فرماتا ہے [illegible]

ہے جس طرح سے کہ ہم نے پیشتر فرعون کی طرف رسول بھیجا تھا۔ لہذا یہ رسول جو مثیل موسیٰ علیہ السلام تھا بمصداق انبیائے سلف تھا۔ اور اپنے مابعد کے حجج اللہ کی خوشخبری دینے والا تھا واقعاتِ امت کی خبر پہنچانیوالا تھا۔ اسی رسول کا ارشاد موجود ہے ستفترق امتی علی ثلاثہ وسبعین فرقۃ واحد منہما فی الجنۃ (یا) کلھما فی النار الاواحد ۃ۔ (علی اختلاف الروایات) آنحضرت صلوٰۃ اللہ علیہ و آلہ فرماتے ہیں اس امت نے عنقریب تہتر فرقے ہو جانا ہے انمیں سے ایک فرقہ جنتی ہے ایک کے سوا باقی سب فرقے جہنمی ہیں لہذا کلام پاک میں ذکر موسیٰ علیہ السلام کا تکرار اسی افتراق کی لتسدید الباب کی غرض سے تھا۔ جو بہتر فرقوں نے آئندہ پیدا کرنا تھا یہ پیشینگوئی بھی ہے اور ہدایت بھی، آئندہ نسلوں کے رویہ کا تذکرہ بھی ہے انمیں سے اہل ضلالت کی تعداد کے مطابق تکرار نصیحت آمیز بھی

(۲) دوسری تمثیل آیہ وافی ہدایہ میں مماثلت کا قائم ہو جاتا ہے۔ چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعا وقت بعثت اس طرح مذکور ہے رب اشرح لی صدری ویسرلی امری واحلل عقدۃ من لسانی یفقہوا قولی واجعل لی وزیرا من اھلی ھٰرون اخی اشدد بہ ازری واشرکہ فی امری کے نسبحک کثیراً ونذکرک کثیراً۔ الٰہی میرا سینہ فراخ کر میرا کام مجھ پر آسان کر میری زبان کی گرہ کھول کہ لوگ میری بات سمجھیں اور میرے اہل سے میرے بھائی ہارون کو میرا وزیر بنا کر میری کمر کو مضبوط کر دے اُس کو اس تبلیغ رسالت میں میرا شریک کر دے تاکہ ہم دونوں ملکر) تیری تسبیح اور تیرا ذکر کثرت کے ساتھ کریں۔ (سورہ طٰہٰ)

ایک دوسرے مقام پر بھی ذکر ان الفاظ میں مذکور ہے واخی ھارون ھو افصح منی لسانا فارسلہ معی ردأً یصدقنی بار الٰہا میرا بھائی ہارون مجھ سے زیادہ فصیح ہے اسکو میرے ساتھ کر دے تاکہ وہ میری تصدیق کرے (شعرٰی)

(۳) اب ذرا قرآنی تعلیم پر بھی غور کیجئے جس میں تذکرہ پیشین صرف تمثیلاً بیان ہونا ثابت ہوتا ہے ورنہ در اصل یہ کل تذکرے اُن امور کی خبریں ہیں جو اس امت میں ہونیوالی تھیں چنانچہ فرماتا ہے لقد انزلنا الیکم کتٰباً فیہ ذکرکم افلا تعقلون (انبیاء) ہم نے تمہاری طرف ایسی کتاب نازل کی جس میں تمہارا ہی ذکر ہے کیا تم نہیں سمجھتے ہو؟ اس سے ظاہر ہے کہ تمام تذکرے محض تمثیلی ہیں تاکہ واقعات کے تطابق سے طالب ہدایت منزل مقصود پر پہنچے لکیر کا فقیر نہ بنا رہے جماعت میں کرامت نہ سمجھے بلکہ غور و خوض سے کام لیکر حقیقی وسیلہ سے تمسک کرے اور نقلی و جعلی وسیلوں سے علحدہ رہے اب ذرا سچے دل سے تقابل کیجئے۔

(۱) رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ کا مصدق جملہ انبیاء سلف ہونا مسلمہ ہے لہذا مبشر ہونا بھی مسلمہ ہونا چاہئے حدیث جابر سے اس دعویٰ کی تصدیق ہوتی ہے۔ حدیث الائمۃ بعدی اثنا عشر کلھم من قریش متفق علیہ ہے لہذا غیر قریشی امامت سے خارج ہے ایسے شخص کو امام کہنے والا مکذب رسالت ہے قریش خود اسباط میں منقسم ہیں۔ امت موسوی میں امامت کا سلسلہ ذریت ہارون علیہ السلام قرار پائی بنص الٰہی اور بنص حدیث منزلت یا علی انت منی بمنزلۃ ھٰرون من موسیٰ۔ امت محمدی میں امامت کا سلسلہ ذریت علیؑ ہی ہوگی۔ ورنہ مثال غلط قرار

مکذیب رسالت ہے قریشی ہو یا غیر قریشی سب برابر ہیں۔ رہی خلافت امت موسوی کے تذکرہ میں خدا و ند عالم نے کامل فیصلہ کر دیا ہے اجتماع امت کو غلط قرار دیا۔ لہذا ہارونؑ امتؑ محمدیہ اجتماع امت کے مقابلہ میں حق پر تھا لیکن بے یار و مددگار تھا۔ قوم نے لاچار کر دیا تھا۔ پہلے نے خاموشی اختیار کی گھر میں بیٹھے رہا دوسرے نے بھی وہی عمل کیا اور صبر کیا

رہی وصایت اس کا فیصلہ بھی آیہ اوّل میں موجود ہے رسول مثیل موسیٰ علیہ السلام تھے لہذا وصیّ آنحضرت صلوٰۃ اللہ علیہ آلہ وصی موسیٰ علیہ السلام کا مثیل ہوگا یوشع بن نون علیہ السلام وصی موسیٰ علیہ السلام جو المرد فتیٰ کہلاتے تھے۔ وصی حضرت ختمی مرتبت صلوٰۃ اللہ علیہ و آلہ جو انمردوں میں فرد ہوگا (لا فتیٰ الا علی)

لہذا علیؑ بن عمرانؑ خلیفہ بلافصل رسالت محمّدی۔ امام برحق اور وصیّ مطلق رسالت پناہی قرار پائے۔

بموجب آیہ ع۱

(۲) آیہ دوم سے چند امور ظاہر ہوتے ہیں (ا) ہارون علیہ السلام دعائے موسوی کا صلہ تھے اور آنحضرت کی اہل میں شامل ہونے کی اہلیت رکھتے تھے (ب) شریک رسالت آنحضرت تھے (ج) وزیر آنحضرت تھے (د) فصیح البیان تھے (ہ) آنحضرت کے مددگار تھے (و) مصدق نبوت آنحضرت تھے ایسے وقت جبکہ یگانے بیگانے آپکی تکذیب کر رہے تھے (س) فصاحت ہارونی ناقص رسالت موسوی نہ تھی اور نہ آنحضرت موسیٰ علیہ السلام سے افضل قرار پائے۔

رسول مثیل موسیٰ علیہ السلام میں یہ تمام امور جنکو خدا نے معیار صداقت قرار دیا ہے پورے ہونے چاہئیں ورنہ تکذیب رسالت ہوگی۔

(ا) موسیٰ علیہ السلام نے اپنے بھائی کے حق میں دعا کی۔ دعا مقبول ہوئی بھائی نے بھائی کی مدد کی بوجھ بٹایا۔ ہر وقت سینہ سپر رہا دربار فرعون ہو یا میدان مقابلہ و مقاتلہ۔ لہذا مثیل موسیٰ علیہ السلام نے بھی اسی طرح کوئی ایسا ہی بھائی اپنی امداد کے لیئے دربار الٰہی سے حاصل کیا ہوگا۔

کلام پاک ظاہر کرتا ہے کہ رسول مقبول کو حکم ہوا کہ اے ہمارے رسول اس طرح دعا کرو۔ قل رب ادخلنی مدخل صدق واخرجنی مخرج صدق واجعل لی من لدنک سلطانا نصیرا کہو اے میرے رب مجھے صادقوں کے داخل ہونے کی جگہ داخل کر اور سچوں کے نکلنے کی طرح (کیجگہ) سے نکال اور اپنی ہی بارگاہ سے ایسے نشان والا مددگار عطا کر (سلطاناً۔ صاحب سلطان یا علامات یا ہر والا جو سب پر غالب ہو)

اب ذرا تاریخ کی سیر کیجیئے اور خیال فرمایئے علیؑ کی والدہ دیوار کعبہ کے قریب جاتی ہے دروزہ پر دعا کرتی ہے قادر ذوالجلال دیوار کو در کر دیتا ہے تاکہ ظاہر ہو جائے بیچ خانہ خدا میں کس طرح داخل ہوتے ہیں یہ صادق کی علامات تھیں صدیق کا نشان تھا تین روز ہو جاتے ہیں۔ ابوطالب دریافت کرتے ہیں اے نور عین اے بیٹے محمدؐ تمکو کچھ معلوم ہے تمہاری والدہ کہاں چلی گئیں تین روز سے تلاش کر رہا ہوں پتہ نہیں لگتا جواب ملتا ہے اے پدر صبر کیجئے آج فلاں وقت بخیریت واپس آئینگی ہم بھی پیشوائی کیلئے چلینگے وقت آتا ہی تھا چچا بھتیجا خانہ کعبہ کیطرف روانہ ہوئے تھے دیوار شق ہوتی

[illegible]
لیکر آتے ہیں۔ آپ نے اپنے طلب کردہ مددگار کی کفالت خود ہی فرمائی تاکہ یہ نونہال لفظ "اہلی" کے مطابق "اہل بیت رسول" میں شامل ہو۔

(ب) حدیث منزلت آیۂ مباہلہ آنحضرتؐ کو جناب ختمی مرتبت کے تبلیغ فرائض منصبی کا شریک ثابت کرتی ہیں۔ فرق صرف اتنا ہی ہے کہ ہارون علیہ السلام نبی کہلائے اس زمانہ میں نبوت و رسالت ختم ہو چکی تھی۔ لہذا آپ نبی یا رسول نہیں کہلا سکتے تھے لیکن نفس رسول کہکر خداوند عالم نے ایک جان دو قالب بنا دیا نبوت و رسالت جسد کہلائی امامت روح نبوت۔ آنحضرت علیہ السلام نبی نہ تھے مگر نبی کی جان تھے۔ نبی کا نفس تھے۔ لہذا وہ لوگ جو منکر امامت علویہ ہیں۔ قالب بیجان کے مطیع ہیں۔ اطاعت نبوت سے ان کو کوئی فائدہ نہیں ہو سکتا۔

(ج) مورخین نے بلا اختلاف تحریر کیا ہے کہ آیہ وانذر عشیرتك الاقربین کی تعمیل کے دن جسوقت اعلان نبوت ہوا اسی وقت علیؑ کی امامت، خلافت، وصایت اور وزارت کا اعلان بھی کیا گیا۔ دوم حدیث منزلت کے بموجب مثیل ہارونؑ وزیر مثیل موسیٰ علیہم السلام قرار پائے گا اس کا انکار روشنی کی ضیاء کا انکار ہے۔

(د) خطبات جناب امیر علیہ السلام دنیا میں موجود ہیں۔ مخالفین کی زبان سے خراج تحسین لے چکے ہیں جناب ختمی مرتبت قانون الہی کے مبلغ تھے آپ ایسے فصیح تھے کہ کلام خدا جیسا افصح کلام آپ ہی کی زبان پر جاری ہوا۔ علوم کی قدر عالم ہی جانتا ہے۔ وہ علمی نکات جو کلام رسالت میں پنہاں ہیں فصاحت و معانی کے دریا ہیں جن کی تہ تک پہونچنا آسان کام نہیں لیکن ان نکات کا سمجھانیوالا تشریح و تاویل کرنے والا افصیح البیان و عالم فاضل ہونا چاہئے۔ پس فصاحت و بلاغت کلام جناب امیرؑ کا منبع علم رسالت ہے جسکو حدیث مدینۃ العلم سے ظاہر کیا گیا ہے۔ انا مدینۃ العلم و علی بابہا فصاحت و بلاغت شعبۂ علم ہے یا وہ ذریعہ ہے جس سے علوم کی حقیقت ظاہر اور اس کے حصول کی رغبت پیدا ہوتی ہے۔ علاوہ ازیں شہر کی دیواریں مکانات کا احاطہ یا سقف مانع وصول فی المدینہ یا فی الدار ہوتی ہیں۔ شہر علم کے محیط ہونیوالی دیواریں یا نبی کے گرد ہجوم کرنیوالے اصحاب حصول علم نبی سے دنیا والوں کو منع کرنے والے تھے۔ صرف ایک ہی نفس قدسی ایسا تھا جس نے علوم نبی کو دنیا میں پھیلایا لہذا وہی دروازہ علوم نبی ہے۔ اور وہ وسیلۂ برحق ہے جو امت کو نبی تک پہونچانے میں مدد دیتا ہے۔

(ہ) حضرت امیر المومنین علی بن ابی طالب علیہ السلام کا ناصر جناب ختمی مرتبت ہونا اظہر من الشمس ہے محتاج دلیل نہیں

(و) پیشتر مذکور ہوا کہ اعلان نبوت کے دن وہ شخص جس نے آنحضرت صلوٰۃ اللہ علیہ و آلہ کی تصدیق کی۔ جناب امیرؑ ہی تھے اور بعد از رحلت سرور انبیاءؑ جس نے آنحضرتؐ کی دعوت الی الحق کو سچ کر دکھلایا ان میں اول نمبر جناب امیرؑ کا ہی ہے۔ خود کلام پاک میں خداوند عالم نے آپ کو مصدق رسالت کے لقب سے یاد فرمایا ہے والذی جاء
[illegible]

مرادلی ہے۔ کیونکہ اعلان نبوت و تصدیق نبوت میں کوئی فاصلہ نہیں تھا۔

(ز) قرآنی شہادت کے بموجب حضرت ہارون علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فصیح تر تھے لیکن ان کی یہ فصاحت ناقص رسالت موسوی نہ تھی کیونکہ نائب کی توصیف منیب کی توصیف ہوتی ہے جس کی نظر انتخاب نے ایسا نائب ڈھونڈ نکالا جو قابل ترین امت تھا۔ بقولے "قدر زر زرگر بداند۔ قدر جوہر جوہری"۔ لہذا فصاحت کا قدرداں وہی ہوگا۔ جو خود فصیح البیان ہو۔ کھرے اور کھوٹے موتیوں کو وہی پرکھ سکتا ہے جو جوہری ہو۔ افصح اس فصیح کے نائب کی فصاحت قادح منیب نہیں بلکہ کمال منیب کی اعلیٰ دلیل ہے۔ اسی طرح مثیل ہارون علیہ السلام کی فصاحت مثیل موسیٰ علیہ السلام کے کمال فصاحت و بلاغت کو ظاہر کرتا ہے۔ بادشاہوں کی فصاحت و بلاغت پر اسقدر توجہ نہیں ہوتی کیونکہ ان کا تعلق وزراء و امراء دربار سے ہوتا ہے لیکن وزراء و امراء کا فصیح ہونا بہبودی سلطنت اور قیام نظام کے لئے ازبس ضروری ہے تاکہ تقریر دلپذیر سے دل مسخر کرسکیں اور شاہی احکامات کا منشاء و مطلب رعیت کو اچھی طرح سمجھا سکیں زبان ایسی شیریں ہو کہ کلام سننے کے لئے دوست دشمن دوڑتے ہوئے چلے آویں۔ تقریر مختصر مضامین کثیر پر حاوی ہو۔ مدلل ہو، مکمل ہو، مقطع ہو، مسجع ہو، بندش چست، معانی درست، عبارت ہو یا کلام مقفیٰ ہو اور سب بالاتر یہ کہ زبان شستہ و مصفا ہو، عیب سے پاک سقم سے خالی ہو۔ خوش خلق ہو، خوش گفتار ہو، اور خندہ پیشانی ہو، اسوقت ضروریات سلطنت علم کی روشنی کے ساتھ پوری کرسکتا ہے۔

پھر ایسے نائب کی تعریف اس کے آقا کی تعریف ہے جس نے اسکا انتخاب کیا۔

ایک اور واقعہ امت موسوی میں ایسا گذرا جس میں بنی اسرائیل نے اپنے نبی سے مخالفت کی اس کا تذکرہ کلام پاک میں آیا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کو ایک بستی پر حملہ کرکے قبضہ کرنے کے لئے حکم دیا۔ تمام قوم نے حملہ کرنے سے انکار کردیا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہدیا کہ ان فیھا قومًا جبارین وانا لن ندخلھا ابدًا ما داموا فیھا فاذھب انت وربك فقاتلا انا ھٰھنا قاعدون۔ اے موسیٰ اس میں تو دیوزاد آباد ہیں۔ ہم تو اس میں کبھی قدم نہ رکھیں گے جب تک یہ قوم اس میں موجود ہے۔ تو اور تیرا خدا دونوں جاکر لڑتے پھرو۔ ہم تو یہاں بیٹھ کر تماشہ دیکھیں گے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام مجبور ہوکر درگاہ الٰہی میں عرض پیرا ہوئے۔ الٰہی تجھے معلوم ہے میں نے تیرا حکم اس قوم تک پہونچا دیا۔ ان کا جواب بھی تجھے معلوم ہے۔ رَبِّ اِنِّیْ لَآ اَمْلِكُ اِلَّا نَفْسِیْ وَاَخِیْ۔ خدایا مجھے تو صرف اپنے نفس پر اختیار ہے۔ یا اپنے بھائی پر اختیار حاصل ہے تو حکم دے تو ہم دونوں لڑائی کے لئے جاویں۔ یہ قوم تو جانے سے انکار کرتی ہے۔ اور کہتی ہے۔ ہم ایسے زبردست اور بہادروں سے لڑکر اپنی جان نہیں گنواتے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ چالیس سال تک صحرا کی خاک چھانی۔ جو مصر سے نکلے تھے وہ سب اسی میدان میں کھیت رہے۔

ہمارا مطلب یہ نہیں کہ بنی اسرائیل کے اس فعل یا اس کی سزا سے بحث کریں بلکہ صرف یہ دکھانا مقصود ہے کہ بعینہٖ اسی قسم کا سانحہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے [illegible] کرتے ہیں

کہ جب قریش نے لشکرِ گراں کیساتھ مدینہ منورہ پر چڑھائی کی تو ان کی فوج کی جمعیت اسقدر تھی کہ ان سے میدان داری
کرنی مشکل تھی۔ اس لئے حفاظت کے لئے ایک خندق کھود لی گئی تاکہ دشمن دڑانہ ہر طرف سے حملہ آور نہ ہوں۔
اور لڑائی صرف ایک سمت ہوتی رہے۔ اتفاق وقت مخالف جماعت میں عرب کا مشہور نبرد آزما ہزار یا جوان
عمرو بن عبدود بھی تھا۔ وہ تن تنہا خندق پھاند کر اس طرف آدھمکا۔ قاعدہ عرب کے مطابق ہل من مبارز من
قریش کا نعرہ لگایا۔ مسلمانوں کی جمعیت کا کیا کہنا ماشاء اللہ تین ہزار تلوار یے نیزے باز شجاع منچلے موجود ہیں۔
لیکن اسوقت ایک بھی ہلتا ہوا نظر نہیں آتا۔ یہ منظر دیکھ کر ایک پندرہ سالہ لڑکا مقابلہ کے لئے جانے کی اجازت
طلب کرتا ہے۔ آنحضرت اسکو روکدیتے ہیں۔ بیٹھ جاتا ہے مخالف کی آواز پھر آتی ہے۔ طعنہ آمیز کلمات بھی سنتے ہیں
لیکن شجاعت کی موج گرداب خوف میں پھنسی ہوئی ہے۔ کون نکلے۔ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم خود ارشاد
فرماتے ہیں اے مسلمانو! تم میں سے کوئی اس کے مقابلے کے لئے نکلے سب کے سب دم بخود بیٹی کے بت بن گئے
پھر وہی نوجوان سامنے آکر اجازت جنگ طلب کرتا ہے۔ نہ معلوم آنحضرت کو کیا منظور تھا پھر روکدیا۔ تیسری مرتبہ
میدان سے پھر آواز آتی ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نام بنام بہادروں کے نام لیکر ارشاد فرماتے ہیں اس کے
مقابلہ کو نکلو لیکن یہاں تو سب حواس باختہ ہو رہے تھے۔ لڑنے کے لئے کون نکلے آخر ایک شخص بہادر کہہ ہی اٹھا۔
حضرت میں اس شخص کو جانتا ہوں یہ اکیلا ایک ہزار جوان کے برابر ہے۔ بھلا اس کے مقابلہ کو کون جائے۔ اور
اپنی جان گنوائے یعنی بنی اسرائیل نے جو پیشتر عذر کیا تھا وہی یہاں موجود ہے۔ اب رسول اللہ کیا کریں خود جنگ
کے لئے نکلیں۔ یا اس پانزدہ سالہ عموزاد کو بھیجیں۔ اور بارگاہ الٰہی میں عرض کریں۔ رب انی لا املک الا نفسی واخی
بارالٰہا تو واقف ہے کہ میرے اختیار میں صرف اپنا نفس ہے یا اپنے بھائی کا۔

تعجب بالائے تعجب ہے۔ کہ ہارون علیہ السلام کو خلیفہ منصوص بلافصل حضرت موسیٰ علیہ السلام تسلیم کیا جاوے
اور مثیل ہارون علیہ السلام کی خلافت بلافصل میں تامل نہیں نہیں انکار ہو۔

ببیں تفاوت رہ از کجاست تا بکجا

ہزاروں برس ایک غریب ابلیس کی مخالفت کو روتے گذر گئے۔ آخر اس کا قصور؟ بس اتنا ہی تو تھا۔ کہ
خدا کے حکم کے مطابق اُسکے مقرر کردہ خلیفہ کو نہ مانا۔ اس نے اس خلیفہ کا گھر نہیں لوٹا اس کی گردن میں رسی ڈالکر
نہیں کھینچا اس کے گھر میں آگ نہیں لگائی اس کے سر پہ تلوار کھینچکر قتل کی دھمکی نہیں دی اس کی ذریت کو بھوکا پیاسا
ذبح نہیں کیا۔ نہ اس کی جگہ خود خلافت کا مدعی ہوا۔ لیکن پھر بھی دوست دشمن سب کی پھٹکار کا مورد ہے چھوٹے بڑے
اسکا نام سنتے ہی لعنت کی بوچھاڑ کر بیٹھتے ہیں۔ اس کی کرنی تو اس کے سر پہ تھی ہی۔ دوسروں کی کرنی بھی اس کے
سر دھری جاتی ہے۔ بیچارہ بوجھ میں دبا ہوا چلنے سے معذور۔ دن بھر لعنت کے دُرّے، تبرا کے تیر کھاتا رہتا ہے۔ اور اسپر
طرہ یہ کہ پھٹکار [illegible] قیامت کا انتظار [illegible] بے شرمی اور ہٹ دھرمی دوزخ میں پہنچا

شکل ہی نظر آتی ہے۔ دوزخ سے جان بری دکھلائی نہیں پڑتی۔ بقول حافظ رح

تہیدستان قسمت راچہ سود از رہبر کامل ⁂ کہ خضر از آب حیواں تشنہ می آرد سکندر را

اس غریب کا نام ہی بدنام ہے۔ ورنہ خود انسان شیطان سے بدتر شیطان ہے۔ اشرف المخلوقات کسی بات میں مخلوقات الٰہی سے کم نہیں رہ سکتی۔ بڑھتے بڑھتے اتنا بڑھا کہ فرشتوں کی پرواز اس کے پاؤں کی گرد کو نہ پا سکی آخر یہی کہتے بنی ؎

اگر یک سر موئے برتر پرم ⁂ فروغ تجلّی بسوزد پرم

گرنے لگا تو اتنا گرا کہ شیطان بھی اپنے کانوں کی خیر مناتا ہوا اس کے سائے سے بھاگا ہمیں شیطان کے فرار پر ہنسی آتی ہے غریب نہ معلوم کس ارادے سے اور کیا سمجھکر آیا ہوگا۔ یہ خبر نہ تھی کہ انسان نہیں حیوان انسان کے بھیس میں ہے۔ اپنی غلطی پر کس قدر ندامت ہوئی ہوگی۔ اگر مسلمان ہوتا تو آیۂ قرآنی ان هم الا کالانعام بل هم اضل سبیلا (البتہ یہ تو چوپائے ہیں۔ بلکہ چوپایوں سے بھی بدتر) پر عمل کر کے کبھی اس طرف رُخ ہی نہ کرتا۔ ناسمانی نے مصیبت میں ڈالا۔ بھگوڑے پن کی ذلت برداشت کرنی پڑی۔ ایمان کی طاقت ہوتی بنیان مرصوص (سکّہ پلائی ہوئی دیوار بن جاتا) پھر کس کی طاقت تھی کہ سامنے آتا۔ نفاق کی آگ نے سینہ گلا دیا۔ ہرن کی طرح چوکڑیاں بھرنی پڑیں۔ ایسے سردار کا لشکر بے سردار بھلا۔ سعدی علیہ الرحمۃ ایک بادشاہ کا قصہ اپنی گلستان میں تحریر فرماتے ہیں جس کے چار پسر تھے تین بڑے بیٹے نہایت بلند بالا۔ خوب فربہ و قوی ہیکل چہرے مہرے والے جوان تھے بادشاہ کو بھی ان سے اُنس تھا۔ ان کی ڈیل ڈول اور طاقت پر بھروسہ بلکہ ناز تھا۔ چوتھا بیٹا دُبلا پتلا چھوٹا سا قد ان کے مقابلہ میں آنکھوں میں جچتا نہ تھا۔ باپ بھی حقارت کی نظر سے دیکھتا تھا۔ اتفاق وقت ملک پر غنیم نے حملہ کیا۔ کڑیل جوان فوج کے کمانڈر (سپہ سالار) بنکر گئے۔ باری باری تینوں ہی دشمنوں کی تلواروں سے جان بچا بھاگے۔ دشمنوں کے حوصلے بڑھ گئے اپنی فوج کا دل بیٹھ گیا۔ آخر چوتھے دن سب سے چھوٹے کو سپہ سالار بنا کر بھیجا۔ تھا تو چھوٹا بدن کا لاغر لیکن شیر کا دل اور فولادی پنجہ رکھتا تھا۔ جاتے ہی برس پڑا ہزار کو اسطرح لڑتا دیکھا۔ لشکر نے بھی ساتھ دیا اور ایسا قدم جما کے لڑے کہ دشمن کے چھکے چھڑا دیئے۔ بھاگتا ہی نظر آیا۔ شاہزادہ شام سے پہلے مظفر و منصور باپ کی خدمت میں واپس آیا۔ اس نے گلے لگایا خوب پیار کیا اور اپنا ولیعہد بنا کر پہلے تینوں کو اسکا خادم مقرر کیا اس موقعہ پر مصنف رح نے ایک رباعی تحریر فرمائی ہے۔

اے کہ شخص منت حقیر نمود ⁂ گو نیست گر تو پند شماری

اسپ لاغر میاں بکار آید ⁂ روز میدان نہ گاو پرواری

سچ پوچھیے تو تمثیل کی حد کر دی۔ معاملہ اتنا صاف ہے کہ اس کے سمجھنے میں دقت نہیں ہو سکتی پھر لکھتے ہیں۔ کہ بھائی اپنے چھوٹے بھائی سے حسد کرنے لگے اور موقعہ کے منتظر رہتے تھے آخر موقع ملگیا کہ اس ولیعہد کے خلاف بادشاہ

بیان کر دیا۔ اور عرض کیا میں اس ولیعہدی سے در گذرا جو بھائیوں کے دلوں میں عداوت پیدا کرے۔ حکومت انہیں مبارک مجھے گوشۂ تنہائی اور توشۂ فقر زیادہ خوشگوار ہے۔ آخر دنیا سے تعلق ترک کر کے عقبیٰ کیطرف متوجہ ہوا۔

اب ذرا تاریخ میں واقعات جنگ خیبر پر نظر ڈالیے اور مثال آفرینیٔ سعدیؒ پر آفرین کہیے۔ واقعات خلافت پر غور کیجیے اور جناب امیر کا یہ قول دیکھیے "اے دنیا تو میرے سوا کسی دوسرے کو فریب دے میں نے تجھے طلاق بائن دیا ہے جس کے بعد رجعت نہیں"۔ اس کے ساتھ زینت دہ تخت خلافت کی تعداد پر غور فرمایئے اور حکایت سعدیؒ میں انکو تلاش کیجیے۔

پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے کے واقعات ملاحظہ فرمایئے صحرانوردی میں بنی اسرائیل نے چالیس برس گذارے۔ حضرت ہارون علیہ السلام کا اسی صحرا میں انتقال ہو گیا۔ بچے دو پیچھے چھوڑے۔ کم سن چھ لاکھ کی جمعیت کی کہانت آسان نہیں۔ امامت ان کا حق ضروری تھا۔ لیکن تا وصول بلوغ وصایت کی ضرورت تھی جو اس سرکش قوم کو قابو میں رکھے۔ مخالفوں سے جنگ کرے۔ بچوں سے یہ دبنے والے نہ تھے۔ موسیٰ علیہ السلام کا پیمانۂ عمر لبریز ہو چکا تھا۔ لہذا حکم الٰہی پہونچا کہ یوشعؑ بن نون بن افرائیم بن یوسف علیہ السلام کو اپنا وصی مقرر کرو۔ تمام قوم کے سامنے اس کی وصایت کا اعلان کرو۔ اور تمام معاملات اسکو سمجھا دو۔ حکم کے مطابق حضرت یوشع علیہ السلام وصی مقرر ہوئے۔

ادھر مثیل موسیٰ علیہ السلام کو بھی ایسا ہی حکم ملا کہ تم بھی اپنے ابن عم کو اپنی امت پر اپنا وصی مقرر کرو لیکن ہونیوالے واقعات کیوجہ سے دل گوارا نہیں کرتا تھا کہ اپنے ابن عم کو ولیعہد بناؤں اور دنیا کو اس سے مخالف کردوں۔ درگاہ الٰہی میں دعا کی ہو گی۔ خدایا جسقدر مصائب شاقہ تبلیغ رسالت میں مجھے اٹھانے پڑے انہیں خیال کر کے جی نہیں چاہتا کہ اپنی ذریت کو ہمیشہ کے لئے مصائب کا شکار اور مخالفت کی آماجگاہ بناؤں اسی قسم کی معروض ہو گی جس کا پتہ اس آیۂ قرآنی سے ظاہر ہوتا ہے۔ الم نشرح لك صدرك ووضعنا عنك وزرك الذی انقض ظهرك ورفعنا لك ذكرك۔ فان مع العسر یسرًا ان مع العسر یسرا فاذا فرغت فانصب والی ربك فارغب۔ اے ہمارے رسول کیا ہم نے ہی تمہارے سینہ کو کشادہ نہیں کیا دکہ ہر طرف ہمارے نام کیساتھ تمہارا نام بھی ورد زبان ہے۔ تم تو ہمیں سے کسی شے پر قادر نہ تھے۔ اب تم کیوں ڈرتی ہو۔ مصیبت کے بعد راحت اور تکالیف کے بعد آرام ضرور ملتا ہے دہمیشہ رفتار زمانہ یکساں نہیں رہتی جب تمہارے مصائب راحت سے بدل گئے تو کیا تمہاری ذریت کے نہ بدلینگے۔ واللہ متم نورہ ولو کرہ الکافرون۔ خدا تو اپنے نور کو کامل کر کے رہیگا۔ اگرچہ یہ امر کافروں پر گراں گذرے۔) لہذا جب تم (حج سے) فارغ ہو جاؤ تو (اپنی جگہ اپنا ولیعہد) قائم کرو اور اپنے رب کیطرف رغبت کرو۔ (ان باتوں کا خیال نہ کرو کہ یہ لوگ آئندہ کیا کریگے جس کی ہم نے تم کو خبر دی ہے۔)

جب آنحضرت صلوٰۃ اللہ علیہ وآلہ حج سے فارغ ہوئے۔ تو حکم الٰہی کی تعمیل کی نیت سے مدینہ منورہ کیطرف مراجعت فرمائی مقام خم غدیر پر پہونچے تو حکم پہونچا۔ یا ایها الرسول بلغ ما انزل الیك من ربك وان لم تفعل فما بلغت رسالتہ واللہ یعصمك من الناس۔ ... اے رسول جو حکم الٰہی تجھکو ہو چکا اس کی (اسی وقت) تبلیغ کر اور دیا د رکھ) اگر تونے اس حکم

مخالفت کا خوف نہ کر خدا خود انسانوں کی شرارت سے تجھ کو بچائے گا

یہ مقام چوراہا ہے۔ مختلف مقامات کو راستے پھٹتے ہیں۔ مکہ معظمہ سے یہانتک امت کا جم غفیر آنحضرت کے ہمرکاب تھا۔ اس جگہ سے جانیوالے اپنے اپنے راستے لگے۔ ولیعہد کی تقرری تمام امت کے سامنے ہونی چاہئے تھی لیکن دشمنوں کی مخالفت اور فساد کے خیال سے آپنے اس تقرری کو واپسی مدینہ پر ملتوی کر رکھا تھا۔ خداوند عالم فرما چکا تھا انا ارسلنا الیکم رسولا الخ جیسا کہ پیشتر مذکور ہوا۔ اور اس نبی کا ولی عہد چھ لاکھ کی مردم شماری یعنی کل امت کے کے سامنے مقرر ہوا۔ اگر یہ دوسرا تقرر اسوقت نہ ہوتا تو کلام الٰہی کی صداقت میں کلام ہو جاتا۔ کیونکہ عمر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قریب بختم ہوگئی آئندہ اسقدر مجمع کثیر کا آنحضرت کے پاس جمع ہونا ناممکن تھا۔ ایک سلسلہ آنحضرت نے شروع کیا۔ اگر آپ کے بعد اس کا سنبھالنے والا مقرر نہ ہوتا تو پھر اس کا قائم رہنا دشوار تھا نبوت کا خاتمہ ہو چکا تھا اب تبلیغ احکامات الٰہی عمل میں آتی تو کیونکر۔ کفر و الحاد کا جواب کون دیتا۔ ۲۳ سالہ محنت بے سود ہو جاتی چنانچہ دستور الٰہی ابتدا سے چلا آرہا تھا۔ کہ نبی کے انتقال سے پیشتر اس کا جانشین حکم الٰہی اور انتخاب قدرت کیمطابق ہوتا رہا۔ نبی اس کا اعلان کرکے دنیا سے سدہارا کیا یہی سنت الٰہی اس امت میں جاری ہوئی۔ قانون قدرت کے بدلنے کی وجہ نظر نہیں آتی۔ حکم نصب ولیعہد موجود ہے۔ اس کی تعمیل کے تساہل پر عتاب موجود ہے اور بعد از تعمیل حکم رضامندی آنا ثابت ہے۔ اتنے شواہد کے ہوتے ہوئے انکار پر اصرار خلاف عقل و دانش ہے۔

اسی دوپہر کی طپش اور گھمگھمی کی گرمی میں رسول اللہ نے سب کو جمع ہونے کا حکم دیا۔ اور کل مجمع کے سامنے علیؑ کا ہاتھ پکڑ کر اسقدر بلند کیا کہ سب نے آپ کو دیکھ لیا اور فرمایا من کنت مولاہ فہذا علی مولاہ یعنی جس کا میں آقا ہوں امام ہوں پیشوا ہوں مقتدا ہوں دوست ہوں غلام ہوں اس کا یہ علیؑ بھی آقا امام پیشوا مقتدا، دوست اور غلام ہے۔ تقرری کے بعد سلامی کی رسم عمل میں آئی۔ مبارکباد دی گئی جس میں بخ بخ لک یا ابن ابی طالب جعلت مولائی ومولا کل مؤمن ومومنۃ۔ (مبارک باد اے پسر ابو طالب تجھکو میرا اور کل مؤمنین اور مؤمنات کا آقا بنا دیا گیا) کی گونج اب بھی سنائی دیتی ہے۔ اگر یہ گونج نہ ہوتی تو مخالفت مٹ جاتی لیکن منصب خلافت ہے مولی کیا کئی تخت یا کسرائی وفغفوری تاج نہیں جس نے لیا حق یا ناحق۔ بادشاہ کہلایا۔ یہ تو خلافت الٰہیہ ہے جسپر اچھے اچھوں کی رال ٹپکی۔ فرشتوں کو اس کی آرزو ہوئی۔ پھر بھلا انسان کی کیا حقیقت اس نے تو ایڑی چوٹی کا زور لگایا خلیفہ کو آگ میں ڈالا۔ گھر میں آگ لگائی۔ آرہ سے چروایا۔ تلواروں سے کٹوایا۔ تیروں سے زخمی اور تیروں سے چھلنی کیا۔ خلافت کا دعوے کیا لیکن

ایں خلافت بزور بازو نیست * گر نہ بخشد خدائے بخشندہ

جسکو انہوں نے خلافت سمجھا وہ تو ویسی ہی خلافت تھی جو نمرود کو حاصل تھی۔ فرعون کو حاصل تھی بشداد کو حاصل تھی دنیاوی اقتدار و بادشاہی وہ خلافت نہ تھی جو ابراہیم ہود، یا موسیٰ علیہ السلام کو ملتی تھی (وہ ایسی خلافت نہ تھی جسکو

اس لفظی تشریح میں ایک عالم اہل کا شعر یاد پڑتا ہے جس کو کس خوبی اور متانت سے ادا کیا ہے کہ تمام فلسفی شبہات کی رگ حیات قطع کر ڈالی۔ فرماتے ہیں

عجب در معنی من کنت مولاہ می روی ہر سو　　　علیؑ مولیٰ باں معنی کہ پیغمبر بود مولیٰ

(تعجب ہے تیری دانش پر تو فضول من کنت مولی کی موشگافی میں ادھر اودھر جا رہا ہے۔ اے نادان کیا تیرے لئے اسی قدر سمجھ لینا کافی نہیں کہ جس طرح پیغمبر مولی ہوتا ہے انہیں معنی میں علیؑ بھی مولا ہوگا۔

اب صرف اسقدر اور گذارش ہے کہ موسیٰ علیہ السلام اپنا ولی عہد مقرر کرنے کے تھوڑے دنوں بعد انتقال فرما گئے۔ اور جناب ختمی مرتبت بھی واقعہ خم غدیر کے بعد تھوڑے دنوں زندہ رہے۔ پہلی امت کے واقعہ کو ہم متفق الرائے ہوکر ولیعہدی موسویؑ کہتے ہیں اسپر ایمان لانا اور ایمان رکھنا فرض سمجھتے ہیں لیکن اس دوسرے واقعہ کو جو زمانۂ مثیل موسیٰ علیہ السلام یعنی بزمانۂ حضرت ختمی مرتبت صلوٰۃ اللہ علیہ وآلہ ہوا کیا کہنا چاہئے۔ تاریخی حیثیت، دینی اہمیت تمدنی صورت، اور کیفیت وکمیت اعلان دونوں حالتوں میں ایک ہی نہج پر ہے۔ کیا یہ دوسرا اعلان ولیعہدی نہ کہا جائے گا اور اسپر ایمان لانا، ایمان رکھنا فرض نہ سمجھا جائے گا۔

قول رسول ہے اسپر ایمان لانا فرض عین ہے۔ من مات ولم یعرف امام زمانہ فمات میتۃ الجاھلیۃ جو اپنے زمانہ کے امام کی معرفت حاصل کئے بغیر مرجائے وہ کافر کی موت مرا۔ امامت حقہ کی حصر بارہ نفوس میں ہے ان کے علاوہ کوئی دوسرا امام نہیں جو بنی اسمٰعیلؑ میں خدا نے مقرر کیا ہو تو بتلائیے کہ صرف اقرار نبوت سے کیونکر نجات ممکن ہوسکتی ہے جو امام کو ماموم سمجھے یا ماموم بنانے میں کوشاں ہو اس کا کیا حشر ہوگا۔ فتدبر

اس سے بیشتر سلسلہ تاریخ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ولادت تک درج ہوا لیکن ولادت آنحضرت وفات حضرت یوسف علیہ السلام، ۵۲ برس بعد ہوئی یعنی تاریخ رحلت یوسفؑ ۲۳۰۵ آدمی ہے۔

ذیل میں چند خصوصیات منجملہ بیشمار خصوصیات مشترکہ موسیٰ و مثیل موسیٰ علیہ السلام درج کی جاتی ہیں۔

خصوصیات موسوی	خصوصیات محمدی
(۱) ہجرت از مصر از خوف فراعنہ	(۱) ہجرت از مکۂ معظمہ
(۲) یوم بعثت سے ہارونؑ برادر موسیٰ ان کے نائب اور وزیر مقرر ہوئے	(۲) یوم بعثت سے علیؑ برادر محمدؐ آنحضرت کے لئے ہارون ثانی مقرر ہوئے۔
(۳) موسیٰؑ صاحب شریعت ہوئے۔	(۳) محمدؐ صاحب شریعت ہوئے۔
(۴) " جہاد بالسیف پر مامور ہوئے	(۴) " جہاد بالسیف پر مامور ہوئے۔
(۵) موسیٰ کے بھائی کی اولاد انکی امت پر کاہن (امام) مقرر ہوئے	(۵) " کے بھائی کی اولاد ان کی امت پر امام مقرر ہوئے۔

خصوصیات موسوی	خصوصیات محمدی
(۷) موسیٰؑ کی امت نے نائب آنحضرت سے تخلف کیا اور سامری کے کہنے سے گوسالہ پرستی اختیار کی	(۷) محمدؐ کی امت نے نائب آنحضرت سے تخلف کیا اور ایک شخص کے قول و فعل کی متابعت میں دوسرے شخص کے حضور سر تسلیم خم کیا
(۸) رر کا وصی "فتی" (مرد) کہلایا۔ زوجہ آنحضرت (صفورا) نے اس سے جنگ کی	(۸) رر کے وصی کے لئے لا فتیٰ الا علی مشہور ہے زوجہ آنحضرت (حمیرا یعنی حضرت عائشہؓ) نے علیؑ سے جنگ کی۔
(۹) رر نے یوشعؑ کو مجمع عام میں اپنا وصی و خلیفہ (ولیعہد) بنایا اور رحلت کی	(۹) رر نے علیؑ کو مجمع عام میں غدیر خم کے مقام پر اپنا ولی عہد (وصی و خلیفہ) بنایا اور رحلت کی۔
(۱۰) رر کی امت کے اکثر نے حضرت یوشعؑ سے سرکشی کی	(۱۰) رر کی امت کی کثیر تعداد نے حضرت علیؑ سے سرکشی کی۔
(۱۱) رر کے جد لاوی بن یعقوب ہوئے۔	(۱۱) رر کے جد لوی (بن غالب) ہوئے۔
(۱۲) رر آدمؑ تک چھبیس ۲۶ پشت ہوئیں	(۱۲) رر سے آدمؑ تک اکاون ۵۱ پشت ہوئیں لہذا موسیٰ علیہ السلام آدم و مثیل موسیٰ علیہ السلام کے وسط میں ہوئے

آدم علیہ السلام سے نبوت کی ابتدا ہوئی۔ موسیٰ علیہ السلام ابتدا و عروج کے وسط میں ہوئے۔ تعلیم کا سلسلہ حضرت موسیٰ علیہ السلام تک پرائمری تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے مڈل ڈیپارٹمنٹ (وسطی درجہ) شروع ہوا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے انٹرنس یا سکول فائنل یہاں تک کہ یہ دور ختم ہو گیا اور دار العلوم کی تعلیم کا زمانہ آگیا۔ امتحانات جسمانی کیساتھ ساتھ روحانی امتحانات بھی ہونے لگے یعنی قول و فعل دونوں کی ایک شخصیت قرار دی گئی جس کو ایک تیسری کیفیت کا نتیجہ تبلایا گیا۔ اس کیفیت کو اعتقاد کہتے ہیں جس کا اصطلاحی نام ایمان ہے۔ لہذا مومن وہ ہے جو ایک امر کا معتقد ہو اور اپنے قول و فعل سے اپنے اعتقاد کی حقیت پر شہادت پیش کرے۔

اعتقاد راستی پر بھی ہوتا ہے، ناراستی پر بھی۔ اور ایک تیسری حالت ان دونوں کے درمیان بھی ہو سکتی ہے۔ جیسے معتقد نہ ادھر کا ہو رہتا ہے نہ اُدھر کا۔ اسکو تذبذب کہتے ہیں۔

ان میں تمیز قائم کرنے کے لئے اعتقاد بالحق کو ایمان اور اس کے بالمقابل کو کفر کے نام سے موسوم کیا۔ حالت تذبذب نفاق کہلائی۔ اس طرح سے اعتقادی حالت کے مطابق معتقدین مومن، کافر اور منافق کہلائے۔

نجات کا مدار ایمان پر قائم ہے۔ ایمان اس حالت کو کہیں گے جس میں خدا و رسول و جانشین رسول کی اطاعت کا اظہار ہوتا ہو۔ اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول واولی الامر منکم۔ یعنی خدا کی اطاعت ہو رسول و صاحب امر کی اطاعت ہو، پس نجات کا مدار اطاعت خدا و رسول و جانشین رسول۔ (اولی الامر) پر آرہا۔ محض اطاعت خدا یا اطاعت خدا و رسول باعث نجات نہیں ہو سکتی جب تک کہ خدا کی اطاعت کے ساتھ رسول و اولی الامر کی اطاعت نہ ہو یعنی خدا کے ساتھ نائب خدا (رسول) اور نائب رسول (اولی الامر) کی اطاعت فرض عین ہے بلکہ اطاعت اولی الامر نجات کی توقع نہیں رکھ

اندریںصورت معیار شناخت ایمان اطاعت امام وقت معیار نفاق انکار از اطاعت امام وقت اور معیار کفر انکار از اطاعتِ رسول قرار پاتا ہے۔ امام وقت میزان حق و باطل مابین مومن و منافق۔ رسول میزان حق و باطل مابین نفاق و کفر ہی۔ اطاعت رسول سے کفر و اسلام میں امتیاز پیدا ہوتا ہی مطیع رسول مومن ہو یا منافق۔ اطاعت رسول کے باعث کفر سے علیحدہ ہو جائیگا لیکن امام کا مطیع وہی ہوگا جو سچے دل سے ایمان لایا۔ منافق اس اطاعت سے گریز کرے گا۔

ہم اس نتیجہ پر پہونچ سکتے ہیں کہ رسول ظاہری حالت کے بدلنے اور ایک محیط قائم کرنے کے لئے مبعوث ہوتا ہے۔ امام کا تقرر اندرونی حالت کے سدھارنے کی غرض سے ہے تاکہ مرکز موجودات کیطرف خالص ترین وجود پاک و صاف ہو کر آئیں۔ ناپاک و غیر خالص موجودات اس مرکز سے اسوقت تک قریب نہیں ہو سکتے جب تک کہ حدِ فاصل قائم ہے۔ اس حدِ فاصل کا دروازہ امام وقت ہی۔ دروازے سے داخل ہو کر مرکز تک پہنچنا ممکن ہی۔

مرکزِ عالم اوّل مخلوق الٰہی ہے۔ محیط شریعت یا قانون قدرت ہی۔ ذریعہ وصول نی المرکز یا اس مرکز تک پہونچنے کا وسیلہ محیط کا نصف قطر عالم شریعت یا امام وقت ہی۔ بلا وساطت قُطر یا نصف قُطر مرکز محیط معلوم نہیں ہو سکتا۔ اس لئے حدیث شریف میں مذکور ہی

انا مدینۃ العلم وعلی بابہا فمن ارادالعلم فالیات الی الباب میں علم کا شہر (محیط) ہوں۔ اس کا دروازہ علیؑ ہے جس کو علم حاصل کرنا ہو۔ (یا شہر علم میں داخل ہونا ہو۔) اسکو چاہیئے کہ دروازہ سے آئے (یعنی علم کو علیؑ سے سیکھے۔ کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے۔

روز محشر سیاہ شود چوں قیر	چہرۂ دشمن جناب امیر
شکر منعم کہ نیستم منکر	از ولائے امیر خیبر گیر

بعثت موسیٰ علیہ السلام کو چھٹا برس شروع ہوا تو مصر سے بنی اسرائیل کو لیکر نکلے۔ اور حوریب کے دامن میں آئے یہ وہی پہاڑ ہی کہ جس کی ایک چوٹی طور کہلاتی ہے۔ اس جگہ مقام ہوا۔ توریت ہدایت بنی اسرائیل کے لئے عطا ہوئی۔

کلام پاک میں خداوند عالم نے کچھ لوگوں کو خلیفہ مقرر کرنے کا تذکرہ فرمایا ہے۔ ان میں سے اول حضرت ابو البشر آدم علیہ السلام ہیں۔ آیہ وانی ہدایہ انی جاعل فی الارض خلیفہ میں خلیفہ آنحضرت علیہ السلام ہیں۔

(۲) حضرت ہارون علیہ السلام کے تذکرے میں اذ قال لاخیہ ھرون اخلفنی فی قومی حضرت موسیٰ علیہ السلام نے آنحضرت کو خلیفہ مقرر کیا۔

(۳) تذکرۂ حضرت داؤد علیہ السلام میں۔ یاداؤد انا جعلناک خلیفۃ فی الارض فاحکم بین الناس بالحق

(۴) امت موسوی کے تذکرے میں جبکہ انھوں نے گوسالہ پرستی اختیار کی۔ بئسما خلفتمونی من بعدی اے

یعنی ایک ایسے شخص کا کہنا سُنا جسکو میں نے مقرر نہیں کیا۔ اور میرے مقرر کئے ہوئے سے پھر گئے۔ یہ بُرا کام کیا۔
یہ چاروں تذکرے امتہائے سلف کے ہیں۔ ایک اور تذکرہ بھی بصیغۂ جمع ملتا ہے۔ جو اس امّت محمّدی کے متعلق ہے

(۵) وعد اللہ الذین اٰمنوا منکم و عملوا الصلحت لیستخلفنہم فی الارض کما استخلف الذین من قبلھم ولیمکنن لھم دینہم الذی ارتضی لھم۔ خدا نے تم میں سے ان لوگوں کے ساتھ جو ایمان لائے اور اعمال صالحہ کرتے رہے۔ یہ وعدہ کرلیا ہے کہ ان کو اسی طرح زمین میں خلیفہ مقرر کرے گا جس طرح ان کے قبل کے لوگوں کو خلیفہ مقرر کیا۔ اور اُن کے لئے اس دین کو تمکین دیگا۔ جو اس نے ان کے لئے پسند کیا۔

یہ آیہ وافی ہدایہ آیۂ استخلاف کہلاتی ہے۔ بڑی معرکۃ الآرا آیت ہے۔ اسپر اسقدر لکھا جا چکا ہے۔ کہ آیندہ قلم اُٹھانیکی جگہ نہیں رہی۔ اس لئے اسپر اضافہ کی کوشش فضول ہے۔ ہمارا مطلب اور مقصود صرف اسی قدر ہے کہ گذشتہ خلافتوں سے اس آیت کے مقصود خلفاء ممتاز ہو جائیں اور بس۔

آیہ مذکورہ میں ایک وعدۂ الٰہی چند امور کے ساتھ متعلق کیا گیا ہے۔

(۱) وعدہ کے ایفاء کا تعلق ایمان والوں کے ساتھ ہے۔ امنوا منکم (کسی زمانہ گذشتہ میں) تم لوگوں میں سے ایمان لا چکے۔ لہٰذا نو مسلم، منافق اور کافر اس وعدہ میں شریک نہیں ہو سکتے۔ (علاوہ ازیں شرط اعمال صالحہ ساتھ لگی ہوئی ہے)

(۲) وعدہ کا ایفاء مطابق امتہائے سلف ہوگا جس طرح پہلے زمانہ کے لوگ خلیفہ بنے اسی طرح اس امت میں ہوگا

(۳) " " " تمکین دین پر منحصر ہے غلبۂ دین دلائل و براہین کے ساتھ ہوا کرتا ہے اور غلبۂ شاہی قوت و جمعیت پر۔ لہٰذا وعدہ مذکور میں اس پسندیدہ دین کو غلبہ اور تسلط دینے کا ذکر ہے۔ جو اُن کے لئے پسند کیا گیا۔

چونکہ دین مرتضیٰ (پسندیدہ) ہے۔ اس لئے دین کے سالک یا ایمان والے بھی مرتضیٰ ہی ہوں گے۔ غیر مرتضیٰ کا طریقہ طریقۂ (دین) مرتضیٰ نہیں ہو سکتا۔

(۱) حدیث شریف میں مذکور ہے۔ اول ما خلق اللہ نوری۔ اول مخلوق الٰہی میرا نور ہے۔

" " " " " کنت نبیاً و اٰدم بین الماء والطین میں آدمؑ کے خلق ہونے سے پیشتر نبی تھا۔

لہٰذا آنحضرتؐ اول المومنین ہوئے۔

" " " " " الحسن والحسین سید اشباب اھل الجنۃ۔ حسنینؑ جوانان بہشت کے سردار ہیں لیکن بہشت خداوند عالم نے مومنین کے ہاتھ بیچ ڈالا۔ ان اللہ اشتری من المومنین انفسہم و اموالھم بان لھم الجنۃ۔ خدا نے مومنین کی جانوں کے عوض جنت فروخت کردی تو حسنین علیہما السلام سردار مومنین ہوئے۔ ہر شخص اپنی اور اپنے بزرگوں کی ملکیت پر سردار ہی ہوتا ہے۔

کے متعلقات میں اس کا ذکر ہو چکا ہے)

(۲) خلفائے ماسبق کے متعلقہ آیات میں یہ امر ظاہر ہے کہ انکو خدا نے یا خدا کے حکم سے رسول نے خلیفہ مقرر کیا ان خلفار میں کوئی ایسا دکھلائی نہیں دیتا جسکو شوریٰ یا اجماع امت نے مقرر کیا ہو۔ البتہ معزولی کے لئے اجماع ہوا۔ اس سے انکار نہیں ہو سکتا۔ اور نہ ایسے انکار کی کوئی ضرورت ہے۔

وعدہ الٰہی ان مومنین کے ساتھ یہی تھا۔ کہ ہم خود تمکو خلیفہ مقرر کرینگے جس طرح آدم و ہارون و داؤد علیہم السلام کو خلیفہ مقرر کیا لیکن آدم علیہ السلام کی خلافت علمی تھی ہارون علیہ السلام کی تشریعی اور حضرت داؤد علیہ السلام کی زہد و شجاعت میں نہ غلبہ و تسلط میں۔

وعدہ کے مطابق جو ان تینوں خلفار اللہ کو فرداً فرداً ملا یہاں مجموعی حیثیت میں ملنا چاہئے۔ یعنی تقرر خدا کرے اور اعلان رسول کرے۔ علم بھی کامل ہو۔ امام بھی ہو شجاع بھی ہو زاہد و عابد بھی ہو اگر اس طرح سے خلافت قائم ہو تو وعدے کے مطابق ہے ورنہ یا وعدہ غلط ہو جائے گا یا خلیفہ مصنوعی قرار پائیگا

تمام کتب احادیث نبویؐ تمام کتب تواریخ دیکھ جایئے لیکن اقضاکم علیؑ کی مثال نظر نہیں آتی باب العلوم کی شان کہیں دکھلائی نہیں پڑتی۔ یوتون الزکوٰۃ وھم راکعون کی تشبیہ کہیں صادق نہیں آتی کرار غیر فرار کے مقام پر کوئی نہیں ٹھہرتا جس وصف کو خداوند عالم نے معیار خلافت مقرر کیا اس کا ظہور ذاتِ علی میں بدرجہ اتم نظر آتا ہے پس خلیفہ موعود بجز علی دوسرا ہونا ممکن نہیں۔ بعد از علیؑ ہونا امر دیگر ہے اس سے بحث نہیں اس بیان میں ہم نے خلافت مندرجہ آیہ چہارم کو نظر انداز کر دیا ہے کیونکہ وہ خود ساختہ پرداختہ تھی اور خداوند عالم نے اس کو ناپسند کیا حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس خلافت کی نسبت لفظ بئس استعمال کیا۔ خار گل کے ہمرنگ کے اور غیر مرتضیٰ مرتضیٰ کے مساوی نہیں ہو سکتا۔

البتہ آیہ استخلاف میں خداوند عالم نے خلفا کو بصیغہ جمع ذکر فرمایا ہے اور بیان بالا میں صرف ایک خلیفہ نظر آتا ہے اس لئے ضروری ہے کہ دنیا میں بعد از علیؑ آنحضرت کے اوصاف والے خلفا موجود ہوں۔ تاکہ بحیثیت مجموعی وہ کل برکات جو خلفا ماسبق کو حاصل ہوئیں ان کو عطا ہوں۔

تسلط ظاہری کو نظر انداز کرنیکے بعد ایسا کوئی وصف نظر نہیں آتا جو ذریت علیؑ کے گیارہ نفوس زکیہ میں نہ ملتا ہو۔ علم و ورع زہد و تقویٰ صبر و حلم۔ شکر و احسان۔ سخاوت و شجاعت۔ فصاحت و بلاغت وغیرہ تمام اوصاف میں انکا کوئی ہمعصر ہمسری کا دعویٰ نہیں کر سکا۔ لہذا یہی وہ سلسلہ خلفائے موعود ہو سکتا ہے جو مفہوم آیہ استخلاف ہے ظاہری تسلط اگر معیار خلافتِ حقہ قرار پاتے تو علاوہ اہل کتاب کے بیشمار کفار و مشرکین بادشاہ ایسے ہو گذرے جن کا تسلط فی الارض مورخین نے تسلیم کیا ہوا ہے زمانہ گذشتہ سے قطع تعلق کر کے زمانہ حال پر سرسری نگاہ

نیصر سند کو خلیفۃ المسلمین تسلیم کرنا پڑے گا۔ لیکن اس معیار کی بنا پر تمام دنیا تمام خلافت پر تیار نہیں ہوئی

آخر وجہ ؟

تسلیم کرنا پڑیگا کہ معیار تسلط خود غرضی پر مبنی ہے اور نفسانی فوائد کے لئے وضع ہوا ورنہ دراصل معیار حقیقی وہی ہے جو خداوند عالم نے قائم کیا۔ اس لئے بادشاہ دنیا روحانی حاکم نہیں ہوتے۔ دینی سرداری یا روحانی حکومت اُسیکو نصیب ہوتی ہے جسکو خدا مقرر کرے۔ بنی اسمٰعیل میں سے ایسے بارہ سردار مقرر ہونے کا وعدہ ابراہیم علیہ السلام سے ہوا اور وہی سردار مقصود آیہ استخلاف ہیں ہمہ شما اس میں داخل نہیں۔

حضرت داؤد علیہ السلام آخر خلفائے مذکور فی القرآن از انتہائے ماسبق تھے آنحضرت نے بشیار اوصاف اور پیشینگوئیاں متعلق بہ امیران اثنا عشر بیان فرمائی ہیں جو مشتی نمونہ از خرداری کے مطابق اپنے مقام پر مذکور ہونگی (انشاء)

اس زمانہ میں بنی اسرائیل کی دینی و دنیوی ہر دو حالتیں بہت اچھی تھیں۔ مالی بہبودی کا اندازہ خراج ممالک سے ہوسکتا ہے۔ اور اس کا تخمینہ اس لاگت سے جو تعمیر ہیکل میں صرف ہوئی۔ یہ زمانہ عروج بنی اسرائیل تھا فلسطی مجتی۔ ہندی و صحرائی۔ حبشی و پریزاد جنات و غولات سب ہی مطیع و منقاد تھے۔

رعیت کی خوشحالی، فراغبالی، دینداری، و دنیاداری بادشاہ کے رویّہ پر ہوتی ہے دانا و فرزانہ حاکم نعمت غیر مترقبہ ہے اور پھر سلیمان علیہ السلام سا فرزانہ آپ کے اقوال ضرب الامثال کی صورت میں اب بھی وجدانی کیفیت پیدا کرتے ہیں مثل مشہور ہے کلام الملوک ملوک الکلام اور پھر بادشاہ بھی وہ جو خدا کا برگزیدہ نبی ہو اُس کا کلام روح الکلام ہوگا۔

عروج کے بعد زوال ہوتا ہے۔ اور زول کے بعد عروج یہ گردش ایام ہیں۔ تلك الايام نداولها بين الناس لیکن عروج و زوال کے لئے وجوہات ہوا کرتی ہیں۔ ان الله لا يغير ما بقوم حتى يغيروا ما بانفسهم۔

خدا نے آجتک اُس قوم کی حالت نہیں بدلی نہ ہو جسکو خیال آپ اپنی حالت کے بدلنے کا

انسان جیسا کریگا ویسا پائیگا۔ مال و دولت کا نشہ معمولی نہیں ہوتا۔ اس کے ہوتے ہوئے انسان اپنی اصلیت کو فراموش کردیتا ہے۔ حدود الٰہی کی پرواہ نہیں کرتا۔ بلکہ یہ سمجھتا ہے کہ قانون غربا کے لئے ہوتا ہے امرا و اغنیا قانون بنانے کیلئے ہوتے ہیں۔ اور قانون کی خلاف ورزی اُن کے لئے ایسا سخت گناہ نہیں ہوسکتی ان کی دولت اُنکے عیوب کی ساتر ہوجاتی ہے۔ بقول شاعر۔

اے زر تو خدا نہ ولیکن بخدا ستّار عیوب و قاضی الحاجاتی

آخر نتیجہ یہ کہ بڑے بڑے لوگوں کی تقلید غربا بھی کر بیٹھتے ہیں اور شریعت کے احکام صرف کتابت تک محدود رہجاتے ہیں علما بھی اسی رنگ میں رنگ جاتے ہیں امرا کو خوش کرنے کے لئے شریعت کا گلا گھونٹنا فخر ہوجاتا ہے اب فتویٰ ہے

بنی اسرائیل ... [illegible] ... پیدا ہوئی ...
نے گھر جمایا شیرازہ بکھر گیا۔ اصلاح کیلئے انبیا آئے دنیا پرست علمائے فتووں نے تلوار کے گھاٹ اتروا دیئے ایک اخاب کے زمانہ میں تیس ہزار نبی ایک دن میں قتل ہوئے تحریف معنوی و تحریف لفظی کا بازار گرم ہوتا ہی رہا۔ ایک دو یا دس بیس فیصدی بگڑ جائیں تو نکال پھینکنا سہل ہے لیکن جب آوے کا آوا ہی بگڑ جائے تو بجز از سر نو پزآوہ ترتیب دینے کے اور کوئی صورت نہیں ہو سکتی۔

اس آنیوالے عذاب کی منادی کے لئے حضرت یرمیاہ مبعوث ہوئے مگر کون سنتا آخر وہ زمانہ آگیا کہ بخت نصر کی افواج قاہرہ نے یروشلم کی اینٹ سے اینٹ بجادی بنی اسرائیل قید ہو کر بابل پونہچے ہیکل مسمار ہوئی یہی اسیری بابل کہلاتی ہے

اس تباہی عام میں حضرت یرمیاہ حزقیل دانیال عزیر و نحومؑ علیہم السلام انبیا بھی قید ہو گئے کچھ سزا اور کچھ ان خدا رسیدہ نفوس کی دعا۔ زمانہ اسیری زیادہ طویل نہیں ہونے پایا پہلی نسل کے گنہگار چل بسے اور بچے جوان ہوئے کل ۹۰ برس غلامی کا داغ پیشانی پر چمکا یہانتک کہ بیلشضر بن اویل مرودک بن بخت نصر تخت نشین ہوا۔ یہ وہ بادشاہ ہے جس نے جلسہ شراب قائم کر کے ہیکل کے پیالوں میں شراب پی اسی جلسہ کے دوران میں وہ الفاظ دیوار پر منقش ہوئے جس کے پڑہنے کے لئے حضرت دانیال طلب ہوئے کلدانی قوم جاہل نہ تھی لیکن راز کی باتیں راز دار ہی جانے۔ کتبہ یہ تھا منے تفقیل فرسین (منع منع تفقل فارسین) بار بار تنبیہ کی گئی باز نہیں آیا۔ لہذا فارس والوں کو سلطنت ملی لہراسپ بادشاہ ہوا اور بنی اسرائیل غلامی سے آزاد ہوئے۔ لہراسپ نے حضرت دانیال علیہ السلام کو اپنی وزارت پر مقرر کیا۔ بنی اسرائیل نے لہراسپ اور اس کے جانشینوں کے زمانہ میں یروشلم کو باردیگر آباد کرنے کی تحریک کی۔ آخر کامیاب ہوئے۔ انہی تحریکات کے ایام میں حضرت دانیال علیہ السلام نے مختلف پیشنگوئیاں کیں۔ تیاری ہیکل کے متعلق ستر سال کی نبوت آردشیر کے عہد میں ہوئی۔

تقریباً سب نبوتوں کی تاریخ حضرت دانیال علیہ السلام نے تیاری ہیکل سے شمار کی سوائے اُن کے جن میں زمانہ کی قید ساتھ لگائی گئی ہے۔

تقریباً ایک سو پچاس سال کے بعد ہیکل میں عبادت از سر نو جاری ہوئی۔ لیکن زمانہ بدلجاتا ہے عادت نہیں بدلتی ذرا آرام سے عمر گذرنے لگی تو پھر وہی پہلی روش اختیار کر لی۔ وہی باہمی نفاق اور خانہ جنگی۔ یہانتک کہ وہ سکندر اعظم کی رعیت بنے۔ یہ تنبیہ بھی کارگر نہ ہوئی تو اس سے ۱۶۳ برس بعد انتوکس (ANTLOCHS) رومی نے حملہ کیا۔ فتح کی خوشی میں ہیکل مقدس میں سور قربانی کیا اور اسکا گوشت قربانگاہ پر نذر چڑہایا شریعت موسوی کے مطابق سور نجس العین ہے۔ لہذا مقدس اور قربانگاہ دونوں نجس قرار پاتے یہ ولادت مسیح علیہ السلام سے ۱۷۰ برس پہلے رونما ہوا۔

اب ہم اُس زمانہ تک پہنچ گئے کہ سلسلہ ہدایت بنی اسرائیل میں آئندہ بند ہو گیا اُنکی مخالفت نے اُنکے موجودہ رہبر کو اُنکے درمیان سے غائب کر دیا۔ مخالفت کی کوئی حد ہوتی ہے۔ یہاں کوئی انتہا نظر نہیں آتی۔ بات بات میں مخالفت سیتا کو

نکل گئے ورنہ ضرور پتھر برسا دیتے یہی قریبی کاہن سبب ذہن بن گئے حقیقت الامر یہ ہے کہ جن اعتقاد تو وہ اپنے دل
میں جمائے ہوئے تھے یہ تعلیم اس کے موافق تھی اُن کو فخر تھا کہ نبوت کا منصب تقریبًا دو ہزار برس سے اُنکے درمیان
ہے خداوند عالم نے ہماری قوم کو اقوام عالم کے لئے نمونہ ہدایت قرار دیا ہے وہ اپنے برابر کسی دیگر قوم کی وقعت
نہیں سمجھتے تھے بلکہ اپنے بنی اعمام کو بھی حقارت کی نظر سے دیکھتے تھے۔ تکبر خاکی پتلے کو زیبا نہیں۔ دنیا میں نسلی
امتیاز ہمیشہ نقصان رساں ثابت ہوا ہے۔ خداوند عالم نے انسان کو ایک ہی نسل سے پیدا کیا ایک آدم علیہ السلام
کی اولاد سے دنیا کو معمور کیا پھر نسلی فوقیت کیا۔ ہاں خداوند عالم نے جو امتیاز قائم کر دیا ہے اس سے تجاوز کرنا حماقت و
جہالت ہے ایمان اور کفر دو متضاد کیفیتیں ایسی ہیں جو ایک دوسرے سے ہمیشہ متصادم ہوتی رہی ہیں لہذا ایمانداروں کو
ایمان کے علاوہ دوسرے بنی نوع انسان سے کوئی زیادتی نہیں اس قسم کے اعتقاد والے ایک گروہ ایک جرگہ، ایک قبیلہ یا
قوم کہلانے کا حق رکھتے ہیں ایکدوسرے کے کفو ہیں لیکن کافر مومن کا کفو نہیں کیونکہ دونوں ایک خط مستقیم پر کھڑے نہیں
ہوسکتے چنانچہ بنی اسرائیل میں اس نسلی تفوق کا خیال ایسا رائج ہو گیا تھا کہ بہت سے اپنے ہی بھائیوں کو بھی ہیکل میں آنیکی ممانعت
تھی کیونکہ اُنھوں نے اُن اقوام کو اپنے برابر سمجھا جو ایمان لاکر اعتقادی دنیا میں اُنکے ہمسر تھے یعنی سامریہ میں آباد
ہوئی۔ بھلا جنکا اولاد اسحاق علیہ السلام سے یہ سلوک ہو پھر بنی اسمٰعیلؑ یا بنی قطورہ کس گنتی میں تھے۔

نبی کی بعثت کی غرض رفع اغلاط ہے۔ اس لئے حضرت عیسٰی علیہ السلام نے مختلف اغلاط کی تصحیح کی کوشش کی۔
اس فخر کو جو نبوت کی بنا پر اُنکے دلوں میں جاگزیں تھا آنحضرت نے یہ امر جتلا کر درست کرنا چا   میں تم سے
کہتا ہوں کہ خدا کی بادشاہت تم سے لے لی جائیگی اور اس قوم کو جو اُسکے پھل لائے دیدی جائیگی جب نبوت ہی نہ رہی
تو اس پر فخر بیجا۔ باپ دادوں کی نبوت اُنکے لئے باعث عزت ہوئی اولاد کا اسمیں کیا حصہ بزرگوں کی متابعت اور اُنکے
نقش قدم پر چلنے کا فخر اُسیوقت زیبا ہے جبکہ قول اور فعل مطابق ہوں ورنہ وہ غیر شخص جو تقلید میں ہم پر سبقت کرتا ہے
وہ ہم سے افضل ہوگا۔ ذات پات یعنی نسلی افتخار کوئی کام نہیں کرسکتا جناب امیر علیہ السلام نے بھی اس خیال کی تردید فرمائی ہے۔
بجد لا بجد کل مجدٍ   دیا جبل بلا مجد بجد   فرماتے ہیں کہ

انسان کی شرافت اور بزرگی فخر و سیادت اُسکے اپنے اعمال اور کوشش پر مبنی ہے باپ دادا کی شرافت و سیادت پر فخر بیجا
ہے ذرا غور کرو اور سوچو کیا باپ دادا کو یہ شرف بغیر سعی کے مل گیا؟ جو تمکو مل جاتے یعنی انھوں نے مصیبتیں جھیلیں صعوبتیں
اٹھائیں سختیاں سہیں اپنے ارادے پر مستقل رہے۔ مقصد کو فوت نہ ہونے دیا جان کی پرواہ نہ کی تب اُن کو یہ شرف
حاصل ہوا اور تم یہ چاہتے ہو کہ بیٹھے بٹھائے شرافت کے مالک بنجاؤ بزرگی کا درجہ حاصل کرلو برائے نام ضرور
شریف کہلا سکتے ہو لیکن شرافت حقیقی وہی ہے کہ دیکھنے والا تمکو شریف سمجھے یعنی میراث پدر خواہی علم پدر آموز۔
ورنہ نالائق اولاد بدنام کنندۂ نکونامے چند سے زیادہ نہیں اُنکی وجہ سے بزرگوں کا نام بھی بدنام ہو جاتا ہے۔

خیر مطلب یہ ہے کہ بزرگوں کی عزت پر فخر کرنا بیجا ہے جب تک کہ ہم ویسے ہی نہ ہوں جیسا کہ وہ تھے۔

سرداروں میں کچھ فرق ہوا کرتا ہے قوانین کی اجراء سے اُسکے مفہوم کی وسعت کا اعلان اُسکی تعمیل کے طریقے دربار سے متعلق ہوتے ہیں جو سرداروں کو (صوبہ داروں کو) مفصل ہدایات کیشتہ دیئے جاتے ہیں۔ یہ سردار اپنی رعایا میں اُس قانون کا نفاذ کرتے ہیں اور عملاً اُسپر تعمیل کرکے دکھلاتے ہیں خود پابند قانون ہوکر دوسروں کو اُسکی پابندی پر مجبور کرتے ہیں لہٰذا یہ سردار قائمقام رکن دربار یا قائمقام بادشاہ کہلاتے ہیں اگر بادشاہت کو ایک شجر فرض کیا جائے تو بادشاہ اُس کی اصل ہوگی وزارت اس کی جسامت یا تنہ ارکین دربار شاخین رعیت پتے اور سردار ثمرہ

لیکن غایت شجر، شاخ و برگ و گل نہیں ہوتے بلکہ ثمر ہوتا ہے لہٰذا سلطنت کا قیام و دوام سرداروں پر منحصر ہوگیا۔ اگر سردار عمدہ اور لائق ہوں تو سلطنت مستحکم ہے اگر عمال خائن نالائق یا پابند قانون نہیں تو سلطنت کا شیرازہ ڈھیلا ہوجائیگا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام سے وعدہ الٰہی تھا کہ ملکوں کے بادشاہ اسحٰق سے ہونگے اور بارہ سردار اسمٰعیل سے تاریخ عالم پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ بنی اسرائیل تمام دنیا پر حکمران نہیں رہے صرف معدودے چند بادشاہ اُنکے درمیان ہوئے اس کے مقابلہ میں غیر اسرائیلی بادشاہوں کی تعداد بیشمار ہے۔ لہٰذا بادشاہ سے دنیاوی بادشاہ مراد نہیں ہوسکتے البتہ روحانی بادشاہی کی صورت میں یہ وعدہ حق نکلتا ہے اسی طرح بنی اسمٰعیل میں سرداروں کی تعداد صرف روحانی سرداری کی صورت میں سچی ہوتی ہے اس روحانی سرداری کو امامت کہتے ہیں لیکن غایت شجر ثمر اور غایت حکومت وفادار سردار ونکا وجود اور پر ثابت ہوا لہٰذا غایت نبوت امامت قرار پائی۔ اور کلام مسیح علیہ السلام کا یہ مفہوم ہوا کہ نبوت بنی اسرائیل میں اب نہ ہوگی بلکہ ان لوگوں میں ظاہر ہوگی جنکو امامت خلق نصیب ہوئی ہے یعنی بنی آئندہ اسمٰعیلی ہوگا جسکے بعد سرداروں یا آئمہ کا سلسلہ شروع ہوگا (حسب وعدۂ الٰہی)

پہلے ذکر ہوچکا کہ نبوت حکومت روحانی ہے جسکا قائم کرنیوالا خداوند عالم ہے وہ ایسی ذات ہی جو رویت میں نہیں آسکتی۔ وہ تو درکنار ہماری روح جو مخلوقات سے ہے ایک غیر مرئی شئے ہے ہم نہیں جانتے وہ کیا ہے کیسی ہے اور کیونکر ہے۔ مخلوق کی رویت محال ہے تو خالق کی محال تر ہوگی۔

فہم و ادراک انسانی اُس شئے کی ماہیت دریافت کرنے سے عاجز ہیں جو رویت میں نہ آئے یا ادراک سے باہر ہو اس لئے ایسے وجود کی معرفت حاصل کرنا دشوار ہے جبتک کہ شواہد و بینہ اُس کے وجود پر دلالت نہ کریں اور ہمارے فہم و ادراک کو منزل مقصود پر پہنچانیوالا موجود نہو لہٰذا ایک ایسے ذریعہ یا وسیلہ کی ضرورت ہے جو ہماری فہم سے بالاتر پرواز رکھتا ہو۔ اور منزل مقصود سے واقف ہو۔ ورنہ یہ بلند پروازی مصیبت کا سامنا اور آفت سے پالا ڈالے گی۔

متحرک ہی یعنی حرکت ایک ایسی کیفیت ہی جس کے لئے جسمیت کی ضرورت ہی۔ مکان کی احتیاج ہی۔ اور وقت کی قید۔ بذاً خاص اس کیفیت کی ماہیت سے کوئی واقف نہیں صرف اس کے اثر سے اس کے وجود کا علم ہوتا ہی لیکن ہر کیفیت خود بخود ظاہر نہیں ہوتی جبتک کہ کوئی مؤثِر نہ ہو اور پھر مؤثر کا اثر قبول کرنے کے لئے مؤثَّر بھی ہو۔

لہذا حرکت اسوقت ہو سکتی ہے جبکہ دو وجود موجود ہوں۔ ایک مؤثِر۔ دوسرا مؤثَّر۔

ظہور اثر ایک خاص قاعدۂ فلسفیہ کے ماتحت ہوتا ہے جسکو عقلاء نے چند صورتوں میں بیان کیا ہے۔

(۱) ایک وقت میں ایک سے ایک ہی فعل ہو سکتا ہے (۲) دو مؤثِر ایک قسم کے ایک مقام پر جمع نہیں ہو سکتے جبتک کہ وہ دونوں ملکر ایک ہی مؤثِر نہ ہوں۔ (۳) زمان و مکان کی قید اجسام سے متعلق ہی غیر اجسام اس سے بری ہیں۔ (۴) ہر ایک جسم کی ابتدا برقی ذرات سے ہوئی۔ جو صرف ایک ہی طرف متحرک ہوتے ہیں۔ دوسری جانب نہیں ہوتے اُن میں ایک خاص قوت ظاہر ہوتی ہی۔ جو اُن کو دوسری جانب جانیسے روکتی ہی۔ (۵) قوت کا ظہور فعل کی صورت میں اس وقت ظاہر ہوتا ہے جبکہ اس قوت سے ایک مخالف پیدا ہو جائے۔ اور قوت اصلی اس روک پر غالب آئے۔

ان مسلمہ اصول کی بنا پر مؤثِر ایک مقابل مؤثَّر کو پیدا کر سکتا ہی۔ یا دوسرے الفاظ میں قوت کا ابتدائی ظہور قوت کی صورت میں ہو سکتا ہے۔ دیگر کوئی صورت ممکن نہیں۔

عالم میں پانچ ایسی قوتیں نظر آتی ہیں جو تمام اجسام کی غایت پائی جاتی ہیں۔ برق (بجلی) کشش (مقناطیس) نور (روشنی) حرارت (گرمی) اور حرکت۔ لیکن یہ پانچوں صورتیں ایک ہی ہیں۔ ظاہری صورت نے نام بدلڈالے۔ ورنہ برق کا وجود، حرکت، کشش، روشنی، اور حرارت اپنے ساتھ لئے ہوئے ہوتا ہے۔ علیٰ ہذا القیاس دوسروں کی بھی یہی کیفیت ہی۔ فی الحقیقت یہ سب نام قوت یا قدرت کے اثرات ہیں۔

قوت ایک صفت ہی جو موصوف کے بغیر نہیں ہو سکتی۔ جب تک قوی کا وجود نہو قوت نہیں ہوگی یہی حالت قدرت کی ہے جب تک قادر نہ ہو قدرت کا وجود ممکن نہیں۔

لہذا قادر مطلق نے اپنی قدرت دکھلائی۔ ایک نورانی کیفیت ظاہر ہوئی۔ اس کیفیت نورانی کو دو قسم کیا ایک نور خفی ہوا۔ دوسرا نور جلی۔ دونوں کے درمیان کشش قائم کی جس سے حرکت و حرارت وجود میں آئیں اس خمسہ متحرکۂ اولیہ سے بنائے عالم قائم ہوئی۔

غور کیجئے تو قدرت کا عارف وہی ہو سکتا ہے۔ جو "کچھ قدرت" رکھتا ہو جسمیں قدرت ہی نہیں وہ قدرت کو کیا جانے۔ اس کے نزدیک پتھر بھی قادر۔ انسان بھی قادر۔ دیگر مناظر قدرت بھی قادر۔ زمین بھی قادر۔ افلاک بھی۔ جوہر کی قدر جوہری کرتا ہے اس کی نظر میں وہ قوت موجود ہے جو جوہر کی آب و تاب میں روشن ہی۔ لہذا اس خمسہ نورانیہ سے بہتر عارف قادر مطلق نہیں ہو سکتا۔ اور نہ اس سے بالاتر کوئی وجود حادث ممکن ہی جسپر سب سے قبل قدرت نے ظہور کیا اور اسکو اپنا نمونۂ قدرت یا مظہر صفات بنایا جسکا نمونۂ قدرت مصدر تجلیات ہو۔ وہ خود کیسا عظیم الشان ہوگا

انسان کثیف البنیان بنی کی عمر بھی چھ سات ہزار سال سے زیادہ نہیں۔ اس نورانی زمانے کو اپنے
الفاظ میں کیونکر ڈھالے کبھی اس کا جلوہ دیکھا ہوتا تو حیرؔ بہ اُتارنا سہل تھا۔ اندرینصورت اُسی کے الفاظ اس زمانے
کا نقشہ کھینچ سکتے ہیں جس نے اسوقت کا جلوہ دیکھا یا دکھلایا۔ قرآن پاک میں اس زمانہ کا تذکرہ آیۂ نور میں آیا ہے کس
خوش اسلوبی سے اس ابتدائی خلقت کا فیصلہ کر دیا ہے کہ خیال کرنے سے بے اختیار " ربنا لک الحمد " وصل علی محمد و آل محمد
کی آواز کی گونج زبان سے نکلتی ہوئی کانوں تک پہونچتی ہے۔

اللہ نور السموٰت والارض ط مثل نورہٖ کمشکوٰۃ فیہا مصباح ط المصباح فی زجاجہ ط الزجاجۃ کانہا
کوکب دری یوقد من شجرۃ مبارکۃ زیتونۃ لا شرقیۃ ولا غربیۃ یکاد زیتہا یضیٓئ ولو لم تمسسہ نار ط
نور علی نور ط یہدی اللہ لنورہٖ من یشآء ط ویضرب اللہ الامثال للناس ط واللہ بکل شئ علیم۔ فی بیوت
اذن اللہ ان ترفع ویذکر فیہا اسمہ یسبح لہ فیہا بالغدو والاصال۔ رجالٌ لا تلہیہم تجارۃ ولا بیع عن
ذکر اللہ واقام الصلوٰۃ وایتاء الزکوٰۃ ط

اللہ آسمانوں اور زمین کی روشنی ہے (یعنی اللہ زمین اور آسمانوں کو روشن کرنیوالا ہے۔) اس کے نور کی
مثال چراغ کی مانند ہے جس کی بتی (روشن) ہو۔ یہ روشن بتی فانوس (گلوپ یا چمنی) کے اندر ہو۔ گلوپ۔ یا
فانوس روشن ستارے کی مانند ہو۔ جو شجرۂ مبارکہ زیتونہ سے روشن ہوتا ہو۔ نہ شرقی ہو نہ غربی۔ اس کا روغن خود
بخود روشن ہو اگرچہ کبھی آگ نے اسکو چھوا بھی نہ ہو۔ یہ نورانی کیفیت ہے (نور کے اوپر نور) خدا جسکو چاہے اپنے نور
کیطرف ہدایت کرے اور لوگوں کے لئے اللہ تمثیلیں بیان کرتا ہے۔ خداوند تعالیٰ ہر ایک شے سے اچھی طرح واقف ہے۔
ایسے گھروں میں جن کے ملند کئے جانے کی اللہ نے اجازت دی ہے۔ (یعنی جن کی عزت و توقیر و اطاعت کا حکم ہے)
تاکہ اس کے ذریعہ اس کے (اللہ کے) نام کا ذکر کیا جائے (یعنی اس رفعت کو عبادت قرار دیا) اور اس (رفعت)
میں صبح سے رات تک اس کی تسبیح کیجائے (یہ نور) کچھ لوگ ہیں کہ خرید و فروخت (مشاغل دنیاوی) ان کو ذکر خدا اقامۂ
صلوٰۃ و ادائے زکوٰۃ سے غافل نہیں کرتی۔

ہمارے الفاظ میں یہ مطلب اسطرح ادا ہوگا کہ خداوند عالم نے ہدایت عالم کے لئے ایک نور خلق فرمایا اور عرصۂ
دراز تک اس نور یا صفو کو ہدایت مخلوقات کے لئے معلق رکھا جس طرح سے قندیل لٹکا ہوا ہوتا ہے پھر اس نور یا صفو کو شجرۂ
مبارکۂ زیتونہ سے معلق کر دیا۔ جو اس شجرہ سے متوسل ہوا اس نے ہدایت پائی۔ یہانتک کہ یہ نور اُن گھروں میں آیا جنکی
عزت و توقیر کا حکم دیا گیا۔ اور ایسے نفوس اس سے خلق کئے گئے کہ مشاغل دنیا ان کو غرض خلقت (عبادت الٰہی) سے
غافل نہ کر سکی۔ ان کی معرفت، معرفت الٰہی قرار پائی۔ ان کی عزت و توقیر و اطاعت، عبادتِ الٰہی محسوب ہوئی
ان کی محبت محبت الٰہی اور فلاح دارین کا باعث ہوئی۔ یہ نور اوّل مخلوق الٰہی تھا۔ وسیلۂ فیضان الٰہی ہوا۔ اسکو
قلب جملہ عوالم گردانا۔

(شجر و حجر و علم یا معرفت ظاہر ہوئے)

وہ شجرۂ نورانیہ ہر ایک موجودات عالم سے گذر کر خاک میں نہاں ہوا۔ ایک بیج تھا کہ بویا گیا۔ خاک حضیض اس نورانی تخم کی مجانست سے چمک اوٹھی۔ قابل تعظیم و تکریم قرار پائی۔ بقول سعدی رح

گلے خوشبوئے در شیراز روزے ÷ رسید از دستِ محبوبے بدستم

بدو گفتم کہ مشکی یا عبیری ÷ کہ از بوئے دلاویز تو مستم

بگفتا من گلے ناچیز بودم ÷ ولیکن مدتے با گُل نشستم

جمال ہمنشیں در من اثر کرد ÷ وگرنہ من ہماں خاکم کہ ہستم

پودا اُگا۔ مٹی نے ساتھ دیا۔ نور اس پردہ میں پنہاں تھا۔ وہ ذرات ارضی جو اس نور سے ملحق تھے۔ اسی کی صحبت سے نورانی صفت ہو گئے۔

لیکن یہ نور نہ ابتدا والوں (آتش پرستوں) میں تھا نہ انتہا والوں (اسرائیلیوں) میں بلکہ ایک مخصوص گھرانے میں جس کا ذکر ہمیشہ ہوتا رہا۔ یہ ایک عبادت قرار پائی کہ صبح و شام اس نور اور اس کے مقام ظہور کا ورد کیا جائے (صحیفہ ملاکی ۳) یہاں تک کہ یہ نور اپنی دونوں صورتوں (خفی و جلی) کے ساتھ کچھ نفوس (رجال) کی شکل میں ظاہر ہوا۔ ان نفوس کی علامتِ شناخت یہ ہے کہ مشاغل دنیا اون کو یاد الٰہی سے غافل نہیں کرتے اُن کا نوم و یقظہ خواب و بیداری یکساں ہے۔ راحت و تکلیف، بادشاہی و اسیری، تخت سلطنت و تختہ تابوت یا شمشیر قاتل ان میں کوئی تبدیلی پیدا نہیں کرتی۔ ان کی محفل سرور یا میدان جنگ عبادت الٰہی میں مخل نہیں ہو سکتے۔ یہ وہ نفوس ہیں جن کی تعریفیں تورات و انجیل میں بھری پڑی ہیں۔ محمد رسول اللہ والذین معہ اشداء علی الکفار رحماء بینہم تراہم رکعا سجدا یبغون فضلا من اللہ ورضوانا ط سیماہم فی وجوہہم من اثر السجود ط ذلک مثلہم فی التوراۃ ومثلہم فی الانجیل۔ کزرع الخ

محمد رسول اللہ اور وہ لوگ جو اس کے ساتھ ہیں۔ کفار پر سخت ہیں اور آپس میں نہایت مہربان ہیں رکوع و سجود میں ہی نظر آتے ہیں فضل و خوشنودی الٰہی کے سزاوار ہیں۔ سجدوں کے اثر سے ان کی پیشانی پہ گٹے پڑ گئے ہیں۔ یہی علامت اُن کی تورات میں مذکور ہے۔ اور ان کی مثال انجیل میں "زراعت"..... سے دی گئی ہے۔

لہٰذا ضروری ہوا کہ پیشتر توراۃ و انجیل سے ان نفوس طیبہ کی معرفت حاصل کیجائے اور اس کے بعد میناری سلسلہ شروع ہو۔ تاکہ واقعہ کی اہمیت تاریخ کا سلسلہ خود پیدا کر لیوے "مشک آنست کہ خود ببوید نہ آنکہ عطار بگوید"۔ آیہ مذکورہ کے مطابق توراۃ میں ان کو "نسل" اور انجیل میں "کشت یا زراعت" کے ذیل میں تلاش کرنا چاہئے۔ اس ارشاد الٰہی کو مدنظر رکھتے ہوئے ہم اسفار انبیا کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ وما توفیقی الا باللہ العلی العظیم۔ نعم المولیٰ ونعم النصیر الیہ توجہت وہو نعم الوکیل

میں کمی نہیں کی لیکن حقیقت چھپائے سے نہیں چھپتی۔ عبارت کو کتنا ہی مقدم مؤخر یا مشکوک کر دیا جائے۔ تدبّر کی نظر اصلی واقعات تک جا پہونچتی ہی۔ چنانچہ "نسل" کے متعلق وہ پہلا وعدہ الٰہی ملتا ہی۔ جو حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ہوا

(۱) کتاب پیدائش باب ۱۷ آیہ ۱۵-۲۱+... اسمٰعیل کے حق میں میں نے تیری سنی۔ دیکھ میں اسے برکت دوں گا اور اسے برومند کروں گا اور اسے بہت بڑھاؤں گا۔ اور اس سے بارہ سردار پیدا ہوں گے۔"

وعدۂ الٰہی کے مطابق نسل اسمٰعیلؑ سے "بارہ سردار" (دینی پیشوا یا سردار) مقرر ہوئے۔ اس میں نہ کمی ممکن ہی۔ نہ زیادتی دنیاوی پہلو ہو یا دینی جس طرف یہ تعداد پوری ہوگی۔ وہی مقصودِ الٰہی قرار پائے گا

دنیاوی سرداروں کا اولاد اسمٰعیلؑ میں کوئی شمار نہیں کیونکہ بادشاہوں کی تعداد ہزاروں پر پہونچتی ہی۔ لہذا یہ سرداری مقصود وعدہ الٰہی نہیں ہو سکتی۔ صرف دینی سرداری باقی رہی۔ اس کا دعوےٰ ابتدائے اسلام سے پیشتر کسی نبی اسمٰعیلؑ نے نہیں کیا۔ بعد از دعوت اسلام "بارہ سرداروں کا وجود" حسب فرمان رسول مقبول آئمہ اہلبیت میں موجود ہی۔ ان ائمہ برحق کے وسطی سردار کا نام کتاب مکاشفہ یوحنا میں بتلایا گیا ہے کیا مسیحؑ

ایک اور امر بھی ملحوظ خاطر رہنا ضروری ہی کہ ابراہیم علیہ السلام سے جو وعدہ اسمٰعیل علیہ السلام کے متعلق ہوا۔ اس کی نوعیت تو اوپر گذری لیکن اسحٰق علیہ السلام اس وعدہ میں شریک نہیں۔ لہذا۔ ان کی نسبت یہ دوسرا وعدہ ہوا۔ "زمین کے بادشاہ اسحٰق علیہ السلام سے ہوں گے۔ اور میں اس کے ساتھ اپنا عہد جو ابدی ہوگا باندھوں گا۔"

لہذا یہ نوعیت دیگر ہے۔ (۱) یہ کہ بادشاہی اسحٰق "زمین" سے متعلق ہی اور اس سے وہ زمین مخصوص مراد ہی۔ جس کے متعلق ابراہیم علیہ السلام سے پیشتر وعدہ ہو چکا تھا۔ اس زمین موعود میں جس قدر انبیا ہوئے وہ سب اسحٰق علیہ السلام سے۔ (۲) یہ کہ مخصوص قطعہ کی بادشاہی تمام روئے زمین کی بادشاہی نہیں ہو سکتی (۳) نہ زمین موعود کی وراثت اسی وعدہ کی بنا پر بنی اسرائیل کو ملی عیسائو (الیسع) بن اسحٰق علیہ السلام کی اولاد بھی اس میں شامل نہیں ہوئی (۴) ایک قطعہ زمین کا ایک زمانہ دراز تک خود مختار رہنا۔ اس کی دوامی خود مختاری کی دلیل نہیں ہو سکتی۔ بادشاہ روئے زمین کے حضور اس کو سر جھکانا پڑے گا۔ ورنہ اس کی ریاست کی خیر نہیں ہو سکتی۔ (۵) علاوہ بادشاہی زمین موعود بنی اسحٰقؑ کے ساتھ ایک ابدی عہد قائم ہوا۔ وہ یہ کہ کل بنی اسرائیل کے انبیا آمد مسیّا کی تبلیغ کرتے رہیں۔ ہمیشہ تجدید عہد ہوا کرے۔ تاکہ یہ فراموش نہ ہو جائے۔ اور بنی اسرائیل اس سے غافل ہو کر مسیّا کی مخالفت کرنے لگیں۔

اس وعدے کو انبیا علیہم السلام نے کس طرح ایفا کیا؟ حوالہ جات ذیل سے ظاہر ہوگا۔

(۲) "یہودا سے ریاست کا عصا جدا نہ ہوگا۔ نہ حاکم اس کے پاؤں کے درمیان سے جاتا رہے گا۔ جب تک شیلا (یا شیلو) نہ آئے۔" (پیدائش ۴۹ آیۃ ۱۰۔ برکتِ یعقوب علیہ السلام وقت رحلت خود۔)

شیلا عبرانی لفظ ہی اس کا ترجمہ شیر خدا۔ (اسد اللہ) ہوتا ہے۔ دوسری کتابت شیلو یا شلو کا ترجمہ قاتل اژدر۔

وحکومت اسوقت تک باقی رہے گی جب تک کہ اسد اللہ یا حیدر کا ظہور نہ ہو۔ بنی یہودا میں نبوت وحکومت کا سلسلہ
حضرت داؤد علیہ السلام سے شروع ہوا۔ اس قبیلہ میں آخری نبی حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہوئے۔ نبوت بنی یہودا کا سلسلہ
احکامات عیسوی کی تعمیل میں جاری رہا۔ اگرچہ کنعان سے بنی اسرائیل جلاوطن کئے گئے لیکن عرب کے بعض مقامات میں
بنی یہودا کی حکومت باقی تھی۔ چنانچہ ہشام خیبری سردار قلعہ قموص۔ بنی قینقاع (فدک والے یہودی ہی تھے)۔ ان
میں (بنی یہودا میں) ریاست اور نبوت کا دعویٰ فتح قلعہ قموص تک باقی رہا۔ یہ قلعہ اسد اللہ الغالب علی ابن ابی
طالب علیہ السلام کے دست حق پرست پر فتح ہوا۔ آپ کا ایک لقب "حیدر" ہے اسی قلعہ کے فتح کے وقت آنحضرت
نے یہی نام تبلایا جیسا کہ آنحضرت کے رجز سے ظاہر ہوتا ہے۔ "انا الذی سمتنی امی حیدرا"

لہذا حضرت یعقوب علیہ السلام کی وصیت کے مطابق بنی اسرائیل کو قبول اسلام کے سوائے کوئی مفر نہ تھا
نبوت کا زمانہ بنی یہودا میں ختم ہوچکا تھا۔ رہی سہی حکومت بھی ہاتھ سے نکل گئی تھی۔ اس سے زیادہ تصدیق نبوت کے
کے لئے اور کیا شہادت درکار تھی؟

حضرت یعقوب علیہ السلام کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام کی معرفت بلند پیمانہ پر آمد رسول موعود کا اعلان
کیا گیا اور بتلایا گیا کہ "وہ اسرائیلی" تو نہیں لیکن پھر بھی کوئی غیر نہیں۔ کیونکہ ان کے بھائیوں میں سے ہوگا۔
کتاب استثنا ۱۸ آیہ ۱۵-۱۸ "خداوند تیرا خدا تیرے ہی بھائیوں میں سے ایک نبی میری مانند برپا کرے گا۔ تم
اس کی طرف کان دھریو"۔۔۔ "اور پھر خداوند نے مجھے کہا کہ انھوں نے جو کچھ کہا سو اچھا کہا۔ میں ان کے لئے
ان کے بھائیوں میں سے تجھ سا ایک نبی برپا کروں۔ اور اپنا کلام ان کے منہ میں ڈالوں گا۔ اور جو کچھ میں اُسے
فرماؤں گا۔ وہ سب ان سے کہیگا۔ اور ایسا ہوگا جو کوئی میری باتوں کو جنھیں وہ میرا نام لے کے کہے گا۔ نہ سنیگا۔
تو میں اس کا حساب اس سے لوں گا"

عبارت مذکورہ کے مطابق رسول موعود (مثیل موسیٰ) جو بنی اسرائیل کے لئے مبعوث ہوا بنی اسرائیل
سے نہ تھا۔ بلکہ ان کے بھائیوں میں سے تھا۔ بنی اسرائیل کے بھائی بنی عیساؑ، بنی قطورہؑ اور بنی اسمٰعیلؑ ہی ہیں
ان میں سے بنی اسمٰعیلؑ وادی فاران میں آباد تھے۔ آیندہ ان بھائیوں کی تخصیص کی ضرورت ہوئی جن میں سے رسول
موعود نے ہونا تھا۔ لہذا جلائے ظہور رسالت موعودہ یعنی راز نجات عالم کو مخصوص کر کے اس نسل کا پتہ بتلایا گیا جس
میں سے اس کی آمد ہونی تھی۔

استثنا ۳۳ آیہ ۲ "خداوند سینا سے آیا شعیر سے ان پر طلوع ہوا۔ فاران ہی سے جلوہ گر ہوا۔ وہ دس ہزار
قدوسیوں کے ساتھ آیا۔ اس کے داہنے ہاتھ ایک آتشی شریعت تھی"

تاریخ بابانگ بلند بتلا رہی ہے۔ کلام خدا کوہ سینا سے اول بنی اسرائیل پر بتوسل موسیٰ علیہ السلام آیا۔ غیر ممالک یا
یا غیر اقوام اس حکم کے لئے تجویز نہیں ہوئے کیونکہ سوائے بنی اسرائیل کے کوئی دوسری قوم اس جگہ موجود نہ تھی۔

تھا۔ اس وقت بنی اسرائیل ایک ملک میں آباد تھے۔ پیر اسرائیل ہی ان میں شامل تھی۔ لہٰذا کلام الٰہی اس تمام مخلوقات کے لئے آیا۔ جو زمین مقدس میں آباد تھی جیسا کہ طلوع کے وقت آفتاب کی روشنی سے تمام قطعات روشن ہو جاتے ہیں لیکن یہ روشنی محدود درقبہ ملک کے لئے ہوتی ہے تمام دنیا کے لئے نہیں ہو سکتی۔ لہٰذا نبوّت بنی یہودا کا احاطہ ہدایت زمین مقدس تھا یعنی ارض موعود۔

بارسوم کلام الٰہی کوہ فاران سے ظاہر ہوا۔ یہ جلوہ گری کلام الٰہی تھی۔ سورج اسوقت جلوہ گری پر ہوتا ہے جبکہ وسط سما میں ہو اسوقت مغرب و مشرق شمال و جنوب سب روشن ہو جاتے ہیں۔ لہٰذا وہ کلام جو فاران سے ظاہر ہوا تمام دنیا کے لئے تھا۔ یہ نبوّت، نبوّت مطلقہ تھی۔ یہ رسول، رسول موعود تھا جس کا کلام، کلام خدا تھا۔ جو سُنتا تھا وہی کہتا تھا۔ وما ینطق عن الھوی ان ھو الا وحی یوحی۔

چنانچہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بھی اپنے شاگردوں کو بھی خبر دی جیسا کہ انجیل یوحنا ۱۶ باب آیہ ۱۳ میں درج ہے "جب روح القدس آئے گا وہ تمہیں ان باتوں کی خبر دے گا۔ کیونکہ وہ اپنی طرف سے کچھ نہ کہے گا۔ بلکہ جو سنے گا۔ وہی کہے گا"

لہٰذا رسول موعود (مثیل موسیٰ) اور روح القدس ایک ہی ہستی قرار پائے جس کی آمد پر نبوت و حکومت بنی اسرائیل کا خاتمہ مقدر و مقرر شدہ بتلایا گیا۔ جیسا کہ پیشینگوئی حضرت یعقوب علیہ السلام میں مذکور ہوا۔ اور قول مسیح علیہ السلام مندرجہ انجیل متی ۲۱ باب آیۃ ۴۳ سے ظاہر ہوتا ہے وہو ہذا۔

" اس لئے میں تم سے کہتا ہوں کہ خدا کی بادشاہت تم سے لے لی جائیگی۔ اور اس قوم کو جو اس کے پھل لائے۔ دیجائے گی" (متی ۲۱/۴۳)

اس کے علاوہ پولوس نے مزید تشریح کرتے ہوئے بتلایا۔ کہ مسیح علیہ السلام اس روح القدس یا ملک صدق کے تابع ہو کر اسی کے طریقہ (دین یا مذہب)، کے امام مقرر ہوئے۔

"وہ (ملک صدق) ہماری جان کا ایسا لنگر ہے جو ثابت اور قائم رہتا ہے۔ اور پردے کے اندر تک بھی پہونچتا ہے۔ جہاں یسوع ہمیشہ کے لیئے ملک صدق کے طریقہ کا سردار کاہن بنکر ہماری خاطر پیشرو کے طور پر داخل ہوا ہے" (خط پولوس بنام عبرانیان ۶ باب)

یہ امر محتاج بیان نہیں کہ شاگرد استاد سے، تابع متبوع سے، مقتدی مقتدا سے یا ماموم امام سے افضل نہیں ہوتا پس مسیح علیہ السلام طریقۂ ملک صدق کی کہانت پر فائز ہو کر ملک صدق سے افضل نہیں ہو سکتے۔ یہ ملک صدق ایسی بزرگ ہستی ہے کہ ازل سے قائم ہے اور ابد تک باقی رہنے والی ہے۔ لنگر بنی آدم یا وسیلہ بارگاہ کبریا ہے۔ اور باوجودیکہ مخلوق بارگاہ کبریا ہے تابع روح القدس ہے لیکن رازدار ہے۔ پردے کے اندر بھی اس کی رسائی ہے جو سوائے محرم راز دوسری کو میسر نہیں ہو سکتی۔ مسیح علیہ السلام کو جو شرف اور بزرگی ملی وہ اسی "وسیلے" کے توسّل سے۔ اور ان کے طریقہ کے

ملاکی ب آیہ ایں بھی موجود ہے۔ دہو ہذا۔

"تم نے اپنی باتوں سے خداوند کو بیزار کیا ہے۔ تب بھی تم کہتے ہو کہ کس بات میں ہم نے اسے بیزار کیا۔ اس میں جو کہتے ہو کہ ہر کوئی جو بُرائی کرتا ہے سو خدا کی نظر میں نیک ہے۔ اور وہ اُن سے خوش ہے۔ اور یہ کہ انصاف کا خدا کہاں ہے۔ دیکھو میں اپنے رسول کو بھیجوں گا اور وہ میرے آگے میری راہ کو درست کرے گا۔ اور وہ خداوند جس کے انتظار میں تم ہو یعنی عہد کا رسول جس سے تم خوش ہو۔ وہ اپنی ہیکل میں ناگہان آوے گا۔ دیکھو وہ یقیناً آوے گا۔ رب الافواج فرماتا ہے" (ملاکی ب)

مطابق نوشتہ مذکورہ رسول موعود (یعنی "خدائے انصاف" یا عہد کا رسول) سے پیشتر ایک رسول کا آنا ضروری تھا جو ہراول یا پیشرو کے مانند تھا۔ اس کے بعد آمد رسول موعود مقدر تھی۔ بیان پولوس سے ہم پیشتر دیکھ چکے کہ مسیح علیہ السلام اس راز میں پیشرو کے مانند داخل ہیں لہذا رسالت موعودہ کے نفوس طیبہ کو اسفار قدیمہ میں رسول موعود، روح القدس، ملک صدق، خداوند، انصاف کا خدا، سردار، شیلا، یا شیلو اور عہد کا رسول، نبلانا موجودہ بیان تک معلوم ہوا۔ نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ بنی اسرائیل آمد رسول موعود کے منتظر اور مشتاق تھے لیکن انتظاری کی مدت نے ان کو مایوس کر دیا تھا۔

نوشتۂ مذکورہ بالا سے یہ بھی معلوم ہوا کہ یہ عہد کا رسول "اپنی ہیکل میں اچانک آئے گا۔ ایسے طریق سے آئیگا جس کی کسیکو توقع نہیں ہوگی ہیکل اسی کی ہوگی کسی دوسرے سے منسوب نہ ہوگی۔ مثلاً بیت المقدس منسوب ہے روح القدس کے نام سے اس کی بنا حضرت داؤد علیہ السلام سے شروع ہوئی۔ یا بیت ایل (بیت اللہ یا بیت الا لٰہ) کی نسبت ایل یا آلہ سے ہے اس کے معمار خلیل اللہ اور مزدور اسمعیل (ذبیح اللہ) علیہم السلام ہیں۔

حضرت ابراہیم و یعقوب علیہم السلام کے متعلق کتاب پیدایش میں مذکور ہے کہ انھوں نے ایک مقام پر کچھ پتھر جمع کر کے مذبح تیار کیا قربانی کی۔ نذر پیش کی اور اس مقام کو بیت ایل کہا۔ مثلاً حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قصہ میں یہ ذکر اس طرح آیا ہے کہ آنحضرت ایک خاص مقام تک تشریف لے گئے (غالباً بیت عریم تک) اس جگہ مذبح تیار کر کے نذر گذرانی۔ اور اس مقام کو بیت ایل کے نام سے نامزد کیا۔ غالباً یہ وہی مقام ہے جس جگہ جنگل میں ملک صدق نے آنحضرت کی دعوت کی اور آپکے لئے دعا کی۔ آپ کو برکت دی جیسا کہ مذکورہ ذیل نوشتوں سے ظاہر ہوگا۔

خط پولوس بنام عبرانیان ب آیہ ۱-۱۷ (یہ ذکر حوالہ گذشتہ ب سے پیوستہ ہے) "اور یہ ملک صدق شالیم کا بادشاہ۔ خدا تعالیٰ کا کاہن ہمیشہ کاہن رہتا ہے جب ابراہیم علیہ السلام بادشاہوں کو قتل کر کے آتا تھا۔ تو اسی نے اسکا استقبال کیا۔ اور اس کے لئے برکت چاہی۔ اسی کو ابراہیم نے سب چیزوں کی دہ یکی دی۔ (ملاحظہ ہو پیدائش ہے موتف)

یہ اول تو اپنے نام کے مطابق راستبازی کا بادشاہ ہے اور پھر شالیم یعنی صلح کا بادشاہ۔ یہ بے ماں باپ

مذکورہ بالا نوشتے سے ظاہر ہے کہ ملک صدق کو ابراہیم علیہ السلام خلیل اللہ نبی اللہ نے اپنی سب چیزوں کا دسواں حصہ نذر کیا۔ مال و اولاد جو کچھ بھی آپ کی ملکیت ہو اس کا دسواں حصہ ملک صدق کی نذر ہونا ثابت ہے (دوم) ایسی بزرگ ہستی کے لئے برکت کی دعا کرنے والا یا برکت دینے والا اس سے بزرگ ہونا چاہئے کیونکہ چھوٹے بڑوں سے برکت پاتے ہیں مفضول افضل سے فائدہ حاصل کرتے ہیں۔ (سوم) یہ بزرگ ہستی امام ازلی و ابدی بارگاہ الٰہی اسوقت تک خاکی وجود سے مستثنیٰ تھی۔ بلکہ زمانہ پولوس تک اس کا دنیاوی وجود نہ تھا۔ اس لئے نہ اس کی عمر کی ابتدا کا علم تھا۔ نہ اختتام کا پتہ۔ اور نہ اس کے والدین کا نام معلوم تھا جیساکہ رسول موعود کی نسبت اس کے والدین کا حال معلوم نہ تھا۔ پولوس کے زمانہ تک صرف یہی علم تھا۔ کہ یہ بزرگ ہستی خدا (رسول موعود یا خدائے فیض) کے بیٹے کے مشابہ ہے۔

خدا سے خداوند عالم مراد نہیں ہو سکتی۔ اس سے یہ بعید ہے کہ کسی کا باپ کہلائے، جنے یا جنا جائے۔ بلکہ وہ خالق کل ہے۔ اس کی صنعت جا بجا پھیلی ہوئی ہے۔ انسان ہو یا حیوان۔ جمادات ہوں یا نباتات۔ سب اسی کی مخلوق ہیں صحیفہ ملاکی سے اس لفظ خدا اور خداوند کی تشریح بیشتر معلوم ہو چکی ہے اسی قسم کی تشریح حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بھی فرمائی جو انجیل یوحنا باب ۱۰ آیہ ۳۴ میں درج ہے آپ نے بتلایا کہ زبور ۸۲/۶ میں خدا اُن لوگوں کو کہا گیا ہے جن پر خدا کا کلام آیا "میں نے کہا تم خدا ہو" (زبور ۸۲/۶) اس حوالے سے مسیح علیہ السلام نے لفظ "خدا" سے خدائے فیض و ہدایت مراد ہونا ظاہر کیا۔ اور فرمایا کیا تم مجھ سے اس لیئے ناراض ہو کہ میں نے "خدا کو باپ" کہا۔ اگر تم میری مراد کو نہیں سمجھے تو زبور کے حوالے سے میرا مطلب سمجھو اور میری تعلیم کو کفر نہ سمجھو۔ کیونکہ اس بے علمی کے باعث میری نسبت جو کفر بکو وہ معاف ہو سکتا ہے لیکن روح القدس کے خلاف جو کفر کہا جائیگا۔ اس کی معافی ممکن نہیں" (متی ۱۲/۳۲)۔

حکما نے اولاد کو تین قسموں میں شمار کیا ہے۔

(۱) صلبی پسر۔ ملک صدق اس شرط سے خارج ہے کیونکہ وہ مشابہ بہ پسر ہے نہ کہ پسر۔

(۲) روحانی پسر۔ یا شاگرد } یہ دونوں صورتیں ایسی ہیں جو مشابہ بہ پسر ہیں۔ لہذا ملک صدق شاگرد ہے یا
(۳) سببی پسر۔ یا داماد } داماد خدائے فیض ہے۔ یا شاگرد بھی اور داماد بھی۔

چنانچہ اسی خیال کی تشریح زبور ۲۲ آیہ ۳۰ میں دیگئی ہے۔

"ایک نسل ہوگی جو اس کی بندگی کرے گی۔ اور وہ خداوند کی ایک پشت گنی جائے گی" (زبور ۲۲/۳۰)

حوالہ زبور سے ظاہر ہے کہ "یہ نسل" مطیع و منقاد خداوند فیض (یعنی امت رسول موعود) ہے۔ اس کی اولاد نہیں۔ لیکن باایں ہمہ وہ ایک پشت (یعنی پسر) متصور ہوگی۔ یہ صرف اسی صورت ممکن ہو سکتا ہے کہ "یہ نسل" داماد خدائے فیض ہو۔ قرآن پاک میں بھی اس نفس زکیہ کو "کھیتی اور نسل" کے الفاظ سے ہی یاد کیا گیا ہے۔ تاکہ توراۃ و انجیل سے مشابہت قائم رہے۔ اور متلاشی حق کو پریشان و سرگرداں نہ ہونا پڑے جیساکہ آیہ ذیل میں۔

سعے فی الارض لیفسد فیہا و یہلک الحرث والنسل ؕ واللہ لا یحب الفساد اور لوگوں میں وہ شخص بھی ہے جس کے
قول نے اس دنیاوی زندگی میں تجھ کو تعجب میں ڈال رکھا ہے۔ اور خدا کو گواہ کرتا ہے اوپر اس کے جو اس کے دل
میں ہے۔ حالانکہ بہت ہی جھگڑالو ہے۔ (یہ سمجھ لے کہ) جب وہ حاکم ہو جائے گا تو زمین میں فساد پھیلانے کی کوشش
کرے گا۔ اور کوشش کرے گا کہ زراعت و نسل کو ہلاک کر دیوے۔ حالانکہ (وہ جانتا ہے) خدا فساد کو پسند نہیں کرتا
یہ تذکرہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم سے بطور اخبار غیب کے ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ زمانہ حیات سرور کائنات
کے مسلمانوں میں ایک شخص ایسا تھا جس کی زبان نے رسول اللہ کو پریشان کر رکھا تھا۔ اس کے دل میں چور تھا اس
لئے ہر ایک معاملہ میں جھگڑا کر بیٹھتا تھا۔ خداوند عالم نے اپنے رسول کو بتلایا کہ تم اس کی باتوں سے گھبرا گئے ہو۔ اس
نے تو حاکم ہو کر تمہاری "نسل و اولاد" کے قتل کی تجاویز اور فساد ڈلوانے کے منصوبے جاری کرنے ہیں جس سے
تمہاری روح کو صدمہ پہونچے۔ موجودہ مخالفتیں جو تمہارے سامنے ہو رہی ہیں۔ اس کا عشر عشیر بھی نہیں۔ اے ہمارے
رسول تم اسکا خیال ہی نہ کرو۔ اسکو چھوڑ دو۔ جو چاہے کرے تمہاری بلا سے۔ کیونکہ تمہاری رسالت کی بقا یا فنا کا
انحصار اس جھگڑالو پر منحصر نہیں۔ بلکہ اس شخص پر منحصر ہے جس نے اپنی جان کو خوشنودی الٰہی کے حصول کے لئے بیچ دیا
ہے۔ خداوند عالم اپنے (ایسے) بندوں پر مہربان تر ہے۔ وہ ان کو بچائے گا اور تمہاری رسالت کی تبلیغ کے مقصد
کو کامل کر کے رہے گا۔ خواہ کتنی ہی مخالفت ہوا کرے۔ "ومن الناس من یشری نفسہ ابتغاء مرضات اللہ
واللہ رؤف بالعباد" اور لوگوں میں وہ شخص بھی ہے جس نے اپنا نفس خوشنودی الٰہی کے حصول کے لئے فروخت
کر دیا ہے۔ اور اللہ اپنے بندوں پر بڑا مہربان ہے۔ آیہ مذکورہ آیہ ماقبل کے بعد ہی ہے۔ دونوں کی ابتدا "من الناس"
سے ہوئی ہے۔ یہ دوسرا شخص خدا کے نام پر بکا ہوا تھا۔ لہذا واقعات و حالات زمانہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
سے دونوں شخصیتوں کا معلوم کر لینا کچھ مشکل نہیں ہے۔ ذرا سی توجہ، تھوڑی سی کوشش اور عقل سلیم و انصاف کی ضرورت ہے
اوصاف ہر دو خداوند عالم نے بیان فرمائے شخصیت ہر دو مثلاشی حقیقت معلوم کر لیوے۔
خیر۔ ذکر یہ تھا کہ ملک صدق کو ابراہیم علیہ السلام نے وہ یکے دی جس مقام پر یہ دہ یکے دیگئی۔ اسکو آنحضرت
نے بیت ایل کہا یعنی فرشتہ کا گھر۔ یا ال یعنی قابل عزت و احترام۔ (معبود لغوی معنی) کا گھر۔
بیت اللہ (کعبہ) جسکو خانہ خدا سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ زمانہ اسلام کی تعبیر ہے۔ قدیم نام بیت الالٰہ یا بیت الحرام
و بیت محرم تھا۔ بیت الالٰہ زمانہ جاہلیت کا نام ہے۔ بیت الحرام یا بیت محرم قرآنی نام ہے جسکو حضرت ابراہیم علیہ السلام
سے منسوب کیا گیا ہے۔ یہ گھر وہ تھا جس کی حرمت و عزت واجب قرار دی گئی تھی۔ کیونکہ یہ بیت ایل تھا جس کو
صحیفہ ملاکی میں "اپنی ہیکل" سے ظاہر کیا گیا ہے۔ لہذا یہ آنیوالا بیت ایل میں آنیوالا تھا۔
اس لفظ ایل کا تھوڑا سا ذکر کتاب خروج میں بھی ذکر ہوا ہے۔ وہو ہذا۔
دیکھ میں ایک فرشتہ تیرے آگے بھیجوں گا۔ کہ راہ میں تیرا نگہبان ہو۔ اور تجھے اس جگہ جو میں نے تیار کی ہے۔

اس میں ہے۔" (کتاب خروج ۲۳ آیہ ۲۰-۲۲)

حوالۂ مذکورہ سے ظاہر ہے کہ وہ بزرگ ہستی جو مربی و رہبر بنی اسرائیل مقرر ہوئی۔ ہمنام خدا تھی۔ اس کی اطاعت فرض عین قرار دی گئی۔ اور مخالفت سے منع کیا گیا۔ بنی اسرائیل کو بتلایا گیا کہ اس مربی کی مخالفت کی معافی نہیں ہوسکتی۔

اس سے پیشتر مسیح علیہ السلام کے قول سے معلوم ہوا کہ روح القدس کی مخالفت کی معافی نہیں ہوسکتی۔ (متی ۱۲) لہذا روح القدس اور یہ فرشتہ جو ہمنام خدا ہے۔ دو وجود ہوئے جن کی مخالفت کی معافی نہیں ہوسکتی۔

عبرانی میں خدا کو ایل کہتے ہیں جیسا کہ اناجیل مروجہ میں قول مسیح علیہ السلامؑ "ایلی ایلی لما سبقتنی" کے معنی "اے میرے خدا اے میرے خدا تو نے مجھے کیوں چھوڑ دیا" سے ثابت ہے۔

لہذا یہ فرشتہ "ایلی" نام تھا۔ عربی "علی" اور عبرانی "ایلی" ہم معنی الفاظ ہیں۔

معلوم و ثابت ہوا کہ وہ نسل موعود، فرشتہ مربی بنی اسرائیل یا ملک صدق یہی بزرگ ہستی تھی جس کا نام "علی" (عبرانی ایلی) تھا۔ آنحضرت ہی اول سردار از سرداران موعودۂ اثنا عشر از بنی اسمعیل ہیں۔ اور آپ ہی کی ذات بابرکات پر نبوت حضرت یعقوب علیہ السلام صادق آئی۔ قول پولوس کے مطابق آپ کی ذات بابرکات مشابہ بسپر (داماد و شاگرد) رسول موعود یا روح القدس ہوکر میراث رسول کی وارث ہوئی جیسا کہ حوالۂ زبور سے آنحضرت کا نسل رسولؐ میں شامل ہونا اور بموجب کلام پاک آنحضرت کے قتل کے منصوبوں کا اختراع اور بدعات فی الاسلام کی ایجاد ہونا ظاہر ہے۔

اب رہا یہ امر کہ آنحضرت اور آپ کے گیارہ بیٹے اور پوتے تمام عالم کے سردار۔ یا امام مقرر ہوئے اگرچہ محتاج ثبوت نہیں کیونکہ جب نبوت برائے تمام عالم ہے تو اس کی امامت عام ہوگی لیکن ہم نے انبیائے سلف کے بیانات اس کے متعلق دیکھنے ہیں۔ اس لئے ذیل کی شہادت یعنی زبور ۴۵ خصوصاً آیات ۱۶-۱۷ ہمارے مدعا کو ثابت کرتی ہیں۔

"تیرے بیٹے تیرے باپ دادوں کے قائم مقام ہوں گے تو انہیں تمام زمین کے سردار مقرر کریگا میں ساری پشتوں کو تیرا نام یاد دلاؤں گا۔ پس سارے لوگ ابدالاباد تیری ستایش کریں گے۔ (زبور ۴۵ آیہ ۱۶-۱۷)

تاریخ و شجرۂ نسب سے باحسن وجوہ ثابت ہے کہ آبا و اجداد رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انبیا و اوصیا تھے لہذا قائم مقام نبی، نبی ہوسکتا ہے۔ یا وصی نبی۔ نبوت کا سلسلہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد بند ہوگیا۔ جیسا کہ آیہ وافی ہدایہ ما کان محمد ابا احد من رجالکم ولکن رسول اللہ وخاتم النبیین اور حدیث منزلت کے جزو الا لا نبی بعدی سے ثابت ہے۔ لیکن وصایت کا خاتمہ نہیں ہوا اس لئے آل رسول بموجب حوالۂ زبور مذکورۂ صدر و حدیث منزلت یا علی انت منی بمنزلت ھارون من موسیٰ الا انہ لا نبی بعدی۔ فرزندان

ہوا بلکہ اس کے علاوہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے اوصیائے کو تمام دنیا کا امام (سردار) بھی مقرر کیا۔ جیسا کہ زبور مذکورہ میں ظاہر کیا گیا۔ حدیث جابرؓ سے ان ائمہ منصوص کے اسمائے مقدس کا حال معلوم ہوتا ہے۔ اگر آنحضرتؐ خود اس تقرری کو بیان نہ فرماتے تو جابرؓ کو آیندہ ہونیوالے ائمہ منصوص کا نام کیسے معلوم ہوتا۔

سردار سے سردار دین یا امام مراد ہونا پیشتر مذکور ہوا۔ ہمارا یہ دعوی دلائل عقلیہ پر ہی مبنی نہیں بلکہ صحیفہ میکاہ میں یہ لفظ اسی معنی میں مستعمل ہونا ثابت ہے۔ ورنہ نبوّت غلط ہوتی ہے جو امر محال ہی۔

"اے یہودیہ کے بیت اللحم تو اگرچہ چھوٹا ہے لیکن تجھ سے ایک سردار نکلیگا جو میری امت اسرائیل کی چوپانی کرے گا۔" (میکاہ ۵ آیہ ۵۔)

نبوت مذکورہ حضرت عیسی علیہ السلام کے متعلّق ہے۔ یہ ظاہر ہے کہ آنحضرت علیہ السلام کو دنیا کے کسی حصّہ زمین پر سرداری نصیب نہیں ہوئی۔ اگر "سردار" سے سردار دین مراد نہ ہو تو نبوّت غلط ہوگی۔ پھر یہ بھی ظاہر ہے کہ آنحضرت پیغمبر تھے جسکو بادشاہ روحانی کہتے ہیں۔ لہذا نبوّت اسی وقت صادق ہوسکتی ہو کہ بادشاہ یعنی پیغمبری بنی اسرائیل، شاہنشاہ یا پیغمبر کل جن وانس کا ایک سردار یا امام" ہو

زبور ۱۱۰ کے مطابق ("تو ملک صدق کے طریقہ کا ابد تک کاہن ہو۔") ایک نبی بنی اسرائیل کا طریقہ ملک صدق کی کہانت (امامت) پر فائز ہونا ضروری تھا۔ اور قول پولوس سے ثابت ہوا کہ وہ فائز ہونیوالی ہستی حضرت عیسی علیہ السلام تھے۔ پس ثابت ہوا کہ بادشاہی روحانی بنی اسرائیل کا درجہ کہانتِ طریقۂ ملک صدق سے بلند تر نہیں اور کہ صحیفۂ میکاہ میں "سردار" سے "کاہن یا امام" ہی مراد ہے۔ نہ کہ سردار دنیاوی؛ (۳) موسٰی علیہ السلام کے بعد حضرت داؤد علیہ السلام (از سبط یہودا) پیغمبر ہوئے۔ پیشتر نبوّت یعقوب علیہ السلام میں مذکور ہوچکا تھا کہ سلسلہ ہدایت روحانی آمد شیلا یا شلوہ تک بنی یہودا سے متعلق رہے گا۔ اس لئے حضرت داؤد علیہ السلام نے اسقدر مفصل علاماتِ خدائے فیض (رسول موعود) وشیلا (ملک صدق) بیان فرمائے کہ تلاش کرنیوالے کو ادنی تدبر سے حقیقت واضح ہوجائے اور کسی قسم کا شک وشبہ باقی نہ رہے۔ ان تمام اقوال آنحضرت کو ہم اسوقت پیش نہیں کرسکتے۔ البتہ "نمونہ از خروارے" چند ایک اقوال ہدیہ ناظرین کئے جاتے ہیں۔ یہ ان سے علاوہ ہیں جو پیشتر مذکور ہوئے۔

"میں حکم کو آشکارا کروں گا کہ خداوند نے میرے حق میں فرمایا تو میرا بیٹا ہے۔ میں آج کے دن تیرا باپ ہوا مجھ سے مانگ کہ میں تجھے قوموں کا وارث کروں گا۔ اور زمین سراسر تیرے قبضہ میں کردوں گا تو لوہے کے عصا سے انہیں توڑے گا کمہار کے برتن کی مانند توانہیں چکنا چور کرے گا۔" (زبور ۲)

زبور مذکورہ کے سمجھنے کے لئے حدیث رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف توجہ دلائی جاتی ہے۔

من اراد ان ینظر

مناجات کے دیکھنے کی [illegible] علی ابن ابی طالب [illegible] جو شخص علم آدم و حلم نوح و خلت
ابراہیمی و شوکت و دبدبہ موسوی مناجات داؤدی و عبادت عیسوی کا جلوہ دیکھنا چاہے۔ وہ چہرۂ علی ابن ابی
طالب پر نظر کرے۔ یہ ہے عطائے میراث انبیاء

(ب) اعلان نبوت کے دن حضرت خاتم انبیاء علیہ و علی آلہ الاف التحیۃ والثنا نے ھذا اخی و وزیری و خلیفتی و وصی فاسمعوا
لہ۔ یہ میرا بھائی، وزیر، خلیفہ اور وصی ہے تم کو اس کا حکم سننا چاہیئے" کہکر اپنا وارث جناب امیر علیہ السلام کو قرار دیا ہے۔
حالانکہ قاعدے کے بموجب بیٹا باپ کا وارث ہوتا ہے اس اعلان کے بموجب رسالت پناہ صلی اللہ و آلہ وسلم مربی اور جناب
امیر علیہ السلام ربیب قرار پائے۔ اسی اعلان نبوت کے روز ایک بھائی نے ربیب یا بیٹے کی حیثیت حاصل کی۔ اور دوسرے
بھائی نے مربی یا باپ ہونے کی حیثیت جتلائی۔

(ج) اعلان خم غدیر کے دن من کنت مولاہ فھذا علی مولاہ جس کا میں آقا ہوں اس کا علی بھی آقا ہے۔
فرماکر اپنی نبوت مطلقہ سے علی کرم اللہ وجہہ کی امامت مطلقہ پر تصدیقی مہر ثبت کرکے تمام مخلوقات کی سرداری عنایت کی
(د) "لا فتی الا علی لا سیف الا ذوالفقار" سے آہنی عصا اور طاقتور بازو کا نشان تبلایا۔
(ھ) امام اثنا عشر عجل اللہ ظہورہ و جعلنا من انصارہ کو اپنی ذریت بتلا کر اولاد علی علیہ السلام کو اپنی اولاد ثابت
کردیا۔

اور آنحضرت علیہ السلام کی نسبت یملأ الارض قسطا و عدلا کما ملئت ظلما و جورا۔ زمین کو اس طرح
عدل و انصاف سے بھر دیگا جیسے کہ وہ ظلم و جور سے پر ہوگی" فرماکر تمام انسانی ہتھکنڈ ول اور ناپسندیدہ روشوں کے قلع
و قمع کر ڈالنے کی خبر دیکر "کمہار کے برتن کیطرح چکنا چور" کرنے کی تشریح فرمائی۔ تاکہ ظاہر ہوجائے کہ "نسل موعود محمد صلوۃ
اللہ علیہم اجمعین، علی علیہ السلام سے شروع ہوکر محمد آخری صلواۃ اللہ علیہ و علی آبائہ" پر ختم ہے۔ علی علیہ السلام کا نسل موعود ہونا
پیشتر ثابت ہوچکا۔ جناب ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ و آلہ کا اصل نسل موعود ہونا حدیث نور سے ثابت ہے۔ "انا و علی من نور
واحد" میں اور علی ایک ہی نور سے خلق ہوئے۔ پس علی جزو محمد صلی اللہ علیہ و آلہ قرار پائے۔
زبور مذکورہ بالا کی آخری شرط کی تشریح زبور ۹۶ و ۹۷ و ۹۸ میں دیگئی ہے۔ آخر الذکر حوالے (۹۸ ۹-۱)
میں صاف صاف تبلادیا گیا کہ وہ ولی عدل تمام دنیا اور امتوں کی عدالت کرے گا۔
جو عدالت کرسکتا ہے وہ حکم سزا دیسکتا ہے۔ تعزیری حکم جاری کرسکتا ہے یعنی بنا بھی سکتا ہے بگاڑ بھی سکتا ہے اور
خراب کو توڑ کر اچھا برتن اس کی جگہ رکھ سکتا ہے۔

(۴) حضرت داؤد علیہ السلام کے بعد حضرت یسعیاہ علیہ السلام نے اس فرض منصبی کو نہایت واضح الفاظ
میں بیان فرمایا ہے۔

"جاگ جاگ توانائی پہن لے۔ اے خداوند کے بازو جیسا اگلے زمانے میں اور سلف کی پشتوں میں۔ کیا تو

نے دریا کی تھاہ کو راستہ بنا ڈالا۔ تاکہ وہ جن کا فدیہ لیا گیا پار اتریں"۔ (صحیفہ یسعیاہ باب ۵۱ آیہ ۹)

اس بیان میں نبی نے چند امور کے تذکرے کئے ہیں۔ اوّل نصرت در زمانہ سلف۔ دوم قطع رہب و ثعبان۔ (اژدہا۔ ناگ)، سوم بنی اسرائیل کے لئے سمندر خشک کر دینا۔

زمانۂ سلف کے حالات میں پہلا بیان شیطان کا جماعت ملائکہ سے اخراج ہے یعنی سجدہ آدمؑ کا منکر ذلیل و رسوا ہو کر نکلا۔ وہ میزان حق و باطل جس سے دل کا کھوٹ ظاہر ہوا اور آدم علیہ السلام کے افضل و اعلیٰ ہونے کا ثبوت ملا روح علم تھی جو آدم علیہ السلام کے جسم میں داخل ہوئی اور ان کی عزت و احترام کا باعث ہوگئی۔

دیگر بیانات سے قطع نظر کر کے دوسرا بیان حضرت ابراہیم علیہ السلام کا تین سو ۳۱۸ جوانوں کے ہمراہ خضر الاعمار بادشاہ عراق پر حملہ کرنا ہے۔ اس تعداد کو خیال کیجئے اور بادشاہ مذکور کی تباہی کو دیکھئے جس کی ٹڈی دل افواج کو اُن تین سو جوانوں نے ایسا لتاڑا کہ اپنا سامان وغیرہ چھوڑ کر بھاگتے ہی بنی۔ یہ وہی لڑائی ہے جس سے واپسی پر ملک صدق نے آنحضرت کی دعوت کی۔ یہ ذکر پیشتر گذر چکا ہے ایسی بڑی فتح تائید غیبی کے بغیر نہیں ہو سکتی۔ خضر الاعمار اغلباً شاہ بابل کا لقب ہے۔

تیسرا بیان: بنی اسرائیل کا رہبر و مربی ایک فرشتہ تھا "ہمنام خدا" جیسا کہ پیشتر مذکور ہوا۔

پس صحیفہ یسعیاہ علیہ السلام کے مطابق وہ ذات یا ہستی جس نے زمانہ سلف میں بڑے کارہائے نمایاں انجام دیئے۔ وہ وہی فرشتہ تھا جس کا ذکر کتاب خروج سے پیشتر گذرا یعنی ایک نورانی ہستی تھی جو مددگار و یاور خداوند فیض در رسول موعودؐ تھی۔

نبوت مذکورہ کا تعلق شب ہجرت سے ہے۔ وہ نفس جو بستر رسول پر اطمینان قلب کے ساتھ لیٹا ہوا تھا جس پر اپنے بیگانے رسالت کا خیال جمائے ہوئے تھے یہی علیؑ برادر رسول اللہ تھا۔ اسی طرف حوالہ صحیفہ مذکورہ میں اشارہ ہے۔ علاوہ ازیں "خداوند کے بازو" سے "ید اللہ" مراد ہو سکتی ہے "رہب کا کاٹنے والا" یا ہرنا کش ہندی کا پھاڑنے والا نسنگھ اوتار" "اسد اللہ" اور "اژدہے کو گھائل کرنیوالا" "احیٰ دریا حیدر" ہی کہلائیگا۔

یہ القاب جناب امیر المومنین دملک صدق، علیؑ بن ابی طالب علیہ السلام کے مشہور ہیں۔

پیشتر حوالۂ یولوس سے معلوم ہو چکا کہ ملک صدق ازل سے کاہن دربار کبریا ہے۔ ان تمام بیانات سے یہ امر پایۂ ثبوت کو پہونچا کہ جناب امیر علیہ السلام اسوقت سے عہدۂ امامت پر فائز ہوئے جبکہ نہ زمین تھی نہ زمین کے رہنے والے۔ نہ آسمان تھے نہ بلند پروازیاں دکھلانے والے۔ انسان ضعیف البنیان تو بھلا کس گنتی میں ہے۔ اس کی مدت عمر تو بقول خُبہ جمعہ آٹھ دن بھی نہیں۔ پس امام خلق اپنے ماموم کا ماموم نہیں ہو سکتا۔ امام کو ماموم اور ماموم کو امام سمجھنے والا حقیقت امامت سے واقفیت نہیں رکھتا۔ نہ حدیث رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سمجھ سکتا ہے۔ آنحضرت نے قطعی فیصلہ کر دیا "من مات ولم یعرف امام زمانہ مات میتۃ الجاھلیۃ۔ جو اپنے زمانے کے امام کی معرفت

[illegible] ابراہیم علیہ السلام

کے احتجاج سے امامت کا پتہ چلتا ہے۔ آنحضرت نے یہی حجت اٹھائی ان اللہ یاتی بالشمس من المشرق فات بھا من المغرب۔ میرا رب تو مشرق سے سورج نکالتا ہے وہ میرا مربی ہے اگر تجھ کو دعوے ربوبیت ہے تو تو مغرب سے نکالکر دکھلا۔ حضرت خلیل علیہ السلام کا دعوے غلط ہوتا اگر ایسا ہونا ناممکن ہوتا۔ آنحضرت کی دعائے "واجعل لی لسان صدق فی الاخرین خدایا زمانہ آخر میں میری زبان کو سچا کر دکھلا"۔ قرآن میں موجود ہے۔ اور رسالت و امامت کے معجزات ردّ شمس تاریخوں میں مسطور۔ مربی عالم ہستی رسول و امام کی قرار پائے گی یا ماموم کی۔

خداوند عالم "رب الارباب" کہلاتا ہے۔ ارباب کا ہونا ضروری ہے جب تک مربی موجود نہ ہوں وہ "مربیوں کا مربی" یعنی "رب الارباب" نہیں ہوسکتا۔ "ارباب" کا اقرب ترین بارگاہ الٰہی ہونا لازمی ہے اور تجلیات الٰہی کا ان سے صدور پانا ممکن۔ اسی لئے ان پر اکثر الوہیت کا اشتباہ ہوتا رہا ہے جس کی مثالیں گذشتہ زمانوں کے واقعات اور زمانہ حال کے خیالات میں اچھی طرح نظر آتی ہیں کسی بزرگ کا ایک شعر اس کی توضیح کرتا ہے ~ "علی بشر کیف بشر٭ ربہ فیہ تجلی و ظہر" ای شخص سن لے۔ علی ہے تو بشر ہی (اسمیں شک نہیں کہ وہ بشر ہی لیکن کسطرح کا بشر؟ (کیا میری تمہارے جیسا بشر؟ نہیں بلکہ وہ تو ایسا بشر ہے جسکو) اس کے رب نے مرکز تجلیات و مظہر انوار قرار دیا ہے تجلیات الٰہی اس کے ذریعہ سے سمجھ میں آتی ہیں۔ خدا کے وجود، اس کی صفات اور معرفت کا مظہر ہے آیہ نور میں خداوند عالم ایسے ہی نور کو اپنا نور بیان فرمایا ہے جسکا ذکر پیشتر ہو چکا ان کی اطاعت فرض ہے یہی مطلب سعدی کا ہے ~ "خلاف پیمبر کسے رہ گزید٭ کہ ہرگز بمنزل نخواہد رسید"٭ (ملاحظہ ہو حدیث معرفت امام)

حضرت داؤد علیہ السلام کیطرح حضرت یسعیاہ نے بھی بیشمار نبوتوں میں رسول موعود کا تذکرہ فرمایا ہے ان میں سے ۹ و ۴۲ ۱۸-۲۱ نہایت واضح ہیں

(۵) حضرت یرمیاہ علیہ السلام نے ب۲۳ آیہ ۵ میں ذکر فرمایا۔ علاوہ ازیں فرمایا

"بیابان میں اس کی باعث خوشی منائی جائے گی

(۶) نبوت دانیال علیہ السلام "بعد از ختم شرارت بنی اسرائیل جو کل سے زیادہ قدوس ہے مسح کیا جائے گا" (صحیفہ دانیال ب آیہ ۲۵)

یہ پیشتر مذکور ہو چکا کہ دانیال علیہ السلام کا زمانہ نبوت اسیری بابل کے دوران میں ہوا۔ اس زمانہ میں جبکہ بنی اسرائیل تباہ ہوکر غلامی میں گئے۔ اور ان کا ملک ویران کیا گیا۔ انہی ایام میں حضرت دانیال علیہ السلام نے ایک پیشینگوئی کی جو صحیفہ دانیال ب۹ آیہ ۲۴ میں مذکور ہے۔ اس کے مطابق بنی اسرائیل کو ۷۰ ہفتہ یعنی ۴۹۰ سال بحساب ایک سال فی یوم مہلت دیگئی۔ پس جسوقت ہیکل عزیز تیار ہوئی اور اسمیں مراسم عبادت ادا ہوئے۔ یہ مہلت شروع ہوئی۔ ہیکل مذکور ۴۱۱ سنہ آدمی میں تیار ہوئی۔ لہٰذا زمانہ مہلت ۴۲۰۱ سنہ آدمی میں ختم ہو جائے گا۔

تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ پیشینگوئی حرف بحرف صحیح ہے کیونکہ ۱۳۰ء میں ہیڈرین شہنشاہ روم نے کنعان پر حملہ کیا اور بنی اسرائیل کو ملک سے جلاوطن کیا اس سے پیشتر ہی سلطنت روم کی طرف سے متواتر حملے شروع ہو چکے تھے ۷۰ء میں ہیکل

[illegible] میں اسرائیلی ملک سے بدر رہے۔ پس تم بعثت کا آغاز [illegible] سے ہوگا [illegible] مسیح علیہ السلام [illegible]
میں ہوئی۔ اور ۴۲ء میں ۳۲۱۰ آدمی ہوا۔ (جلاوطنی بنی اسرائیل ۴۲۶۵ آدمی میں واقع ہوئی۔ اس کو ان کی شرارت کا خاتمہ سمجھنا چاہیے)

نبوت مندرجہ دانیال ۹ آیہ ۲۵ میں شرط بعثت رسولِ موعود یہ مقرر کی گئی کہ جب بنی اسرائیل کی شرارت کا خاتمہ ہو جائیگا تو "وہ جو سب سے زیادہ قدوس ہے مسیح کیا جائیگا"۔ لہذا نبوت مسیا یا رسول موعود ۴۲۶۵ آدمی یعنی ۱۰۴۲ء کے بعد ہونی ضروری ہے نہ کہ اس سے قبل۔

ایک اور شہادت اسی صحیفہ میں حسب ذیل مذکور ہے۔

"دائمی قربانی کے بند ہونے سے مسیح شاہزادے کے قتل ہونے تک ۱۲۹۰ سال ہوں گے"۔ (دانیال ۱۲)

دائمی قربانی اسیری بابل سے بند ہوئی جبکہ بخت نصر بنی اسرائیل کو قید کرکے گیا اور ہیکل سلیمانی مسمار ہوئی۔ یہ واقعہ ۳۵۵۹ آدمی یعنی ۶۰۱ء مسیحی قبلی کا ہے۔ اس سے ۱۲۹۰ سال ۶۸۹ء یعنی ۴۸۴۹ آدمی میں ختم ہوتے ہیں۔ جو ۱۰ محرم ۶۱ھ کے مطابق ہے۔

تاریخ گبن (زوال و تباہی سلطنت روم) صفحہ ۹۶۹ مطبوعہ لندن ۱۸۶۲ء میں تحریر ہے کہ شہادت حسینؑ بن علیؑ (علیہما السلام امام سوم از ائمہ اثنا عشر موعود) ۶۸۰ء میں واقع ہوئی

۳۲۴ء تک کلیسا میں سنین قمری رائج تھے۔ اس سال قسطنطین نے مجمع ملیہ کو مدعو کرکے بہت سے امور اپنی مرضی کے مطابق رائج کرنے چاہے۔ لیکن اس کے احکامات کی تعمیل ۳۲۵ء سے قبل نہیں ہوئی۔ اور سنین شمسی کا رواج بھی اس سے قبل نہ ہو سکا۔ ۶۸۹ سال میں سے صرف ۲۴۰ سال باقی تھے۔ اس میں سے بحساب ۳ فیصدی کم کرنے سے ۲۳۰ سال رہے اس طرح کل مدت بعد از ولادت عیسیٰ علیہ السلام ۶۸۰ سال ہو گئی۔ جو تاریخ گبن میں مذکور ہوئی

لہذا "مسیح شہزادہ" سے "سردار موعود" مراد ہے۔ اور کچھ مقصود نہیں

اسی صحیفہ میں وہ پیشینگوئی بھی ہے جس میں تاریخ ولادت "ولی عدل" یعنی حضرت صاحب الامر امام اثنا عشر علیہ السلام درج ہوئے۔ وہو ہذا

"مبارک ہے وہ جو انتظار کرتا ہے۔ اور ۱۳۳۵ سال کو آتا ہے"۔ (دانیال ۱۲ آیہ ۱۴)

چونکہ پیشتر کی پیشینگوئی جس میں کسی تاریخ سے زمانے کا آغاز مذکور نہ تھا۔ تاریخ تیاری ہیکل عزیر سے پوری اترتی اسی تاریخ سے ۱۳۳۵ سال شمار کرنے سے (یعنی ۳۵۱۰ آدمی تاریخ تیاری ہیکل سے) ۴۸۴۵ آدمی بر آمد ہوا۔

سنین ہجری کا آغاز ۴۵۹۰ آدمی سے ہوا۔ اس طرح ۴۸۴۵ آدمی ۲۵۵ ہجری کے مطابق ہوا یہی سال ولادت باسعادت حضرت حجۃ المنتظر علیہ وعلیٰ آبائہ الصلوٰۃ والسلام ہے۔

(۷) صحیفہ میکاہ (ب ۵ آیہ ۲-۳) اے بیت الحم افراتاہ ...... انہیں چھوڑ دیگا (نبوت بند ہو جائے گی) اس وقت

ہدایت کا سلسلہ بند رہا یہاں تک کہ نبی آخر الزماں کی نبوت ظاہر ہوئی۔

(۸) صحیفہ حبقوق (ب۳ آیہ ۳) "خدا تیمان سے اور وہ جو قدوس ہے کوہ فاران سے آیا۔"

حوالۂ مذکورہ میں خدا لفظ "ایلی" کا ترجمہ ہے۔ ایلی تیمان (ہیکل) سے اور وہ جو قدوس ہے۔ (رسول موعود) کوہ فاران سے ظاہر ہوئے۔ تاریخ اس کی شاہد ہے

(۹) صحیفۂ ذکریا "دو ممسوح ہیں جو ساری مخلوق کے خداوند کے حضور کھڑے رہتے ہیں۔" (ب۴ آیہ ۱۴)

آیۂ محولہ سے ظاہر ہے کہ مقربین بارگاہ کبریا دو مقدس ہستیاں ہیں۔ اسی مقصد کو اسی صحیفہ میں ایک دوسرے مقام پر دو شمعدان اور دو زیتوں سے تشبیہ دیگئی ہے۔ اسی مقصد کو کتاب سموئیل باب ۶ آیۃ ۲ میں اس طرح ذکر کیا ہے۔

"اور داؤد اٹھا.... تاکہ خدا کے صندوق کو جس کے پاس وہ نام یعنی رب الافواج کا نام لیا جاتا ہے۔ جو دو کروبیوں کے بیچ میں حکونت کرتا ہے وہاں سے چڑھا لائے۔"

کتاب احبار کے مطالعہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس صندوق میں جو عہد کا صندوق کہلاتا تھا۔ پتھر کی دو لوحیں رکھی ہوئی تھیں انہیں ایک طرف احکامات کندہ تھے۔ اور دوسری طرف دو تصویریں کروبیوں کی بنی ہوئی تھیں۔ یہ عہد کا صندوق (تابوت سکینہ) اس معاہدے کی علامت تھا۔ جو بنی اسرائیل نے موسیٰ علیہ السلام سے کیا یعنی احکامات کی پیروی کے ساتھ ساتھ ان دو وسیلۂ بارگاہ الٰہی سے متوسل ہوتے رہیں گے۔ اور ان کی عزت و توقیر میں کمی نہ کریں گے۔ احکامات کی اطاعت کی قبولیت ان مقربین کے توسل پر منحصر تھی۔ ان کی اطاعت اطاعت الٰہی تھی۔ ان کی مخالفت کی معافی نہ تھی جیسا کہ کتاب خروج سے پیشتر معلوم ہوا کہ "مخالفت ایلی کی معافی نہیں"۔ کتاب خروج کے حوالۂ مذکور کا فرشتہ ہمنام خدا تھا لیکن موجودہ حوالۂ سموئیل حصہ دوم سے معلوم ہوتا ہے کہ رب الافواج دو کروبیوں کے بیچ میں سکونت کرتا ہے اور اس صندوق کے پاس اس کو صرف رب یا رب الافواج کہکر یاد کرتے ہیں۔

رب الافواج فوجوں کا پالنے والا ہے۔ اور یہ دو کروبی اسی خدمت پر مامور ہوئے کہ افواج یا مخلوقات کی پرورش کریں۔ عطیۂ الٰہی اس کی مخلوقات کو پہونچاویں۔ لہذا یہ دونوں مقربین مربی عالم قرار پائے۔ اور خداوند عالم کا اسم اعظم ان دونوں کے درمیان ہوا یعنی خداوند عالم رب المخلوقات ہے اور یہ دونوں مربی مخلوقات۔ پس "رب" اسم الٰہی" ان دونوں کے درمیان مشترک" ہے۔

حوالۂ صدر سے یہ بھی ثابت ہے کہ کروبی صرف دو ہیں۔ زیادہ نہیں۔ لہذا یہی کروبی وہ ممسوح قرار پائے۔ جو نبوت مندرجۂ صحیفۂ ذکریا میں مذکور ہیں۔

یہ محتاج بیان نہیں کہ جسقدر قرب منزلت ہوتا ہے۔ اسی قدر وقعت بڑھ جاتی ہے۔ یہانتک کہ انتہائی قرب میں "من تو شدم تو من شدی من تن شدم تو جاں شدی" کا معاملہ پیدا ہو جاتا ہے۔ ایسی حالت میں ایک کا فعل دوسرے کا فعل اور دوسرے کا قول پہلے کا قول قرار پاتا کتاب استثنیٰ ب۱۸ آیہ ۱۵ تا ۱۸ سے معلوم ہے کہ خداوند عالم نے اپنا قول رسول موعود کی زبان سے جاری کر دیا

یعنی اس رسول موعود کا کلام کلام خدا ہوا کہ اس کلام کی مخالفت کی معافی نہیں مل سکتی۔

دوم کتاب خروج سے معلوم ہوا کہ اس فرشتہ کی مخالفت کی معافی نہیں مل سکتی جو ہمنام خدا ایلی، ہے

ان ہر دو مقامات کا نتیجہ یہ ہوا کہ ایسی مقرب ہستیاں خداوند عالم نے ابتدا سے خلق فرمائی ہوئی ہیں جنکی اطاعت اطاعت الٰہی شمار ہوتی ہے۔ ان میں سے ایک ہستی "ایلی" نام ہے۔ دوسری کا نام معلوم نہیں۔ اور کام معلوم ہے اور یہ بھی معلوم ہے کہ ان دونوں مقربین کے اسماء میں اسم الٰہی "رب" پنہاں ہے۔ بحساب جمل اعداد "رب" "۲۰۲" ہوئے۔ "ایلی" نام کے "۵۱" اور "اسماطیل" کے جو کتاب ارمالش میں آیا ہے "۱۵۱" عدد ہوئے یعنی اعداد "محمد علی" "ملکر "رب" بنجاتے ہیں۔ (اسماطیل یعنی رسول موعود)

لہذا صحیفہ ذکریا علیہ السلام کے بموجب وہ دو مسوح وہ دو چراغدان اور وہ دو زیتون کے درخت جو وسیلہ دربار الٰہی ہیں "اسماطیل وایلی" یعنی "محمد و علی" صلوۃ اللہ علیہم و اولادہم ہی ہیں

(۱۰) صحیفہ ہوشیع علیہ السلام میں مزید توضیح کے لئے عطائے شریعت کے ضمن میں مذکور ہوا۔

"وہ دو دن بعد ہمیں حیات تازہ بخشیگا۔ تیسرے دن میں وہ ہمیں اٹھا کھڑا کرے گا اور ہم اس کے حضور میں زندہ رہیں گے"۔ (ہوشیع ۶ آیہ ۲۔)

حیات تازہ کا ملنا پہلی حیات کا وجود ثابت کرتا ہے۔ حیات سے مراد شریعت ہے جس کی متابعت سے انسان ابدی زندگی کا وارث ہوتا ہے حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بھی ایک مقام پر "زندگی" کو انہی معنی میں استعمال کیا اور فرمایا۔ اے عورت زندگی کے پانی کا سوتا میں ہوں جو اس پانی کو پیتا ہے پھر پیاسا ہوتا ہے لیکن جو اس پانی کو جو میرے پاس ہے پیتا ہے پھر کبھی پیاسا نہیں ہوتا"۔ یہاں پر آنحضرت نے اپنے آپ کو صاحب شریعت ظاہر فرمایا آب دنیا انسان پیتا ہے پھر پیاس لگ جاتی ہے لیکن وہ شخص جو علوم الٰہیات حاصل کرتا ہے وہ کسی دوسرے علم کی احتیاج نہیں رکھتا۔ اور ابدی زندگی کا وارث ہوجاتا ہے۔

ایسی کتاب شریعت جسکے احکامات کی تعمیل نجات کا باعث ہو توریت تھی جو بنی اسرائیل کو سنہ ۲۶۴۸ آدمی میں کوہ طور پر ملی۔ اس سے دو ہزار برس گذر جانیکے بعد دوسری شریعت تازہ ملنے کی خبر حضرت ہوشیع علیہ السلام نے دی آنحضرت مسیح علیہ السلام کے زمانے سے قبل ہوتے۔

پس شریعت تازہ سنہ ۴۶۴۸ آدمی کے بعد ملنی چاہیے۔ اس سے قبل وہ شریعت نہیں مل سکتی۔ جس کا ذکر حوالہ صحیفہ مذکور میں دیا گیا ہے۔

شریعت اسلام سنہ ۴۶۴۸ آدمی میں عطا ہوئی یعنی توریت کے عطا ہونے کے دو ہزار برس گذر جانے کے بعد۔ لہذا یہی وہ شریعت موعود ہے جسکو حیات تازہ کہا گیا ہے۔

دو دن کے بعد تیسرا دن شروع ہوتا ہے پس اس تیسرے دن میں وہ مقصد پورا ہونا ضروری ہے جو کل انبیائے

آیندہ جو کوئی بھی تذکرۂ سلف کرے صلوٰۃ وسلام کے ساتھ کرے

پھر اسی تیسرے دن میں اس نفس زکیہ کی ولادت باسعادت ظہور پذیر ہوئی۔ جس کی نسبت حضرت دانیال علیہ السلام نے لقب "منتظر" اور رسول موعود صلی اللہ علیہ وآلہ نے لقب "قائم وحجۃ المنتظر" استعمال کیا ہے جس کے ظہور کا زمانہ صحیفۂ دانیال علیہ السلام میں بعد الفضلے "ایک مدت و مدتین اور نصف مدت" قرار پایا ہے۔ "زمانہ آخر میں" (یا ۵۰۰۰ سال از آغاز دنیائے موجودہ (بعد از طوفان) وہ واقعات ظاہر ہوں گے جنکا ذکر ۱۲ دانیال میں آیا ہے۔ اس کے بعد زمانہ رجعت ہی یعنی نبوت اُخرے ہیں ۱۲½ مدت گذرنے کے بعد آنحضرت صلوٰۃ اللہ علیہ وآلہ کا ظہور ہوگا۔ ۱۲½ مدت اس لئے کہ یہ زمانہ آخر ایک بادشاہ اور بارہ سردار پر مشتمل ہے یعنی تیرہ ہادیوں پر پس "مہید الاخری" یعنی حضرت منتظر عجل اللہ فرجہ وسہل اللہ مخرجہ اس نظام ہدایت کے آخری ہادی ہوئے لہذا ایک مدت حیات سرورِ انبیا صلوٰۃ اللہ علیہ وآلہ اور گیارہ مدتیں زمانۂ حیات گیارہ ائمہ معصومین علیہم السلام، کُل بارہ مدتیں ہوئیں۔ نصف مدت نصف عمر شریف آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام ہے جو وقت ظہور ہوگی اسوقت رجعت کل اقوام عالم ہوگی تاکہ ان کا انصاف کیا جائے جس کی نسبت صحیفۂ مذکورہ بالا میں ہے۔ "اسوقت تیری قوم کے بہت سے لوگ اٹھائے جائیں گے بعض ابدی راحت کے لئے اور بعض ذلت ورسوائی کے لئے۔"

(۱۱) شہادت یحییٰ بن ذکریا علیہم السلام ہے جو انجیل یوحنا میں مذکور ہے کہ آنحضرت نے بجواب سوال فرستادہ فریسیان فرمایا "اس نے اقرار کیا اور انکار نہ کیا بلکہ اقرار کیا کہ میں تو مسیح نہیں ہوں انھوں نے اس سے پوچھا۔ پھر کون ہے؟ کیا تو ایلیاہ ہے؟۔ اس نے کہا میں نہیں ہوں۔" تب انہوں نے پوچھا "کیا تو وہ نبی ہے اس نے جواب دیا کہ نہیں"۔ (یوحنا ۱ آیہ ۲۱-۲۲)

حوالۂ مذکور سے ثابت ہے کہ بنی اسرائیل حسب تعلیم انبیاء سلف علیہم السلام تین آنے والوں کے منتظر تھے۔ اوّل مسیح علیہ السلام (جو پیشرو کہلاتے تھے) دوم ایلیاہ سوم رسول موعود علیہم الصلوٰۃ والسلام جب حضرت یحییٰ علیہ السلام نے اپنا وعظ شروع کیا تو ان سے دریافت کیا گیا کہ تم کون ہو؟ پیشرو ہو۔ ایلی ہو یا رسول موعود۔ صلوٰۃ علیہم یہی امر انجیل لوقا میں حضرت ذکریا علیہ السلام کیطرف منسوب کرکے حضرت مسیح علیہ السلام کو پیشرو ظاہر کیا گیا ہے۔ وہو ہذا۔

"اس نے اپنے خادم داؤد کے گھرانے میں نجات کا سینگ نکالا + + اور اے لڑکے تو خداوند تعالیٰ کا نبی کہلائے گا۔ کیونکہ تو خدا کی راہ تیار کرنے کے لئے اُسکے آگے آگے چلے گا۔ تاکہ اس کی امت کو نجات کا علم بخشے جو ان کو گناہوں کی معافی سے حاصل ہو۔ یہ ہمارے خدا کی رحمت سے ہوگا۔ جس کے سبب عالم بالا کا آفتاب ہمپر طلوع کرے گا۔ تاکہ ان کو جو اندھیرے اور موت کے سایہ میں بیٹھے ہیں روشنی بخشے۔ اور ہمارے قدموں کو سلامتی

حوالۂ مذکور میں وہ الفاظ "جنپر نبوت ہذا کا مدار ہے وہ ہیں جن کے اوپر خط کھینچ دیئے گئے ہیں۔ یہ وہ الفاظ ہیں جو پیشتر کی نبوتوں میں مذکور ہوئے۔ یا آیندہ کی نبوتوں میں ان کی تفصیل آئی۔

سینگ علامت سرداری ہے۔ لہٰذا وہ نفس جو اس نبوت کے وقت بطن مریم علیہا السلام میں تھا وہ واحد نفس تھا۔ جو اسقدر بنی اسرائیل سے طریقۂ ملک صدق کی کہانت پر فائز ہوا۔ یہ کہانت وہ ہے جو راز نجات عالم ہے۔ پس نسل داؤد علیہ السلام میں یہ شرف "کہ ابد تک طریقۂ ملک صدق کا کاہن" بنے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو نصیب ہوا۔ جو بنی اسرائیل میں عہدۂ نبوت پر فائز ہوئے۔ اور مبشر کے طور پر آمدِ رسولِ موعود کی بشارت دیتے اور بنی اسرائیل کو اسکی آمد کے لئے تیار کرتے رہے جیسا کہ آنحضرت علیہ السلام کے اقوال ذیل سے ظاہر" توبہ کرو کیونکہ آسمان کی بادشاہت نزدیک آگئی ہے۔" (متی ۴ آیہ ۱۷۔)

وہ آسمان کی بادشاہت جس کی منادی کی گئی حوالۂ لوقا مذکورۂ بالا میں" طلوع آفتاب عالم بالا" سے ظاہر کی گئی۔ لہٰذا وہ مبشر جو حوالہ مذکور میں مقصود ہے۔ مسیح علیہ السلام تھے۔

بنی اسرائیل اس آمد رسول موعود سے تاریکی میں نہیں تھے۔ ان کو بار بار آمدِ رسولِ موعود سے بذریعہ انبیا علیہم السلام مطلع کیا جاتا رہا۔ سرداروں کے وجود کا وعدہ ان سے ہوا۔ اس سے زیادہ ان کو کوئی اطلاع نہیں ملی۔ بنی اسمٰعیل و دیگر قبائل دنیا البتہ ایسے تھے جو اب تک اس شرف سے محروم رہے۔ جیسا کہ سورہ یٰسین میں بھی یہ ذکر موجود ہے۔ یٰسٓ و القرآن الحکیم انك لمن المرسلین علیٰ صراط مستقیم۔ تنزیل العزیز الرحیم لتنذر قوماً ما انذر اباءھم فھم غفلون"۔ اے سید (سردار) قسم ہے قرآن حکمت والے کی البتہ تو مرسلین میں سے ہے صراط مستقیم پر جس کو عزیز اور رحیم نے بدیں غرض اُتارا کہ ان قوموں کو ڈرائے جن کے بزرگوں کو کبھی خوف نہیں دلایا گیا اور اس وجہ سے وہ غافل ہو گئے ہیں"

یہ مفصل تفسیر اس عبارت کی ہے جو حوالہ لوقا میں موت اور اندھیرے سے ظاہر کی گئی ہے۔ وہ قومیں جن میں کوئی ہدایت کرنے والا نہیں آیا بنی اسمٰعیل اور اقوام غیر ہیں۔ یہ رسالت نہ صرف بنی اسرائیل یا بنی اسمٰعیل پر ہی محدود تھی بلکہ تمام اقوام عالم اس کی دعوت میں شریک تھے۔ لہٰذا یہ رسالت، رسالت مطلقہ تھی جس نے ہدایت جمیع مخلوقات کا فرض ادا کیا۔ اور بنی اسرائیل کو سلامتی کی راہ بتلائی۔ ان کو اسلام حقیقی کی تعلیم دی۔

چنانچہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اس نبی کے بارے میں بنی اسرائیل کو بتلایا کہ یہ نبی تم میں سے نہیں ہوگا بلکہ اس قوم سے ہوگا جو اس نبوت کے مطابق پھل لائے

اس لئے میں تم سے کہتا ہوں کہ خدا کی بادشاہت تم سے لے لی جائے گی اور اس قوم کو جو اس کے پھل لاتے دیدی جائے گی۔" (متی باب ۲۱ آیہ ۴۳) جس کا پہلے ذکر ہو چکا۔

قول مندرجہ لوقا مذکورہ بالا اور قول مندرجہ متی ۲۱/۴۳ ایک ہی مطلب کی توضیح کرتا ہے۔

(۱۲) اقوال مسیح علیہ السلام بھی بکثرت ہیں بعض اقوال پیشتر مذکور ہوئے چند ایک اقوال ان کے علاوہ پیش

آنحضرت علیہ السلام نے اس کی صورت تسلیم فرما دیا کہ جب تک میں اب زمین پر موجود ہوں نبوت آخری ظاہر نہ ہوگی۔ لیکن میرے آسمان پر جانے کے بعد اس کا ظہور ہوگا جیسا کہ انجیل یوحنا میں مذکور ہے۔

"لیکن میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ میرا جانا تمہارے لئے فائدہ مند ہے کیونکہ اگر میں نہ جاؤں تو وہ مددگار تمہارے پاس نہ آئے گا لیکن اگر جاؤں گا تو تمہارے پاس بھیجدوں گا۔ اور وہ آکر دنیا کو گناہ راستبازی اور عدالت کے بارے میں قصوروار ٹھہرائے گا۔" (یوحنا باب ۱۶ آیہ ۷-۹)

"جب وہ مددگار آئے گا جس کو میں تمہارے پاس باپ کیطرف سے بھیجوں گا یعنی سچائی کا روح جو باپ کی طرف سے نکلتا ہے۔ تو وہ میری گواہی دے گا۔" (یوحنا باب ۱۵ آیہ ۲۶)

باپ سے مراد خدائے فیض، مربیٔ عالم یعنی رسولِ موعود ہے۔

نبوت مذکورہ کی تصدیق مدینہ سے مرکز ہدایت کو کوفہ میں تبدیل کرنے سے ظاہر ہوئی یہ مددگار جو ابتداء سے بنی اسرائیل کا معاون رہا اب رسولِ موعود کی شریعت کا امام ہو کر مدینہ منورہ سے کوفہ میں تشریف لایا۔ یہ سچائی کا روح (روح صدق یا ملک صدق) وہ مددگار تھا جس کی آمد کے بنی اسرائیل منتظر تھے جس کو "ایلیاہ" کہتے ہیں

ایک اور قرینہ سے بھی اس آنیوالی شریعت کے متعلق آنحضرت علیہ السلام نے یہ فرما کر سمجھایا "یسوع نے اس سے کہا اے عورت، میری بات کا یقین کر۔ کہ وہ وقت آتا ہے کہ تم نہ تو اس پہاڑ پر باپ کی پرستش کروگے اور نہ یروشلم میں۔۔۔۔" یوحنا باب ۴ آیہ ۲۱-۲۶)

ایک دوسرے مقام پر نجات کے متعلق بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا۔

"جس طرح باپ اپنے آپ میں زندگی رکھتا ہے اسی طرح اس نے بیٹے کو بھی یہ بخشا کہ اپنے آپ میں زندگی رکھے بلکہ اُسے عدالت کرنیکا بھی اختیار بخشا گیا اسلئے کہ وہ آدمزاد ہے" یوحنا باب ۵ آیہ ۲۶-۲۷)

آپ نے صاف صاف بتلایا کہ تاج شفاعت باپ یعنی رب النوع کے سر پر ہے اس نے اپنی نسل کو بھی شفاعت کا عہدہ عطا کیا۔ بلکہ اس نسل کو عدالت کا اختیار بھی بخشا نسل رحمت للعلمین ہونے کی حیثیت سے نہیں بلکہ اس لئے کہ وہ آدمزاد ہے۔ قانون شریعت کے بموجب بیٹا اپنے باپ کا قصاص اس کے قاتلوں سے لیتا ہے۔ حاکم وقت جو بادشاہ کا خلیفہ ہوتا ہے رعیت کے درمیان فیصلہ کرتا ہے۔ چونکہ وہ ابن آدم ہے اس لئے عدالت اس کو ملی اور پسر رحمۃ اللعلمین ہونے کے باعث تاج شفاعت اس کے سر پر رکھا گیا۔ جس کی وہ شفاعت کرے وہ ناجی ہے جس کی شفاعت نہ کرے وہ ناری ہو۔ فمن مات ولم یعرف امام زمانہ مات میتۃ الجاھلیۃ (اس کا ذکر پیشتر گذر چکا نیز حدیث یملا الارض قسطا وعدلا کما ملئت ظلما وجورا (یہ بھی پیشتر مذکور ہو چکی)

اس وقت تک جس قدر اعلان آمدِ رسولِ موعود کی نسبت کرتے آئے وہ اگرچہ کافی سے زیادہ ہدایت کے قابل تھا لیکن اس زمانے میں کچھ ایسے امور بھی ہونیوالے تھے جن کے باعث تعلیم مساوات وصیاء مسیا معرض تعارض و تنقیض میں آنیوالی تھی

فرمائی۔ یہ کیفیت نہ صرف زمانہ ورود مسیا ہی تبلاتی ہے بلکہ ان کے اوصیا کی تعداد ان کے اسماء مقدس اور ان کا مسیا سے تعلق یا رشتۂ دنیاوی بھی سکھلاتی ہے اس کے علاوہ مسیا اور اس کے اوصیاء کے مخالفین و معاندین کا حال بھی تبلاتی ہے ان کے اوصاف ان کی تعداد اور ان کی علامات شناخت کی کیفیت اس تفصیل سے دیگئی ہے کہ اس میں کسی مخالف کو دست اندازی کرنیکی گنجائش نہیں چھوڑی جیسا کہ آیندہ عبارت مکاشفہ سے خود ظاہر ہو جائیگا۔

حضرت یوحنائے کاشف حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے وہ حواری ہیں جو جزیرۂ پتموس میں جلاوطن کئے گئے تھے اسی جلاوطنی کے زمانے کی یہ تحریر ہے جس کو نبوت بنی اسرائیل کا وصیت نامہ کہنا غیر موزوں نہیں ہو سکتا حواری موصوف نے ۹۸ء میں رحلت فرمائی آپ سب حواریوں سے زیادہ طویل العمر ہوئے اور ان سب کے بعد رحمت الٰہی کی جانب انتقال فرمایا۔

ابتدائے مکاشفہ میں غرض تحریر ثبت فرمائی ہوئی ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ ہدایت نامۂ عیسوی ان واقعات اور امور کو جو آئندہ ہونیوالے ہیں ظاہر کرنے کے لئے بتوسل یوحنا حواری تحریر ہوا ہے۔

مکاشفۂ یوحنا میں ہر ایک صدی عیسوی کے واقعات کو ایک فرشتہ کی آواز کے سلسلہ میں بیان کیا گیا ہے اور تبلایا ہے کہ ساتویں فرشتہ کی قرنائی آواز کے شروع میں وہ راز آلہی ظاہر ہوگا جس کی انبیاء علیہم السلام ابتداء سے تعلیم دیتے آئے ابتدائے ساتویں صدی عیسوی میں تاریخ کی رو سے سوائی دعوت اسلام کے اور کوئی واقعہ ہونا ثابت نہیں ہوتا جس کی نسبت انبیائے سلف نے تعلیم دی ہو۔ سنین مروجہ قیصر آغستس لیویں یا وہ سنین جو زمانۂ ولادت مسیح علیہ السلام کے وقت رایج تھے اور پھر تین سو سال سے زائد عرصہ تک کلیسا میں رایج رہے ہر صورت میں آغاز صدی ہفتم مسیحی میں اسی راز سربستۂ الٰہی کا اظہار ثابت ہوتا ہے ۶۰۹ء عیسوی ہو یا ۶۱۱ء دونوں حالتوں میں صدی ہفتم کی ابتدا ظاہر ہے۔ مورخ گبن و دیگر عیسائی مورخین نبوت محمدی کا اعلان ۶۰۹ء و ۶۱۱ء عیسوی ہی میں تحریر کرتے ہیں پس اس کے علاوہ اور کوئی راز سربستۂ الٰہی نہیں ہو سکتا جو نبوتہائے انبیائے سلف کا مصداق ہو۔

اس کی مزید توضیح کہ رؤیائے کاشف میں انکشاف راز سربستۂ الٰہی سے نبوت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ مراد ہے مکاشفۂ مذکور کے ابواب۔ ۱۲ و ۱۳ و ۲۱ سے ہوتی ہے جو آئندہ آتی ہے۔

نہ صرف یوحنائے کاشف کے اقوال ہی اس کے موید ہیں کہ یہ آنیوالا نبی نبی اسمٰعیل سے ضروری آئیگا بلکہ حضرت شمعون پطرس نے اپنے وعظ میں اس کی تصدیق فرمائی کہ مسیح علیہ السلام اس وقت تک آسمانوں میں رہینگے جب تک وہ سب امور پورے نہ ہولیں "جنکا ذکر خدا نے اپنے پاک نبیوں کی زبانی کیا ہے جو دنیا کے شروع سے ہوتے آئے ہیں چنانچہ موسیٰ نے کہا کہ خداوند خدا تمھارے بھائیوں ..... بلکہ نیست نابود کر دیا جائیگا" (رسولوں کے اعمال ب۳ آیہ ۱۹-۲۴)...

پس ثابت ہوا کہ زمانۂ غیبت مسیح علیہ السلام تک وہ پیشینگوئی جو کتاب استثنا ب۱۸ آیہ ۱۵ سے پیشتر مذکور ہوئی پوری نہیں ہوئی۔

کا حامل ہو جو مکاشفہ میں مزید شرائط کے طور پر بیان کی گئیں اور ان تمامی بیانات کی جو انبیائے سلف نے وقتاً فوقتاً ذکر کئے
ایک ایسی مشروط تفسیر و تاویل بتلائی جس کے ہوتے ہوئے کسی غلطی کا احتمال نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ اس نبوت ثمین موسوی
کا نظام اس طرح پر مذکور ہوا۔

”پھر آسمان پر ایک بڑا نشان دکھائی دیا یعنی ایک عورت نظر آئی جو آفتاب کو اوڑھے ہوئے تھی اور چاند اس
کے پاؤں کے نیچے تھا اور بارہ ستاروں کا تاج اس کے سر پر تھا وہ حاملہ تھی اور دردِ زہ سے چلاتی تھی اور بچہ جننے کی
تکلیف میں تھی۔“

”پھر ایک اور نشان آسمان پر دکھائی دیا یعنی ایک بڑا لال اژدہا اسکے سات سر اور دس سینگ تھے اور اُسکے سروں
پر سات تاج اور اس کی دم نے آسمان کے تہائی ستارے کھینچکر زمین پر ڈالدئے۔“ (مکاشفۂ یوحنا ب ۱۲)

یوحنائے کاشف نے اس رویا میں دو گروہ کا ذکر فرمایا ہے اول گروہ مربی عالم۔ کیوں کہ چاند سورج ستارے مربی
عالم شمار کئے جاتے ہیں جس سے کسی فرد بشر کو انکار نہیں ہو سکتا یہ گروہ مربی عالم چودہ اجزا پر مشتمل ہے۔ سورج منبع نور
وضیا و چاند و بارہ ستارے۔ لہذا یہ نظام نظام کامل تھا جو ایک زمانۂ قریب میں ہی شروع ہونے والا تھا اس زمانہ میں ایک
نبی ایک خادم یا ملحق اور بارہ امام ہدایت پر مامور تھے۔

دوسرا گروہ تباہ کنندہ عالم۔ کیوں کہ اژدہا ہر ایک ذی حیواۃ کو کھاجانیوالا شمار ہوتا ہے۔

بابل کے برآمد شدہ کتبوں کا ذکر پیشتر آچکا ہے ان میں بھی اژدہا ہی دیا ہوا ہے جس سے نسل قابیل ظاہر کیجاتی ہے۔ لہذا
یہ گروہ آتش پرستوں کا ہوا جس کے سات بادشاہ یا بانی ہوئے اور دس نفر معاون یا سردار جو ان کے قائم مقام تھے۔
یعنی اس سترہ کے سلسلہ نے تمام دنیا کو خراب کیا ہوا تھا اسی سلسلہ کے تابعین نے چودہ کے سلسلہ کے بارہ سرداروں کی
تہائی یعنی چار سرداروں یا ستاروں کو زمین پر گرا دیا ان کو مغلوب کیا یا قتل و شہید کیا

یہ ظاہر ہے کہ چودہ کا سلسلہ نورانی ہے۔ اس کا مخالف سلسلہ ظلمانی ہوگا یعنی ایمان کا مخالف کفر ہو سکتا ہے یا شبہ
بکفر جس کو نفاق کہتے ہیں۔

اسی بیان میں جو ب ۱۲ مکاشفہ میں حوالۂ مذکورہ بالا کے بعد مسطور ہے ذکر ہوا ہے کہ اژدہا اس بچہ کو جو اس عورت نے
جنا نگلنا چاہتا تھا لیکن اس عورت کو دو پر عطا ہوئے کہ وہ اس کو لیکر پرواز کر گئی اور بیابان میں مقررہ جگہ پر مدت معین تک اس
کی پرورش ہوا کی۔

اژدہا اپنے ارادے میں ناکامیاب رہا اور اس عورت کی بقیۂ نسل سے لڑنے کے لئے نکلا۔ اندریں صورت تاریخی
شہادت موجود ہے کہ کفار اپنے ارادۂ قتل نبی آخر الزمان صلواۃ اللہ علیہ و آلہ میں ہارے اس طرف کی شکست کا بدلہ انھوں

باب ۱۳ (اژدہا اس عورت کی بقیہ اولاد سے لڑنے گیا) "اور سمندر کی ریت پر جا کھڑا ہوا۔ اور میں نے ایک حیوان کو سمندر کی ریت سے نکلتے ہوئے دیکھا اس کے دس سینگ اور سات سر تھے اور اس کے سینگوں پر دس تاج اور اس کے سروں پر کفر کے نام لکھے ہوئے تھے اور جو حیوان میں نے دیکھا اس کی شکل تیندوے کیسی تھی اور پاؤں ریچھ کیسے اور منہ ببر کیسا اور اس اژدہے نے اپنی قدرت اور اپنا تخت اور بڑا اختیار اسے دیا"۔

عبارت مذکورہ بالا سے ظاہر ہے کہ کفار کا قایم مقام وہ سلسلہ ستره کس ہوا جو منافقین سے تھا۔ اس سلسلہ کے سات بانی اور دس سردار تھے۔ ان کے بانیوں نے تاج شاہی اپنے سر پر نہیں رکھا بلکہ تقدس و مذہب کی آڑ میں شکار کھیلنا چاہا اس کے دس سرداروں نے لقب بادشاہی اختیار کیا تاجدار کہلائے لیکن سات بانیوں نے وہ دعویٰ کیا جس کے مستحق نہ تھے۔

کفر اسلئے کفر ہے کہ غیر مستحق اس درجہ پر سمجھا جاتا ہے جس کا اس کو استحقاق نہیں۔

پس یہ منافقین کا سلسلہ ایک خاص پہلو سے اولاد رسول سے لڑنیکے لئے نکلا یعنی اس کے بانیوں نے وہ دعویٰ کیا جو تعلیم رسول اور حکم الٰہی کے خلاف تھا انھوں نے بادشاہی لقب اختیار کرنے اور تاج شاہی سر پر رکھنے سے اجتناب کیا۔

اس سلسلہ کا ابتدائی طرز عمل مکر و فریب، انتہائی لغویات سے پُر اور ان کا استوار کنندہ ہیتناک تھا۔ یہ کفار کا تمام اقتدار ان کی مجموعی شوکت اور ان کی نیابت اس سلسلہ کو حاصل ہوئی۔

معترض کے اعتراضات سے بچنے کے لئے بیان بالا کی وجوہات حسب ذیل ہیں۔

اس گروہ کا منافق ہونا اس طرح ثابت ہوتا ہے کہ "اژدہا جنگ کے لئے تیار ہو کر سمندر کی ریت پر کھڑا ہوا" سمندر سے مراد قومیں اور گروہ ہیں جیسا کہ اسی مکاشفہ میں دوسرے مقام پر اس لفظ کی تشریح بیان ہوئی ہے۔ ریت ایسی زمین ہے جس کو پائداری نہیں ہوتی نہ وہ مکان جس کی بنیاد ریت پر قایم ہو مستحکم کہلاتا ہے لہذا ریت سے حالت تذبذب مراد ہے۔ اور سمندر کی ریت گروہ مذبذبین ہوا۔ اس گروہ مذبذبین سے وہ گروہ نکلا جو کفار کا قائمقام ہوا یعنی وہ حیوان جس کو اژدہا نے اپنا نایب بنایا۔ سگ زرد برادر شغال۔ کفر کا وارث نفاق اور کافر کا نائب منافق۔

اس گروہ کی مکاری، لغو پرستی اور ہیبت اس حیوان کی "رویت" سے ظاہر ہے۔ شکل بظاہر صورت سب سے پیشتر نظر آتی ہے لہذا اس سے ابتدا ہے۔

تیندوا مکاری میں مشہور ہے نیز کتوں اور خچروں کا جانی دشمن ہوتا ہے یعنی وفادار و خدمت گذاروں کا دشمن لہذا اس سلسلہ کی ابتدا مکر و فریب اور مومنین سے عداوت رکھنے کے باعث ہوئی۔

جیسے چہرہ انسان اول جزو ہے جو ظاہر ہوتا ہے اسی طرح قدم آخر اجزاے انسانی ہے جو دنیا میں آتا ہے ریچھ کے پاؤں بالوں سے ڈھنگے ہوئے ہوتے ہیں جو زوائدات سے ہیں لہذا اس سلسلہ کا آخر لغویات سے مملو ہوا دہن وہ ذریعہ ہوتا ہے جس سے غذائے ہضم کے قابل بنکر معدے میں داخل ہوتی ہے اور قیام حیواة

مانند کون ہے یا بحیثیت کفر قرار پایا۔

اژدہا یعنی کفر کے بانیوں نے بادشاہ بنکر تعلیم مخالف پھیلائی اور ان کے دس سردار ان کی تعلیم کے مبلغ ہوئے لیکن یہ پہلو کامیاب ثابت نہیں ہوا۔ ہمیشہ عذاب الہٰی اور شکست سے سابقہ ہوا کیا۔ لہٰذا اس تجربۂ دیرینہ سے فائدہ اٹھا کر حیوان قایمقام اژدہا یعنی منافقین نے اپنی روش بدلی۔ پہلے سات مبلغ بنے اور باقی کے دس اس تعلیم کو بزور حکومت منوانے والے۔ اس سلسلہ کو نورانی نظام کے بارہ ستاروں کی تہائی پر دسترس ہوئی۔

لیکن یہ سترہ کا سلسلہ چودہ کے سلسلہ کا مخالف تھا لہٰذا ان کی تعلیم ان کی تعلیم کے مخالف ہونے کے باعث کفر قرار پائی۔

اس حیوان کا مفصل حال بقیہ آیات باب سیزدہم مکاشفہ میں اس طرح تبلایا گیا ہے۔

(بقیہ پ ۱۳) "اور میں نے اس کے سروں میں سے ایک پر گویا زخم کاری لگا ہوا دیکھا۔ مگر اس کا زخم کاری اچھا ہوگیا اور ساری دُنیا تعجب کرتی ہوئی اس حیوان کے پیچھے پیچھے ہولی اور چونکہ اس اژدہے نے اپنا اختیار اس حیوان کو دیدیا تھا اس لئے انھوں نے اژدہے کی پرستش کی اور اس حیوان کی بھی یہ کہکر پرستش کی کہ اس حیوان کی مانند کون ہے کون اس سے لڑ سکتا ہے۔ اور بڑے بول بولنے اور کفر بکنے کیلئے اُسے ایک مُنہ دیا گیا اور اُسے بیالیس[۴۲] مہینہ تک کام کرنے کا اختیار دیا گیا اور اس نے خدا کی نسبت کفر بکنے کے لئے منہ کھولا کہ اس کے نام اور خیمہ یعنی آسمان کے رہنے والوں کی نسبت کُفر بکے اور اُسے یہ اختیار دیا گیا کہ مقدسوں سے لڑے اور ان پر غالب آئے اور اُسے ہر قبیلہ اور اُمت اور اہل زبان اور قوم پر اختیار دیا گیا۔ اور زمین کے وہ سب رہنے والے جس کے نام اس بڑہ کی کتاب حیات میں نہیں لکھے گئے جو بنائے عالم کے وقت سے ذبح ہوا ہے اس حیوان کی پرستش کرینگے۔"

اس سلسلہ کی شناخت کے لئے عبارت مذکورہ بالا میں کچھ علامات قرار دیگئی ہیں۔

(۱) پہلی علامت یہ ہے۔ کہ اس سلسلہ کے ایک بانی کی تعلیم کو زخم کاری یا صدمۂ عظیم ہونچا۔ جس کے باعث یہ تعلیم قریب المرگ ہوگئی لیکن وہ زخم مُندمل ہونے یعنی تعلیم سلسلہ کے بار دیگر رایج ہونے سے وہ تعلیم زندہ رہی۔+

(۲) دوسری علامت یہ کہ تقریباً تمام دُنیا (یعنی دُنیائے نظام مذکورہ) نے اس سلسلہ کی متابعت کی۔ اُن کی متابعت کیوجہ سے انھوں نے کفر کا اتباع کیا۔

اس حیوان یا سلسلہ کی متابعت زیادہ تر اس غرض سے بھی کی کہ ان کی جماعت اور ان کی طاقت بہت زیادہ تھی ان سے لڑنا مشکل تھا۔ ان کی چالیں زبردست تھیں۔ اس لئے بھی دنیا والے ان کے تابع ہوگئے۔

(۳) اس نے بڑے بول ... کفر ... کھولا ... الوہیت ... اور اس کے خیمہ کے رہنے والوں کے

(۵) اس سلسلہ کا غلبہ و اقتدار ۴۲ ماہ (۱۲۶۰ یوم) یعنی ۱۲۶۰ سال تک باقی رہا۔ مقدسین کی جماعت سے اس کو جنگ کرنے اور ان کو مغلوب کرنے کی اس سلسلہ کو اس عرصہ تک مہلت ملی۔ (تقریباً ۱۲۹۵ھ یا ۱۸۷۸ء تک)

(۶) ہر ایک قوم۔ قبیلہ۔ امت اور اہل زبان پر اس کو تسلط حاصل ہوا۔ سب نے اس کی تعلیم کی پیروی کی اِلا وہ معدودے چند جن کے نام برّہ مذبوح کی کتاب حیوۃ میں درج ہیں۔

یہ امر ابتدائے مکاشفہ میں طے ہو چکا کہ امور مندرجہ مکاشفہ بعد از مسیح علیہ السلام رونما ہونے والے ہیں نیز یہ بھی معلوم ہو چکا کہ ابتدائے صدی ہفتم عیسوی میں نبوت اُخریٰ کا ظہور ہوا جس کے سلسلہ میں شمس و قمر و بارہ ستارے ہیں یہ بھی عبارت مکاشفہ سے ہویدا ہے کہ اس تمام زمانہ کا جو زمانۂ آخر کہلاتا ہے ایک ہی نبی ہے کیوں کہ عورت یعنی زمانۂ آخر نے سورج کو اوڑھا ہوا ہے۔

عبارت مکاشفہ سے یہ بھی ثابت ہے کہ اس زمانہ کی ہدایت اور نبوت کی زینت بارہ ستارے یا سردار موعود ہیں۔ کیوں کہ تاج علامت شاہی ہے۔ لہٰذا نبوت آخریٰ کی سرداریٔ کل نبوتہائے ازمنہ گذشتہ کی علامت یہی بارہ امام یا سردار موعود ہیں۔

عبارت مکاشفہ سے آخراً یہ بھی ہویدا ہے کہ اس زمانے کے آخر میں اِس نبوتِ اُخریٰ کا خادمِ مثل قمر جو شمس کا خادم ہے ایک جُزوی نبی ہوگا۔ حوالۂ زبور و دیگر اسفار سے پیشتر معلوم ہو چکا کہ مسیح علیہ السلام بنیٔ بنی اسرائیل طریقۂ ملک صدق یعنی کہانت عُلویہ کے کاہن مقرر ہوئے۔ لہٰذا قمر سے آنحضرت علیہ السلام مراد ہیں آپ کا واپس تشریف لانا اور شریعتِ اسلام کی تائید کرنا حدیث ہائے متواترہ میں مذکور ہے عبارت مکاشفہ سے ثابت ہے کہ سترہ کا سلسلۂ تعلیم چودہ کے سلسلۂ تعلیم کے مخالف ہے اور چودہ کا سلسلہ سلسلۂ نبوت اُخریٰ ہے لہٰذا سترہ کا سلسلہ اسی امتِ نبوتِ اخریٰ کے منافقین کا ہوگا۔ ان کو سلسلۂ نبوت اخریٰ کے چار ائمہ علیہم السلام کے قتل پر دسترس ہوئی۔

تاریخ سے ان چار ائمہ موعود علیہم السلام کے اسمائے مقدس جو اِس سلسلہ نے شہید کئے حسب ذیل ملتے ہیں

(۱) حسن بن علی ابن ابیطالب علیہم السلام۔ خال المومنین امیر معاویہ کے ایماء سے سنہ ۵۰ھ میں

(۲) حسین " " " یزید بن معاویہ " " آغاز سنہ ۶۱ھ "

(۳) علیؑ ابن الحسین بن " (حضرت سجاد) بحکم عبد الملک بن مروان بن حکم سنہ ۹۵ھ "

(۴) محمد (باقرؑ) بن علیؑ بن الحسین " " ہشام بن عبد الملک " سنہ ۱۱۶ھ "

تاریخی شہادت کی بنا پر یہ امر ثابت ہو گیا کہ امیر معاویہ سے لیکر ہشام تک کے چاروں کس دُم اژدہا یعنی تابعین کفار یا بقیۃ الاحزاب ہیں (بموجب حکم مکاشفہ ب ۱۲)

بموجب ب ۱۳ مکاشفہ یہ سلسلہ منافقین میں شامل ہیں جنکی تعداد (۷ + ۱۰) سترہ ہے لہٰذا اسات بانیوں کی

[illegible]

ضرورت ہوتی ہے۔ جس پر عمل کرنے سے خواہی نخواہی وہی نتیجہ برآمد ہوگا جو منظور نظر ہے مثلاً کوئی سوسائٹی اپنے ممبروں کو ایک ایسے نہج پر ڈھالنا چاہتی ہے کہ وہ دوسری سوسائٹیوں کے افراد سے بادی النظر میں ممتاز نظر آئیں تو اپنے اس مقصد کے حصول کے لئے وہ ایک قاعدہ بنائیگی کہ تمام ممبران سوسائٹی ایک خاص قسم کا اور مخصوص قطع کا لباس استعمال کریں ایک مقررہ طریقہ پر کھانا کھائیں یا فلاں فلاں اشیاء کا استعمال ترک کردیں یہ سوشیل قانون کہلائیگا۔ رفتہ رفتہ دس بیس سال کے عرصہ میں اس سوسائٹی کے ممبر اسی قسم کی زندگی کے عادی ہوجائینگے چھوٹی ہوئی شے کی تلخی یا اختیار کردہ شے کی حصولی ان کا خاصۂ طبعی قرار پائیگا سنہ ۵ھ سے سنہ ۱۱۶ھ تک جو واقعات آل رسول پر آئے وہ اسی قسم کی تحریک کا نتیجہ نکلتے ہیں۔ نتیجہ تحریک قتل آل رسول کی صورت میں ظاہر ہوا جسکی ابتدا سنہ ۵ھ ہے رحلت رسول مقبول اوائل سنہ ۱۱ھ میں ہوئی۔ لہذا تحریک کی ابتدا وقعت آل رسول کم کرنے ان کو بائیکاٹ کرنے سے شروع ہونی چاہیئے۔

قانون شریعت کے مطابق ان کی محبت فرض عین قرار دی گئی تھی جیسا کہ آیہ قل لا اسئلکم علیہ اجراً الا المودۃ فی القربیٰ سے ظاہر ہے ان کی ولایت بمقرون ولایت خدا اور رسول ظاہر کیگئی تھی جیسا کہ انما ولیکم اللہ و رسولہ والذین اٰمنوا الذین یقیمون الصلوٰۃ ویؤتون الزکوٰۃ وھم راکعون میں موجود ہے لہذا حکم الٰہی تعلیم رسول کا منشاء یہ تھا کہ اس گروہ کو ولی نعمت سمجھو جو نماز کو قایم کرنے والے اور حالت رکوع میں زکوٰۃ دینے والے ہیں۔ یا اقربائے رسول سے دلی محبت رکھو ان کو نہ ستاؤ یہی اجر رسالت ہے۔

لیکن رسول کی آنکھ بند ہوتے ہی معلوم ہوگیا کوئی خفیہ تحریک پیشتر سے ہو رہی تھی جس طرح سے پیشتر رسول کا بائیکاٹ کیا گیا تھا اور قتل کی تجاویز ٹھہری تھیں اسی طرح اب آل رسول سے قطع تعلق کرنیکا تہیہ کیا ہوا انصار رسول شعب ابوطالب میں رہکر جان بچا گئے کیوں کہ اس بائیکاٹ نے ابتدا ہی میں خطرناک صورت اختیار کرلی تھی۔ آل رسول کے بائیکاٹ کرنے کے بعد ان کی وقعت کم کرنیکی کوشش کیگئی وظایف مقررہ ذرایع معاش بند کئے گئے ان کو امور امت سے قطعاً الگ رکھا گیا یقین تھا رفتہ رفتہ وہ زمانہ آجائے گا کہ نسل رسول کا قتل ایک مجرم کا قتل متصور ہو۔ اور ایسا ہی ہوا بھی۔ کہنے والے کہہ گئے اور تحریریں چھوڑ گئے بتلا گئے قتل الحسین بسیف جدہ حسینؑ اپنے نانا کے مقرر کئے ہوئے قانون کے مطابق تلوار سے قتل ہوا۔

ہم تو نہ کسی سے تعرض رکھتے ہیں نہ کافر یا منافق بنانا چاہتے ہیں یہاں تک کہ شیطان کو بھی شیطان کہنا نہیں چاہتے لیکن دقت یہ آپڑی ہے کہ حکم خدا کی تعمیل میں ایسا کہنا پڑتا ہے قرآن پر ایمان رکھنے کے مدعی ہیں وہی تعلیم کہتی ہے کہ انبیاء سلف کو برحق سمجھو ان کی تعلیم کو برحق جانو۔ پھر کس طرح ان کے اقوال کی تکذیب کی جاتی ہے۔

ایک معمولی سی بات ہے کوئی معتبر شخص کسی واقعہ کا تذکرہ کرتا ہے ہم اس کے بیان کی بنا پر اس واقعہ

ہیں یعنی تاریخ وہ بیان ہے جو کسی واقعہ کے ہو چکنے کے بعد اس کی تفصیل بتلائے اور اگر قبل از وقوع وہی تفصیل بتلائی جاوے جو آئندہ ہو کر رہے تو اس کو پیشینگوئی کہہ دیتے ہیں یعنی وہ تاریخ جو ظہور واقعہ سے پیشتر تحریر ہوئی جب ہم معمولی اشخاص کے تاریخی بیانات پر یقین کر لیتے ہیں تو کوئی وجہ نظر نہیں آتی کہ انبیائی پیشینگویوں پر یعنی اس تاریخ پر جو انبیاے سلف علیہم السلام نے بذریعہ وحی الٰہی تحریر فرمائی یقین بلکہ ایمان نہ رکھیں خصوصاً ایسی صورت میں جبکہ ہم ان کی صداقت کے اقراری بھی ہوں اور ان کی تعلیم کو حق بھی سمجھتے ہوں۔

اسی "حق" کی حقیقت کے بیان میں مجبوراً کلمہ حق ہی کہنا پڑتا ہے بادل خواستہ ہو یا ناخواستہ کیوں کہ حق کسی کے چھپائے چھپ نہیں سکتا خود بخود ظاہر ہو کر رہتا ہے۔

اس سے پیشتر اسی نبوّت کی مصدّق آیہ قرآنی مذکور ہو چکی ہے جس میں نسل و زراعت (امت) رسول کے ہلاک کرنے کے منصوبوں کا جاری ہونا ثابت ہوتا ہے وہی بیان مکاشفہ میں موجود ہے جس کی تصدیق تواریخی بیانات کر رہے ہیں۔ ہمیں بھی قرآن کریم و اسفار قدیم کی متابعت کرنی لازمی ہے۔

قرآنی الفاظ کے بموجب زراعت پہلے برباد ہوئی نسل بعد میں (یھلک الحرث والنسل) لہذا مسلمان پہلے نامسلمان بنائے گئے اور پھر ان نامسلمانوں نے آلِ رسول کو قتل کیا۔ مسلمانوں کی نامسلمانی کو مکاشفہ میں کفر ارتداد، نفاق یا حیوانی سلسلہ بتلایا گیا ہے۔

اس کشفی تاریخ کا بیان پر ہی خاتمہ نہیں ہوا۔ بلکہ اس سلسلۂ حیوانی کو مخصوص سلسلہ بنا دیا گیا تاکہ عمومیت کی حدود و شمار سے نکلکر اس مخصوص سلسلہ پر صادق آئے جس کا یہ بیان ہے۔

(بقیۂ آخر باب ۱۳) "پھر میں نے ایک اور حیوان کو زمین سے نکلتے دیکھا اسکے برے کیسے دو سینگ تھے اور اژدہے کی طرح بولتا تھا۔ اور یہ پہلے حیوانکا سارا اختیار اپنے کام میں لاتا تھا۔ اور زمین اور اسکے رہنے والوں سے اس پہلے حیوانکی پرستش کراتا تھا جس کا زخم کاری اچھا ہو گیا تھا۔ اور وہ بڑے بڑے نشان دکھلاتا تھا یہانتک کہ آدمیوں کے سامنے آسمان سے زمین پر آگ نازل کر دیتا تھا اور زمین کے رہنے والوں کو ان نشانوں کے سبب سے جنکے اس حیوان کے سامنے دکھانیکا اسکو اختیار دیا گیا تھا اسطرح گمراہ کر دیتا تھا۔ کہ زمین کے رہنے والوں سے کہتا تھا کہ جس حیوان کے تلوار لگی تھی اور وہ زندہ ہو گیا اس کا بت بناؤ اور اسی اس حیوان کے بت میں روح پھونکنے کا اختیار دیا گیا تاکہ وہ حیوان کا بت بولے بھی اور جتنے لوگ اس حیوان کے بت کی پرستش نہ کریں انکو قتل بھی کرائے اور اسنے سب چھوٹے بڑے دولتمندوں اور غریبوں آزادوں اور غلاموں کے دہنے ہاتھ یا انکے ماتھے پر ایک چھاپ کرا دیا تاکہ اسکے سوا جسپر نشان یعنی اس حیوانکا نام یا اسکے نام کا عدد ہو اور کوئی خرید و فروخت نہ کر سکے حکمت کا یہ موقع ہے جو سمجھ رکھتا ہو وہ اس حیوانکے عدد گن لے کیونکہ وہ آدمی کا عدد ہے اسکا عدد ۶۶۶ ہے۔"

اس پہلے حیوان کی مزید علامت شناخت اس طرح پر بیان ہوئی۔ کہ اسکے عامل یا گورنروں کا سلسلہ ایمان والوں کے درمیان سے نکلا۔ سمندر کی ریت سے نہیں بلکہ زمین سے۔ اس سلسلہ میں دو سردار ہوئے لیکن یہ سلسلہ بھی کفار کا ہمنوا تھا۔ پہلے سلسلہ کا نائب ہونیکی وجہ سے اس کے نام سے کُل اختیارات کو استعمال میں لاتا تھا اور جبرًا

طریقوں سے لوگوں کو زبردستی گمراہ کرتا تھا۔ کبھی آتش بازی سے کبھی سطوت شاہی سے۔ اس کی گرفت و عقوبت سے مومنین کے لئے نجات حاصل کرنے کا ایک ہی ذریعہ تھا اور وہ یہ کہ اس حیوان کی اطاعت کریں اور اسکی تعلیم کی پیروی کریں جو تلوار کھاکر بھی زندہ ہوگیا۔ اس دوسرے حیوان کو حیوان اول کیجانب سے پوری رخصت اور کامل اجازت حاصل تھی کہ اس تعلیم میں از سر نو روح پھونکے۔ اور جس طرح بھی ممکن ہو۔ اس کو تمام مملکت میں رواج دے۔ ہر طرف اسی تعلیم کا چرچا ہو جائے اور اس تعلیم کے مخالف قتل ہوں۔ اسی بنا پر اس دوسرے حیوان نے زمین مخصوص کے رہنے والوں میں جس جگہ کہ اثر مخالف زیادہ تھا۔ ایک خاص علامت قائم کی۔ تاکہ جس پر وہ نشان ہو وہ خرید و فروخت کرسکے۔ اور مخالف جماعت شناخت ہو کر قتل کیجائے۔ یہ علامت کیا تھی؟ اس حیوان کا نام یا اس کے نام کے اعداد تھے جو پیشانی یا ہاتھ پر گدوا دیئے جاتے تھے۔ یہ مجموعہ اعداد "۶۶۶" تھا۔

اس تمام بیان کا مدار حل معمۂ عددی قرار دیا گیا جو اعداد سے نام تک پہونچ جائے۔ وہ سعید روح ہے۔ لیکن یہ کوئی معمولی پیشینگوئی نہ تھی جس میں ہر ایک اسی قسم کے افعال والا شریک ہو جاتا۔ بلکہ یہ تو ایک ایسا واضح بیان ہے جس میں کسی طرف شک و شبہ کی گنجایش نہیں پہلے چودہ کے سلسلہ کا تذکرہ کیا اور زمین سے شروع ہو کر آسمان تک بیان کو پہونچا دیا۔ ایک نور قدموں میں ظاہر کیا۔ دوسرا منبع نور تمام جسم پر سر سے ٹخنوں تک اور تیسرا نور بارہ ٹکڑوں میں اس نور کے اوپر۔ یہ کل منظر "نورٌ علی نور" ہے۔ ایک نور دوسرے نور کا شاہد۔ اگر قمر آفتاب کے قدموں میں ہے تو ستارے تاج کی صورت میں سر پر۔ ؎

نورِ عیسےٰ در قدومِ نورِ احمدؐ سر فگن
بر سرِ مُہرِ نبوّت نقش پائے بو ترابؑ

یہ بیانِ دورِ اسلام ہے۔ نورِ اسلام کا مخالف "منافق ہوگا یا مرتد یا کافر" پس مسلمانوں میں ہی ایسے شخص کی تلاش کرنی چاہیئے جو "نورٌ علی نور" کا برعکس کہلا سکے لیکن ایسے شخص کا ملنا محال ہے جس پر یہ تینوں اوصاف صادق آسکیں مثلاً منافق کافر ہو سکتا ہے۔ اور منافق کہلا سکتا ہے۔ لیکن منافق مرتد ہو کر منافق نہیں رہ سکتا۔ یہ ممکن ہو سکتا ہے۔ کہ کافر منافق ہو جائے اور پھر مرتد بنے تینوں کیفیتیں "نفاق، ارتداد، کفر" ایکدم جمع نہیں ہو سکتیں۔ اِلّا یہ کہ "الولد سرّ لابیہ" کے اصول پر "قرآن السعدین" کے مقابل "قران النحسین" کہیں ظاہر ہو جائے

مکاشفہ ۱۷ میں اس حیوان کی تفصیل بتلائی گئی ہے۔ جو سات سر اور دس سینگ رکھتا ہے۔ یہ بتلایا گیا ہے کہ یہ بادشاہ ہیں ان کے سلسلہ میں اٹھواں شخص وہ ہے جس کا ذکر کیا گیا ہے ساتواں تھوڑے ہی عرصہ رہے گا۔

اس ہدایت کے بموجب ایسے بھلے مانُس کی تلاش مسلمان کہلانے والے بادشاہوں میں کرنی چاہیئے۔ اور تلاش بھی صرف انہی میں جو چار آئمہ طاہرین علیہ السلام کے شہید کرنے پر قادر ہوئے۔

ان بادشاہوں میں ایسا شخص جو منافق بن مرتد بن کافر ہو سوائے عبدالملک بن مروان بن حکم کے اور کوئی

کہ اس ترتیب کے ساتھ ذکر کرنے سے اس کے سوا کوئی دوسرا شخص ٹھہرا نہیں ہو سکتا۔ بشرط مکاشفہ کے مطابق یہ آٹھواں ہے۔ اس سے پیشتر اس کا باپ مروان چھ ماہ بادشاہ رہا مروان سے پہلے معاویہ بن یزید اس سے قبل یزید بن معاویہ باپ بیٹے یکے بعد دیگرے ہوئے۔ عبدالملک کے زمانے میں حجاج اس کے گورنر نے اہل مکہ کی پیشانی اور ہاتھ پر داغ لگوائے۔

امیر معاویہ کو بعہد خلافت ثانیہ ممالک شام کی گورنری ملی۔ خلافت سوم کے بعد دعوید از تاج خلافت ہو کر شام کی مطلق العنانی بادشاہی نصیب ہوئی۔ اور پھر بعد از معاملہ تحکیم کل ممالک حجاز، عراق، عرب، مصر، یمن وغیرہ کی بادشاہت مل گئی۔ آپ کے فرزند ارجمند یزید کیطرف سے عبداللہ ابن زیاد گورنر کوفہ تھا جس کے اہتمام سے واقعہ کربلا رونما ہوا

عبدالملک مذکور از روئے مکاشفہ آٹھواں فرمانروا ہے۔ نواں اس کا پسر ولید۔ دسواں دوسرا پسر سلیمان گیارہواں یزید ثانی۔ بارہواں ہشام بن عبدالملک۔ تیرہواں ولید ثانی بن عبدالملک۔ چودھواں یزید ثالث پندرہواں مروان حمار۔ سولھواں عمر بن عبدالعزیز جو یزید ثانی سے پیشتر تخت نشین ہوا اور سترہواں عبداللہ ابن زبیر جو بزمانۂ عبدالملک حجاز کے فرمانروا شمار ہوتے تھے۔

اگر اس سلسلہ کے ذریعہ، وسیلہ یا تعلیم کی تلاش کی ہماری خواہش ہو تو پہلا امر جس پر غور کرنے کی ضرورت ہے سنت الٰہی ہے جس کو قانون قدرت یا شریعت کی کتاب کہا جاتا ہے۔ کیونکہ اسلام کوئی نیا مذہب نہیں۔ بلکہ وہی قدیم مذہب ہے جس کی تلقین آدمؑ سے لیکر خاتمؑ علیہم السلام تک سب کرتے رہے۔ پس قانون الٰہی میں کوئی تبدیلی ہونا ممکن نہیں۔ اصول تعلیم جو ابتدا سے چلا آیا۔ باقی رہا۔ فروعی امور میں حسب ضرورت زمانہ تبدیلی ہوتی جب ضرورت لاحقہ جاتی رہی۔ قانون پھر قدیم حدود پر آ رہا۔ جیسا کہ فی زمانہ نماز حضر و قصر کی مثال موجود ہے۔

دوسرا امر غور طلب نونہالے انبیائے سلف ہیں جن کا بال برابر بھی حق سے متجاوز ہونا ممکن نہیں۔

تیسرا امر غور طلب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اقوال و افعال سے ان نونہالے سلف کی تصدیق ہے

چوتھا امر غور طلب ہر ایک مرنے والے کا ترکہ ہے جو اس کے بعد باقی رہتا ہے۔ ہر ایک شخص اپنے بعد دو قسم کی ملک چھوڑتا ہے۔ ایک ترکہ کو مال (زر ہو۔ زمین ہو یا مویشی یا ان سب کا مجموعہ) دوسرے ترکہ کو اولاد کہتے ہیں پہلا ترکہ میراث کہلاتا ہے۔ اور دوسرا ترکہ وارث۔ یہ دونوں ملک متوفی کا ترکہ ہوتے ہیں۔ قاعدہ کلیہ ابتدائے آفرینش سے یہی چلا آیا ہے کہ ترکہ، اولاد ترکہ، مال کی مالک قرار پائے۔ نبی ہو۔ یا غیر نبی۔ اس قاعدے سے کوئی مستثنیٰ نہیں ہوا لہٰذا یہ دیکھنا چاہئے جناب ختم الانبیاء علیہ وآلہ الاف التحیہ والثنا نے اس قانون قدرت کے متعلق عملی تعلیم کیا دی دنیا کے مال و دولت سے آپ کی ملکیت کیا تھی جو آپکے بعد ترکہ، رسول کہلا سکتی ہے تو اریخ عامہ سے ظاہر ہے کہ وقت رحلت آنحضرتؐ ایک اونٹ، ایک گھوڑا ایک تلوار، ایک عمامہ، ایک چادر، ایک عبا، فدک، اور دیگر مواضعات

وفات سے پہلے بیٹی اور داماد کے حوالہ کیا اور صرف قرآن کو زوجہ ان کے حجرے اور ایک بیٹی باقی رہے۔
ان میں سے قرآن و اولاد کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا ترکہ بیان فرمایا۔ جیسا کہ حدیث شریف ثقلین سے ثابت ہے انی تارک فیکم ثقلین کتاب اللہ وعترتی اہل بیتی۔ ان میں سے ایک ذی روح ہے اور دوسرا غیر ذی روح۔ قاعدے کے مطابق اولاد وارث اور قرآن میراث کہلائے گی جب تک کوئی شخص وارث کی اجازت حاصل نہ کرے۔ میراث سے متمتع ہونا اس کے لئے جائز نہیں ہو سکتا۔ پس احکامات قرآنی کی تعمیل آل رسولؐ کی اجازت و متابعت میں مفید ہو سکتی ہے۔ ورنہ نہیں۔ دوست کے مال پر دوست متصرف ہو سکتا ہے۔ قبضۂ مخالفانہ کرنیوالے دوست نہیں کہلاتے۔

پنجم امر غور طلب وہ تعلیم ہے۔ جو اس سلسلہ نے رسول کے نام سے شائع کی۔
رسولؐ اللہ نے اپنے بعد دو ترکہ چھوڑنے کی تعلیم دی ایک وارث دوسری میراث۔
اس کے مقابلہ میں رسول کے نام سے یہ تعلیم بھی ملتی ہے نحن معاشر الانبیاء لا نرث ولا نورث ما ترکنہ صدقۃ۔ ہم گروہ انبیا نہ کسی کے وارث ہوتے ہیں نہ مورث جو کچھ ہم چھوڑتے ہیں وہ صدقہ ہوتا ہے حدیث ثقلین رسول کی اسفار انبیاء سے مطابقت ہے۔ زبور ۴۵ میں صاف بتلایا گیا ہے "تیرے بیٹے تیرے باپ دادا کے وارث ہوں گے"۔ قرآن میں دعائے حضرت ذکریا علیہ السلام دربارۂ طلب فرزند موجود ہے جو عرض کرتے ہیں خدایا مجھے ایک پسر عنایت فرما یرثنی ویرث من آل یعقوب جو میری میراث پاوے۔ اور آل یعقوبؑ کی میراث حاصل کرے۔

حدیث "نحن معاشر" کی مطابقت نہ اسفار سلف سے ہوتی ہے نہ قانون خلف سے۔
یہ وہ تعلیم تھی جس سے میراث اہلبیت یعنی کتاب اللہ ملکیتِ جمہور قرار دی گئی۔ اور ان کا منتخب کیا ہوا وارث، وارث رسول اللہ قرار پایا۔ یہ ابتدا تھی لیکن اس کی انتہا۔ اللہ اکبر ؎

مشہد میں، کربلا میں، نجف میں، مدینہ میں ✤ بکھرے گلِ ریاض پیمبرؐ کہاں کہاں

یہ اسی تعلیم کا نتیجہ تھا کہ مروان مرتد طرید رسولؐ مدینۃ الرسول میں قلمدان وزارت خلافتِ رسول کا مالک بنکر داخل ہوتا ہے۔ یہ اسی تعلیم کا اثر تھا کہ معاویہ کو منابر اسلامیہ پر سب و شتم نفس رسول کی جرأت ہوئی۔ یہ اسی تعلیم کا پرتو تھا۔ کہ خلافت کی باگ یزید شوم کے دست نجس میں پہونچی۔ اور اس کی زبان نے علی الاعلان کلمات کفر بکے۔ یہ شعر اسی خلافت مآب کی یادگار ہے ؎ "لعبت ہاشم بالملک فلا ✤ ملک جاء ولا وحی نزل
بنی ہاشم (محمدؐ) نے حصول شاہی کا کھیل بنایا ہوا تھا۔ نہ کوئی وحی آئی نہ فرشتہ۔ لاحول ولا قوۃ۔ پہلوں کی افراد و دوسروں کے ارتداد و جرأت کا باعث ہوئی جس کے باعث رسول کا گھرانہ تلواروں سے کٹا۔ تیروں سے چھنا۔ نیزوں کی انیوں اور برچھیوں کی نوکوں سے غربال بنا۔ گرزوں سے کٹا تازیانوں سے پٹا۔ بازاروں کی تشہیروں کی ذلت

رسول مٹانے کی تدابیر اسی تعلیم کی تفسیریں اور تا دلییں یقیں تعلیم دینے والا لفظ ہی نہیں پڑھاتا۔ بلکہ اس کے معنی بھی سمجھاتا ہے بعض امور کو علاً بھی دکھلاتا ہے۔ چنانچہ اس حدیث میراث کے عملی معنی خانہ رسالت میں آگ لگا کر سمجھائے گئے، نفس رسولؐ کو مسجد رسول میں قتل کی دھمکیاں دیکر بتلائے گئے اگر بلا میں جو واقعہ پیش آیا وہ اس عملی تعلیم کی تمثیلی صورت تھی۔ آہ

ہیچ کافر نہ کند انچہ مسلمان کردند

ان کو رسول کی رسالت میں شک تھا خدا کی عالم الغیبی پر یقین نہ تھا۔ وہ اپنے دلی منصوبوں کو مقفّل سمجھے ہوئے تھے۔ یہی یقین تھا کہ عوام النّاس کیطرح رسول بھی ہمارے ارادوں سے واقف نہیں ہوسکتا انہیں کیا خبر۔ کہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پیش از پیش ان واقعات کی اطلاع ہو چکی جس نسل رسول کے استیصال کی اور جس زراعت رسول کے فاسد کرنے کی تجاویز پر انہوں نے کمر باندھی تھی اس کا حال ایکمرتبہ نہیں بلکہ متعدد بار مختلف صورتوں سے مذکور ہوچکا مفسدوں کے حالات رسول اللہ صلی اللہ علیہ آلہ وسلم سر پوست کندہ مذکور ہوچکے۔ قاتلوں کے اذکار مختلف پیرایوں میں گذر چکے۔ اور توا در نسل رسولؐ کی کثرت اور ان کے قاتلوں کی "نسل مار" ہونے کے وعدے بھی کئے جا چکے۔ قاتلوں کی مدّت معیّن کر دی گئی۔ یہ سب ایسے امور تھے جو غور و خوض کرنے سے یا دریافت کرنے پر معلوم ہو جاتے لیکن پوچھتا کون؟ کیا کفّار نے کبھی آیات قرآنی سمجھنے کی کوشش کی تھی۔ جو ان کے نمایندوں سے اس کی توقع رکھی جائے۔ اپنی کوشش بھر کفار نے یہی چاہا کہ رسول قتل ہو نہ کر سکے۔ اپنی اجتماعی قوت استعمال کرنے پر بھی شکست پر شکست ہوئی ایک ابوجہل نے خانہ کعبہ میں رسولؐ اللہ کو بحالت نماز گلا گھونٹ کر مار ڈالنے کی کوشش کی تھی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ حضرت حمزہؓ حمایت کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے۔ ان کی شجاعت کا ایسا سکہ بیٹھا ہوا تھا کہ پھر کسی اِکّے دُکّے نے اس طرف نظر نہیں ڈالی بلکہ قومی اجتماع کے بل بوتے پر اپنے منصوبوں کو ہر ابھرا دیکھنا چاہتے رہے۔ اس بڑھتی ہوئی جماعت کی قوت پر غور کرنے والے تاڑ گئے کہ علی الاعلان مخالفت میں شکست کے سوا اور کچھ حاصل نہیں ہوسکتا۔ مار آستین بنکر البتہ قلع قمع ہوسکتا ہے۔ بہت سے محض اسی نیت سے داخل اسلام ہوئے۔ ورنہ ممکن نہ تھا کہ ابوجہل رسول گلا گھونٹنے کے لئے ہاتھ بڑھائے۔ اور اپنے بھانجے سے تعرّض نہ کرے۔ یہی وہ لوگ تھے جو وقتاً فوقتاً میدان جنگ سے فراری ہوتے تھے۔ ان کی بھاگڑ دیکھکر غازیان فوج اسلام اکثر غزوات میں رسول اللہ کو تنہا چھوڑ گئے کفار کو اپنا منصوبہ پورا کرنے کا موقعہ بارہا حاصل ہوا لیکن مشیت الٰہی کچھ اور تھی۔ اجماع کفار نے شکست کھائی اور ہمیشہ ذلت اٹھائی۔

اب منافقین کا اجتماع نسل رسول کے استیصال پر کمر بستہ ہوا۔ اپنے منصوبوں میں کامیاب ہوئے لیکن ان کی فتح شکست سے بدتر ثابت ہوئی۔ ان کے منصوبے طشت از بام ہوگئے۔ مسلمانوں کی آنکھیں کھلیں وہ لوگ جو کل تک اجماع کی حقیقت اور ترکۂ رسولؐ کو ملکیت جمہور سمجھے ہوئے تھے

... ہزاروں طریقوں سے اس جوش کو دبانا چاہا۔ حجاج بن یوسف
سے جابر و ظالم کو تنبیہ کے لئے مقرر کیا جسنے منجنیق سے خانہ کعبہ و مکہ معظمہ پر آگ کی بارش برسائی۔ قتل عام
کا بازار گرم کیا۔ مکہ والوں کو زر خرید غلام بنا کر غلامی عبدالملک کے نشان لگا کر امن دیا۔ لیکن بیداری کے
بعد نیند بشکل ہی آتی ہے۔ آخر یہ کہ اس سلطنت کا شیرازہ بکھر کر رہا۔

سورۂ قدر اور سورۂ کوثر میں خداوند عالم نے ان تمام واقعات کی خبر ارشاد فرمائی ہے۔ الف شہر۔
(ایک ہزار ماہ) کی حکومت کا سب حال آنحضرت صلوۃ اللہ علیہ وآلہ کو معلوم تھا۔ اپنی نسل موعود کے شہیدوں
کا علم بھی تھا۔ ان کی مجموعی تعداد بھی معلوم تھی۔ ان کے دشمنوں کی ابتری سے واقفیت رکھتے تھے۔

خداوند عالم نے سورۂ کوثر میں اپنے رسول سے وعدہ کیا کہ میں تیری نسل کو کثیر کروں گا۔ شاخیں جس قدر
قلم ہوں گی اسی قدر زیادہ پھیلیں گی۔ خدا کا شکریہ ادا کر۔ اور قربانیاں نذر کئے جا۔ تو کبھی ابتر نہیں ہوسکتا۔ بلکہ
تیرے دشمن تیرا برا چاہنے والے ابتر ہوجائیں گے۔ یہ خدائی حکم ہے ان کی ڈھکوسلہ نہیں جس کا سر ہونہ پیر۔ انا
اعطینٰک الکوثر فصل لربک وانحر ان شانئک ھو الابتر اے رسول ہمنے تجھکو کوثر عطا کیا ہے۔ اولاد
کثیر مرحمت فرمائی ہے تو بلاخوف و خطر قربانیاں پیش کرتا رہ۔ اپنے رب کا شکرانہ ادا کر اور قربانی گذار۔ اس
قربانی سے تو ابتر نہیں ہوسکتا۔ بلکہ تیرا دشمن خود ابتر ہے۔

کفار و منافقین کو اپنی کثرت، اپنے اجتماع، اور اپنی جماعت پر بھروسہ تھا۔ اس بھروسے پر رسول کے قتل اور
آل رسول کے استیصال کے منصوبے باندھتے تھے۔ رسول کی تنہائی یا آل رسول کی قلت ان کا حوصلہ بڑھاتے ہوئے
تھی۔ اپنی جماعت کی کرامت پر نازاں تھے۔ اعداد کی کثرت پر اپنی فتح سمجھے ہوئے تھے۔

ان اعداد کے مطابق پہلی آیت بحساب جمل ۹۰۷ عدد رکھتی ہے۔ دوسری کے ۱۷ عدد ہیں۔ اور تیسری کے
۱۰۶۸۔

خداوند عالم نے اس سورہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دس پشتیں نسل موعود آنحضرت کی ذکر
فرمائی ہیں جس میں سے نو پشتیں قربانی ہوئیں۔

ان دس پشتوں میں تین محمدؐ نام تین علیؑ نام۔ دو حسنؑ اور ایک حسینؑ ایک جعفر اور ایک موسیٰ علیہم الصلوۃ والسلام
ہوئے جیسا کہ شجرۂ ذیل سے ثابت ہوگا۔ بعد حذف اسمائے مکررہ ان کے اعداد ۹۰۷ ہوتے ہیں۔ یہ سب ابنائے
محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کہلائے۔ ابنائے کا ہمزۂ وصل گرا کر ۶۳ عدد ہوئے۔ ۹۰۷ میں ۶۳ جمع کئے ۹۷۰ مجموعہ ہوا۔
لہذا وہ کوثر جو خداوند عالم نے آنحضرت کو عطا فرمایا۔ یہ نسل موعود اس میں شامل ہے۔

ان دس پشتوں میں سے نو پشتیں درجہ شہادت پر فائز ہوئیں پس ۹۷۰ میں سے ایک پشت کے اعداد کم ہونے پر ۷۱۷ کا عدد بر آمد ہونا چاہیئے۔

حضرت قائم مہدی علیہ وعلی آبائہ الصلوۃ والسلام ابن رسول اللہ ہیں لہذا قائم مہدی کے اعداد "۲۰۱" بشمول اعداد ابن "۵۲" یعنی کل "۲۵۳" ۹۷۰ میں سے تفریق کئے "۷۱۷" کا عدد بر آمد ہوا۔

سلسلہ حیوانیہ مذکورہ نے ان نو پشتوں میں سے تین پشتیں شہید کیں۔ باقی چھ پشتیں ایک دوسرے سلسلہ نے جو اس سلسلہ کا تابع ہوا آیندہ شہید کیں۔

یہ پہلی دو آیتیں ابنائے رسول سے متعلق تھیں۔ آیہ آخر اعدائے رسول سے متعلق ہے۔ تاریخ تبلاتی ہے کہ اجماع کا سلسلہ جو رحلت آنحضرت صلوۃ اللہ علیہ وآلہ کے بعد قائم ہوا جس کی تعلیم کے مطابق نبوت وخلافت ایک گھر میں جمع نہیں ہو سکتی تھیں۔ حجاز میں خلافت ثالثہ کے بعد ٹوٹا لیکن جناب امیر علیہ السلام کی خلافت شام والوں نے قبول نہیں کی۔ اور امیر معاویہ کو اپنا خلیفہ تسلیم کرلیا۔ اس لئے یہ سلسلہ شام میں زندہ تھا۔ اگرچہ واقعات کی بناپر اس میں اضمحلال آگیا تھا۔ واقعہ حکمین اور شہادت جناب امیر علیہ السلام نے اس میں جان ڈالدی۔ زخم بھر آئے۔ لہذا اجماعی سلسلہ حجاز میں ٹوٹا لیکن شام میں بدستور قائم رہا قاعدے کے مطابق وارث مورث کے بیٹے کے مانند ہوتا ہے۔ لہذا حجازی سلسلہ کا میراثی سلسلہ شام میں امیر معاویہ کی شخصیت میں موجود رہا۔ اگر ان کے مشہور ومعروف اسمار کے اعداد جمع کریں تو مجموعہ ۱۰۶۸ ہونا چاہیئے۔ اور ایسا ہی ہے بھی۔ کیونکہ پہلے نام کے ۲۳۱، دوسرے کے ۳۱۰ اور معاویہ کے ۵۲۷ کل مجموعہ ۱۰۶۸ ہوا لیکن امیر معاویہ نے یہ سلسلہ اپنے پسر یزید میں قائم کیا جس کے بعد اسکا پسر معاویہ تخت نشین ہوا۔ لہذا ابتری ظاہر بظاہر نسل معاویہ میں نظر آتی ہے۔ کیونکہ معاویہ کا پوتا مقطوع النسل ہے۔ اگر قدیم نساب عرب کا قول تسلیم کیا جائے۔ تو یزید معاویہ کا پسر ہی نہیں رہتا۔ اور ابتری واضح تر نظر آتی ہے۔

یہ بحث تو قولی اور علمی تعلیم سے متعلق تھی۔ لیکن اگر صرف عملی کارروائی مدنظر رکھی جائے تو معاویہ یزید۔ عبد ملک وہشام کا زمانہ، زمانہ اوج وترقی کہا جائیگا چونکہ ان کے نام اس کتابت سے تاریخ میں ملتے ہیں ان کے اعداد بھی ۱۰۶۸ ہی ہوتے ہیں پس یہ کل سلسلہ ابتر قرار پایا۔

سچ ہے با آل نبی ہر کہ درافتاد برافتاد۔

خیر آمدم برسر مطلب۔ یہ ایک جملہ معترضہ تھا جو تشریح وتفسیر اعداد مکاشفہ یعنی ۶۶۶ میں نکل آیا۔ ورنہ یہیں تقابل مدنظر نہیں۔ کیونکہ مقابلہ ان دو صفتوں میں کیا جاتا ہے جو ایک ہی جنس کے ہوں۔ مثلاً دو عالموں کا مقابلہ۔ اگر جنسیت مفقود ہو تو مقابلہ مقابلہ نہیں کہلاتا۔ بلکہ فرق ضدین کہا جاتا ہے۔ نور وظلمت میں کوئی جنسیت نہیں۔ دونوں ایک سٹیج پر کھڑے نہیں ہو سکتے۔ بقول

کند ہم جنس با ہم جنس پرواز ❊ کبوتر با کبوتر باز با باز

اور دیر سے پہنچی ہی کی ہوتی۔ خدا کامیاب کرے۔

شیرینی ایسی غذا ہے کہ جس کی طرف پیر، وجوان، بچہ، شیر خوار، مرد، وزن، طبعاً رغبت رکھتے ہیں لیکن یہی مرغوب غذا لگاتار استعمال ہوتی رہے تو طبیعت کند ہو جاتی ہے۔ البتہ شیرینی کے ساتھ ذائقہ بدلنے کے لئے نمکین غذا یا چٹنی بھی موجود ہو تو لطف بالائے لطف بنجاتا ہے۔

اسی طرح بیانات میں ذکر احباب شیریں ترین و مرغوب ترین اذکار ہے لیکن یہی تذکرہ خوش عقیدتی و حسن ظن شمار ہونے لگتا ہے اگر مخالفین کے تذکرے کی چاشنی سے ذائقۂ ذہنیہ کو نقطۂ اعتدال پر نہ لایا جائے انسان طبعاً روشنی کا شیدا ہے لیکن دوپہر کی روشنی کی برداشت نہیں ہوتی کہیں رنگین عینکیں استعمال کرتا ہے کبھی چہار دیواری کے اندر پناہ لیتا ہے۔ اسی مرغوب و مفید نعمت سے جسکو روشنی کہتے ہیں بھاگتا ہوا نظر آتا ہے۔ اس کی وجہ یہ نہیں کہ روشنی کی خاصیت بدل گئی۔ یا اس کے فوائد میں تبدیلی آگئی بلکہ اس لئے کہ انسانی احساس ذہنیہ لگاتار ایک ہی اثر کے اندر رہ کر نقطۂ اعتدال سے ہٹ کر ایک طرف مائل ہو جاتے ہیں۔ وہی چکا چوندہ کرنیوالی روشنی اصلی اثر پیدا نہیں کرتی۔ کچھ تاریک سی نظر آنے لگتی ہے۔ قوت ممیزہ عدالت میں خطا کرتی ہے۔ اس لئے قوتِ مدبرۂ جسمانی اس کو نقطۂ اعتدال پر لانے کے لئے روشنی کی متضاد فضا میں لیجاتی ہی۔ تاکہ وہ نور کو نور۔ اور ظلمت کو ظلمت سمجھے۔ نور سے رغبت اور ظلمت سے تنفر کئے جائے یہی دو کیفیتیں انسان میں موجود ہیں "رغبت" اور "تنفر"۔ جس جگہ یہ دونوں کیفیتیں نظر نہ آئیں۔ وہ حیات نہیں کہلاتی۔ یہ دونوں کیفیتیں الٰہی عطیہ ہیں۔ تیسری کوئی کیفیت جوان دونوں کے بین بین ہو طبعی کیفیت نہیں کہلاسکتی۔ اس کو تصنع کہیں گے۔ پس فطرت انسانی جو رغبت و تنفر میں تمیز کرتی ہے نقطۂ اعتدال پر ہونی چاہیئے یعنی عارفِ کاملِ حقیقتِ "رغبت و تنفر"۔ ورنہ غلط فیصلہ کرے گی۔ اور دوست و دوست نما دشمن میں امتیاز کرنے سے عاجز ہوگی۔ مثلاً دن کی روشنی شام کیوقت دھندلی ہوجاتی ہے کیونکہ تاریکیٔ شب آفتاب کی محیط ہو جاتی ہے اگر اس تاریکی کو جو محیط ضیاء شمس ہے کوئی آنکھ نور سمجھے تو معلوم ہو جائے گا۔ کہ فطرت ناظرۂ مناظرِ قدرت اعتدال سے گری ہوئی ہی جو دوست نما دشمن کو دوست یا مرغوب کہتی ہے۔ اسی طرح وہ چشم بھی نقطۂ اعتدال سے بعید کہلائے گی جو اسوقت کو شب دیجور دکھلائے۔ محجوب زندہ کو مردہ تصور کرے۔

بعینہ یہی حالت فضائے روحانی میں بھی نظر آتی ہے۔ ہدایت کرنیوالا ہدایت کرتا ہے۔ ہدایت سے ہدایت پانیوالے اور اس ہدایت کرنیوالے کی ہدایت کے تباہ کرنے کے منصوبے سوچنے والے بھی ہر وقت موجود ہوتے ہیں۔ تاریکی کا وجود دہر وقت موجود رہتا ہے۔ جسکو ضیائے شمس اپنے رنگ میں رنگنا چاہتی ہے۔ لیکن جب تک آفتاب کی ضیاباری اوج پر رہتی ہی۔ تاریکی اُجیالا دکھلائی پڑتی ہی۔ ادھر آفتاب لب بام ہوا اُدھر تاریکی نے اپنے وجود کا سبق دینا شروع کیا۔ اگر ماہتاب اور ستارے اسوقت نظر آئیں تو اس تاریکی میں جو نور آفتاب کی محیط ہو کر روشن

ناوہمن یعنی شام کے دعووں کے لئے بمب کا گولہ بنجائے گا۔ یہی کیفیت خداوند عالم نے کلام مجید میں بیان فرمائی ہے۔ انا زینا السماء الدنیا بزینۃ ن الکواکب و حفظا من کل شیطان مارد (والصفت) ہم نے سمار (دنیا) یا رفعت و فضیلت دنیاوی کو کواکب کے ساتھ زینت دی ہے۔ اور وہ محافظ ہیں (اس سما یا رفعت کے)، ہر ایک شیطان سے جو اس طرف کا ارادہ کرنے والا ہے یعنی ہر ایک شیطان کے دعوے قرابت کو غلط ثابت کرنے، اور درجات رفعت کی اصلیت ظاہر کرنے کے لئے خداوند عالم نے فضائے حیات میں کواکب کو سجایا ہے ان کی وجہ سے مصنوعی اور حقیقی قرابت مندوں میں تمیز ہو جاتی ہے

ایک دوسرے مقام پر اسی بیان کو اس طرح پر ارشاد فرمایا ہے۔

ولقد زینا السماء الدنیا بمصابیح وجعلنها رجوما للشیطین واعتدنا لھم عذاب السعیر (سورۃ الملک)، اور البتہ ہمنے رفعت دنیاوی کو روشنی کی جھلک سے زینت دی ہے۔ اور اس (رفعت دنیاوی) کو شیاطین کا آماجگاہ قرار دیا ہے۔ دراں حالیکہ ان کے لئے ہمنے آتشیں عذاب مہیا کیا۔

دنیاوی فضیلت اور بلندی کے دو ہی معیار ہوتے ہیں۔ ایک معیار نسلی دوسرا ہم نشینی یا مصاحبت مثلاً شاہی خاندان والے بادشاہ کے ہمجدی ہونے کے باعث دوسروں پر جو اس نسل سے نہیں ہوتے فوقیت جتلاتے ہیں۔ یا مصاحبین کا غیر مصاحبین سے زیادہ اعزاز کیا جاتا ہے۔ پس جس قدر قرابت قریب ہوگی اسی قدر دنیاوی اعتبار سے فضیلت بھی زیادہ ہوگی اسی طرح جسقدر ہم نشینی و مصاحبت کا زمانہ طویل ہوگا اسی قدر فیض کا اثر زیادہ تر ہوگا۔ اور فضیلت بڑھ جائے گی۔

اول الذکر یعنی نسلی امتیاز میں کسی طول طویل تحریر کی ضرورت نہیں۔ رہا دوسرا معاملہ اسمیں ذرا سے تامل و غور سے معاملہ صاف ہو جاتا ہے۔ یعنی بیٹا، داماد، شاگرد رشید اور قریبی رشتہ دار مصاحبت کے لحاظ سے زیادہ وقت تک ساتھ رہتے ہیں۔ خصوصاً بیٹا یا داماد جن سے پردہ نہیں ہوتا۔

خداوند عالم نے ان ہر دو آیات مذکورہ بالا میں یہی تذکرہ بیان فرمایا کہ دنیاوی اعتبار سے لوگ قرابت اور مصاحبت کو معیار فضیلت قرار دیتے ہیں۔ اس میں حقیقی فضیلت قرابت و مصاحبت ان میں سمجھو جو کوکب و مصباح کے مانند ہوں۔ اور دوسرے مدعیین کو شیاطین بتلایا۔ جو فریب دیکر اپنا مطلب نکالنا چاہتے ہیں پس "کوکب" و "مصباح" کی شناخت پر فضیلتِ دنیاوی کا انحصار ہو گیا۔

کوکب اس ستارے کو کہتے ہیں۔ جو خود درخشندہ ہو جسکو اصطلاح حال میں دوسرے شمسی نظاموں کا آفتاب تسلیم کیا جاتا ہے۔ کیونکہ حقیقت آفتاب پر آفتاب ہی دلالت کر سکتا ہے۔ اور کمالات آفتاب کو ظاہر کرنے والا آفتاب ہی ہو سکتا ہے نہ کہ ماہتاب۔ لہذا نسلی اعتبار سے وہ شخص اقرب و افضل قرار پائیگا۔ جو رشتہ میں نزدیک تر ہو۔

بعد ہی نمودار ہوتا ہے یعنی آفتاب کے ساتھ ساتھ رہتا ہے۔ آگے ہو یا پیچھے۔ جیسے زہرہ و عطارد۔ یا فانوس کے آویزے جو خود تو روشن نہیں ہوتے لیکن ضیاء آفتاب یا فانوس کی چمک سے جگمگا اٹھتے ہیں۔ زمانۂ حال کی تحقیقات نے صرف دو ہی قسم کے ستارے بتلائے ہیں (۱) وہ جو بذات خود روشن ہیں۔ ان کو آفتاب کہا گیا ہے (۲) جو ان شموس کے گرد چکر لگاتے ہیں اور اپنے اپنے شمس کی ضیاء سے منور ہو کر چمکتے ہیں ان کو سیارے کہا گیا ہے۔ سیاروں کی بھی دو قسمیں بتلائی گئی ہیں قسم اول میں وہ سیارے ہیں جو خود آفتاب کے گرد اپنے لواحقات کے ساتھ چکر لگاتے ہیں اور کسی دوسرے سیارے کے گرد چکر نہیں لگاتے۔ قسم دوم میں وہ تمام سیارے داخل ہیں جو کسی دوسرے سیارے کے گرد گھومتے ہیں اور اس کے ساتھ ساتھ آفتاب کے گرد دورہ کرتے ہیں پہلی قسم کے سیارے زمینیں اور دوسری قسم کے ماہتاب کہلاتے ہیں۔

اندرینصورت مصباح سے مصاحب یا ساتھی مراد ہے۔ ان مصاحبین میں افضل تر وہ ہوگا۔ جو ضیائے آفتاب کو اس کی اصلی نورانیت کے ساتھ زیادہ دکھلا سکے۔ آئینہ وہی بہتر ہوگا جو چہرہ کو زیادہ صفائی کے ساتھ اصلی حالت میں پیش کرے نہ کہ وہ جو چہرہ کو زیادہ لمبا یا چوڑا، یا تاریک ثابت کرے۔ لہذا مصاحب وہی افضل ہے جو حضوری میں رہتے ہوئے چمکے اور غیبت کے زمانے میں صاف و شفاف نظر آئے۔ نہ کہ وہ جو ان اوصاف کا دعوے کرے جس کا وہ مستحق نہیں۔ اور نہ ان صفات کا پرتو دکھلا سکتا ہے جو اس کے آقا مصاحب میں تھیں۔ یعنی اپنی حد سے تجاوز کرنے والا مصاحب حقیقی نہیں کہلاتا۔ بلکہ وہ فریبی ہے۔ سنہری جھول پھرنے سے گھٹیا دھاتیں سونے کی رنگت کی دکھلائی دیتی ہیں۔ سونا نہیں بنجاتیں ملمع اترا۔ اصلیت ظاہر ہوگئی۔ بادشاہ کا مصاحب بادشاہ نہیں ہوتا۔ اس کی حیات میں البتہ اس مصاحب کی قدر و منزلت ہوگی۔ اِدہر بادشاہ کی آنکھ بند ہوئی۔ اس کا اختیار جاتا رہا۔ لیکن مصاحب مصاحبت کی بنا پر مدعی تخت نہیں ہو سکتا۔ بلکہ وارث تخت بادشاہ کا قریبی رشتہ دار ہوگا۔

حکیم کا قول حکمت سے خالی نہیں ہوتا۔ اس تمثیل میں کسی آیندہ ہونیوالے واقعہ کی خبر تھی۔ کیونکہ دعوے قرآن یہی ہے۔ کہ مجھ میں تمہارا ہی ذکر بھرا پڑا ہے۔ اگر تم غور و تفکر سے کام لو تو تم کو معلوم ہو جائے گا۔ لقد انزلنا الیکم کتابًا فیہ ذکرکم افلا تعقلون۔ (سورہ انبیا) لہذا ان آیات الٰہی میں معیار حقیقت کا بیان ہمنا ظاہر کرتا ہے۔ کہ امت میں قرابت و مصاحبت کو باعث فضیلت قرار دیکر غیر اقربا کے مقابلہ میں بلند رتبہ و قرابت کا دعوے ہوگا۔ اور دیگر اقربا کے مقابلہ میں شرف صحبت معیار فضیلت قرار دیا جائے گا۔

قرآن کی صداقت نبی اسلام کی صداقت اُن آیندہ ہونیوالے واقعات کا وجود ہے جو قرآن میں مذکور ہوئے۔ اور پھر اسی طرح واقعہ ہوئے جسطرح کہ ان کا بیان ہوا۔

تاریخ کی کتابیں پڑھنے والے واقعات سے ناواقف نہیں۔ رسول اللہ کی رحلت کی خبر ملتی ہی مہاجرین

گنواتے ہیں۔ اور خود میراث رسول کے حقدار بنتے ہیں۔ حق مصاحبت جو انصار کا ذریعہ شرف ہی مہاجرین کو بھی حاصل ہو لیکن مہاجرین رسول اللہ کے ہمقوم بھی ہیں اپنی اس فضیلت کو پیش کر کے انصار کی زبان بند کر دیتے ہیں۔ میراث رسول کے وارث تسلیم ہوتے ہیں قرابت رسول کے دعویداروں کے سامنے جب یہی معیار اقربائے رسول پیش کرتے ہیں تو منظور نہیں ہوتا۔ مصاحبت کے کارنامے، تعلقات کے پہلو گنوائے جاتے ہیں شنوائی نہیں ہوتی

آیات قرآنی موجود ہیں تاریخی بیان موجود۔ مطابقت کرنا ہمارا کام ہے۔ خدا کا کام راہ دکھلانا اور ہمارا فرض اچھی راہ اختیار کرنا۔ وہ زبردستی سے ہمیں اچھی راہ نہیں چلاتا۔ ہماری پسند ہے جو راہ چاہیں اختیار کریں۔

اقربائے رسول کی شناخت کے بعد اصحاب رسول کی شناخت کا معیار بھی بتلا دیا۔ دکھلا دیا کہ اصحاب کسکو کہتے ہیں۔ تاریخ بتلاتی ہے۔ اخلاق کی کتابیں ظاہر کرتی ہیں دوست تین قسم کے ہوتے ہیں۔ پہلی قسم وہ ہے۔ جو اپنا دوست ہو۔ دوم وہ جو اپنے دوست کا دوست ہو۔ سوم وہ جو اپنے دشمن کا دشمن ہو وہ بھی اتحاد رائے کے باعث دوست شمار ہوتا ہے جس طرح سے دشمن کا دوست دشمن ہی گنا جاتا ہے۔ اگرچہ اس کی شخصیت سے نہ مخاصمہ ہوتا ہے نہ مجادلہ۔ تیسری قسم عرفی کہلاتی ہے اور پہلی دو معنوی۔ یا حقیقی۔ کیونکہ اصلی رغبت یا تنفر قلبی کا تعلق ان کے ساتھ ہوتا ہے۔ عرفی دوست یا دشمن کو طفیلی سمجھنا چاہیئے۔

علمائے دوست یا حقیقی دوست کی تعریف و شناخت میں بڑی بڑی تادیلیں تحریر کی ہیں ان تادیلوں اور تفسیروں کا لب لباب بلبل شیراز نے ایک رباعی میں بیان کیا ہے۔ رباعی

دوست مشمار انچہ در راحت زند ٭ لاف یاری و برادر خواندگی
دوست آں باشد کہ گیرد دست دوست ٭ در پریشاں حالی و در ماندگی

تاریخ کہتی ہے انسان کو اپنی اولاد سب سے زیادہ عزیز ہوتی ہے۔ اگرچہ وہ نالائق ہی ہو۔ اس سے محبت کرنے والے کو والدین عزیز سمجھتے اور اپنا دوست کہتے ہیں۔

ایک اور منظر پیش کر کے حقیقی و مصنوعی دوست کی شناخت کا فیصلہ ہماری رائے پر چھوڑ دیتی ہے۔ واقعات کے موتی سلک تحریر میں اس طرح نظر آتے ہیں۔" رسول اللہ کی رحلت ہوتی ہے۔ اصحاب رسول اس درماندہ حالت میں اپنی دوست کی اس کے اعزہ و اقربا کی امداد سے پہلو تہی کرتے ہیں۔ جنازہ تیسرے دن دفن ہوتا ہے۔ لیکن دوست ایسے غائب ہوئے کہ خبر بھی نہ لی جسم اقدس دفن بھی ہوا یا نہیں۔ اقربائے رسول کے ساتھ ہمدردی بھی انوکھے طریقہ سے دکھلائی۔ دنیا کا دستور ہے۔ ورثا میت کو متوفی کے احباب پرسا دینے آتے ہیں۔ اس سے غرض صرف اس قدر ہوتی ہے کہ ورثا کو تسلی و تشفی دیں تاکہ متوفی کے اذکار سے ورثا کے دل کی بھڑاس نکل جائے اتنی ہی ہمدردی سے ایک ڈھارس بندھ جاتی ہے۔ اور صبر کی ہمت ہو جاتی ہے۔ اصحاب رسول دختر رسول کو پرسا دینے آتے ہیں ایک جم غفیر ساتھ ہے۔ لکڑیوں کا گٹھا ہاتھ میں لٹکائے آگ لئے

دروازہ کا سہارا جل چکتا ہے۔ تو ٹھوکر سے دختر رسول پہ گرا دیا جاتا ہے۔ آہ اقربائے رسول کی پریشانی کیحالت
میں یہ نئی وضع کی امداد کی جاتی ہے۔ آہ۔ ہیچ کافر نہ کند انچہ مسلماں کردند۔

ایک دوسرا منظر اور بھی نظر آتا ہے۔ فرزند رسولؐ صحرائے لق و دق میں موجود ہے۔ نرغہ میں گھرا
ہوا ہے۔ دشمنوں نے دریا کے گھاٹ روک رکھے ہیں۔ عیال ساتھ ہیں عزیز و اقربا ساتھ ہیں۔ اپنے احباب
جلو دار بنے ہوئے ہیں۔ اپنے نانا کے اصحاب کا ایک دو بقیہ بھی موجود ہیں۔ پیری کے باعث پلکیں لٹک آئی
ہیں۔ رات کا وقت ہے۔ سب عزیز و اقارب و انصار کو فرزند رسولؐ طلب کرتا ہے اجازت دیتا ہے کہ بخوشی
خاطر اس میدان سے جس طرف ممکن ہو نکلجائیں۔ دشمنوں کو اگر سروکار ہے تو فرزند رسول سے۔ ان سے تعرض نہیں
فرزند رسول کے ہمراہ دو روز کی بھوک پیاس میں مبتلا ہیں۔ آقازادہ خود اجازت دیتا ہے۔ اپنی جان
بچاؤ۔ اگر ممکن ہو میرے عیال کو بھی ہمراہ لیجاؤ۔ مگر اصحاب ہوں تو ایسے ہوں دوستی کے نام کی لاج رکھ
لی۔ موت سامنے نظر آتی ہے۔ جان بچانے سے پرہیز ہے۔ اس پریشانی و مصیبت میں فرزند رسول کا
ساتھ نہ چھوڑا۔ اپنے جیتے جی اپنے محبوب کے فرزند پر آنچ نہ آنے دی۔ اس امام وقت کے ہمراہی بنکر
ایسا چمکے کہ خود مشعل ہدایت بن گئے۔ اپنے صاحب کی نورانیت کا جلوہ دکھلا کر مصابیح ہدایت بن گئے
آنے والوں کے لئے سر راہ منارے قائم کر گئے۔ اور ایسی حد فاصل ہے کہ دیکھنے والا ایک نظر میں رسولؐ
کے سچے اور جھوٹے دوستوں میں تمیز کرے۔ اے کربلا والو! خدا تم پر اپنی رحمتیں نازل کرے۔ بابی انتم
وامی لقد فزتم فوزاً عظیما۔

اسی توصیف کے ساتھ مکاشفہ میں ان کا ذکر موجود ہے۔ ان کی تعداد موجود ہے ان کا مقصد
موجود ہے جس شہر علوم کے گرد اپنے خون سے گارا بنا کر انہوں نے فصیل قائم کی۔ کیا وہ ان کی سعی سے
بیخبر تھا یا ان جان دینے والوں کے ساتھ ہمدردی رکھنے والوں سے ناواقف تھا۔ لاواللہ ہرگز نہیں
جو دشمنوں کو جانتا ہے وہ دوستوں کو پہچانتا ہے۔ اس لئے پیشتر ہی کہدیا۔ انی تارک فیکم الثقلین
کتاب اللہ وعترتی اهل بیتی فما ان تمسکتم بهما لن تضلوا بعدی حتی یردا علی الحوض
خالی تمسک بالقرآن گمراہی سے نہیں بچاتا۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ حسبنا کتاب اللہ پر عمل کریں۔ آل رسول پر ستم
توڑیں اور رسول اللہ سے حوض پر ملنے کی امید بھی رکھیں۔ حوض رسولؐ دوستوں کے لئے ہے دشمنان
رسولؐ کے لئے حوض کے بدلے ہاویہ ہوگا

اس سے قبل مکاشفہ سے دو قوموں کا یا دو سلسلوں کا پتہ چلا جس میں سے ایک سلسلہ کی علامات
شناخت مذکور ہو چکیں۔ اب دوسرے سلسلہ کا حال بیان ہوتا ہے۔ جو جوجوہ کا سلسلہ ظاہر کیا گیا ہے۔ اسکے
متعلق مکاشفہ میں اس طرح سلسلہ شروع ہوا۔

زمانہ حضرت داؤد علیہ السلام سے یروشلم شریعت کا گھر تھا۔ احکامات شریعت کی تعمیل اسی شہر میں کیجاتی تھی یعنی یہ شہر مجسمۂ شریعت موسوی قرار پاچکا تہا۔ اسی مناسبت سے نیا یروشلم نئی شریعت کہلائے گا
زمانہ کا رواج ہے دُلہن کو ہمیشہ بہترین آرایش سے سنگار رتے ہیں۔ تاکہ حسن خداداد میں مشاطگی چار چاند پیدا کرے۔ شوہر دل سے اسپر فریفتہ ہو۔ اس حسن کامل کا جلوہ اس کے جذب قلب کا سبب بنے۔

لہذا یہ نئی شریعت، شریعت کاملہ قرار پائی اس کے آراستہ کرنے والے مشاط کامل، اس کے معلم راسخون فی العلم، نہ شریعت میں نقص نہ معلموں میں خامی نہ ان کی تعلیم سے فیض پانے والوں میں کجی و ناہمواری۔

ہر ایک شہر کے متعدد دروازے ہوتے ہیں حفاظت کے لئے شہر پناہ بنائی جاتی ہے تاکہ شہر میں آنے والا مالک کی مرضی کے خلاف شہر میں نہ آئے۔ مقررہ راہ کے علاوہ دیوار پھاند کر شہر میں نہ گھسے ڈکیتوں کے خطرے سے شہر والے امن پائیں۔ دشمن کی پامالی سے رعایا محفوظ رہے۔ مکاشفہ ۲۱ آیہ ۱۷-۲۲ میں مذکور ہے۔ اس سنئے یروشلم کی شہر پناہ ہر طرف سے یکساں تھی۔ لہذا یہ شہر پناہ محافظ کامل تھی جسپر سے کسی دشمن کا عبور ناممکن تھا۔ عبارت مکاشفہ حسب ذیل ہے (اس فرشتہ نے جو یہ شہر آپ کو عالم رویا میں دکھلا رہا تھا۔"

"اور اس نے اس کی شہر پناہ کو آدمی کی یعنی فرشتہ کی پیمایش کے مطابق ناپا تو ۱۴۴ ہاتھ نکلی۔ اس کی شہر پناہ کی تعمیر یشب کی تھی۔ اور شہر ایسے خالص سونے کا تہا جو شفاف شیشے کی مانند ہو۔ اور اس شہر کے شہر پناہ کی بنیادیں ہر طرح کے جواہر سے آراستہ تہیں۔ پہلی بنیاد یشب کی۔ دوسری نیلم کی۔ تیسری شب چراغ کی چوتھی زمرد کی پانچویں عقیق کی چھٹی لعل کی۔ ساتویں سنہرے پتھر کی اٹھویں فیروزے کی نویں زبرجد کی۔ دسویں ہینی کی گیارہویں سنگ سنبلی کی۔ اور بارہویں یاقوت کی اور بارہ دروازے بارہ موتیوں کے تھے۔ ہر دروازہ ایک ایک موتی کا تہا اور شہر کی سڑک شفاف شیشے کی مانند خالص سونے کی تھی۔ اور میں نے اسمیں کوئی مقدس نہ دیکھا اس لئے کہ خداوند قادر مطلق اور برہ اس کا مقدس ہیں۔ پھر اس نے بلور کی طرح چمکتا ہوا آبحیات کا ایک دریا دکھایا جو خدا اور برے کے تخت سے نکلکر اس شہر کی سڑک کے بیچ میں بہتا تھا۔ اور دریا کے وارپار زندگی کا درخت تھا۔"

اس شہر پناہ کا غور کیساتھ معائنہ کیا تو معلوم ہوا کہ فرشتہ خصلت آدمیوں کے ۱۴۴ ہاتھ تہی یعنی وہ بنیان مرصوص جو اپنی جگہ سے نہ ہلی جس نے شیطانی مکروں، فریبوں، دغا بازیوں۔ راحت دنیا کے لہلہاتے ہوئے گلزاروں کے خیال کو اپنے تک نہ پھٹکنے دیا۔ وہ ۲، نفوس پاکیزہ کے ۱۴۴ ہاتھ تھے جنہوں نے سر دیدیا۔ جانیں نثار کر دیں بھوک پیاس کے صدمے سہے لیکن تعمیل احکام شریعت میں مرتے دم تک ڈٹے رہے۔ اپنے جیتے جی معلم شریعت، جگر بند رسول پر آنچ نہ آنے دی اپنی جان بازی سے حکم رسول کی اطاعت سے اور اپنے ایمان کامل کے ذریعہ سے وہ سچے اور حقیقی "انصار اللہ" بنے۔"

حضرت عیسی علیہ السلام نے اپنے حواریوں سے اکثر تبہ سوال کیا تھا۔ من انصاری الی اللہ۔ قال الحواریون نحن انصار اللہ۔ اس خدائی کام میں میرا ہاتھ بٹانے والا۔ میرا مددگار کون ہے؟ حواریوں نے جوابدیا۔ ہم اس

گھڑی پہونچی۔ سب بھاگ گئے۔ دوسرا دن کا گیا مگر خود شمعون پطرس نے صبح ہونے سے پہلے پہلے آنحضرت کی شاگردی سے انکار کیا حاکم وقت کی جمعیت شان وشوکت، ساز وسامان نے ایسا خوفزدہ کیا کہ اپنی جان بچانے کے لئے انکار کر بیٹھے"۔

ذرا اس کے مقابلہ میں انصار امام مظلوم کی جرأت، جان نثاری، ہمت، استقلال، وفا شعاری، سعادتمندی کریم النفسی، مودۃ اہلبیت رسول (مودۃ فی القربیٰ) شجاعت، عبادت، اشتیاق شہادت بھی دیکھیے تو معلوم ہوگا کہ جس مقام پر حواریان عیسیٰ علیہ السلام نہ ٹھہر سکے۔ اصحاب رسول اللہ نہ ٹھہر سکے بزکوہی کی طرح اچھلتے ہوئے بھاگے ویسی ہی مقام پر لاکھوں دشمنوں کے نیزہ و تیر وتفنگ کے سایہ میں نماز جماعت ادا کرتے ہیں۔ خون آشام شامی کے لشکر کے مقابلے کے لئے ایک ایک مجاہد تنہا نکلتا ہے۔ ہاتھ سے زبان سے قلب سے نصرت پنجتن کا اعلان کرتا ہوا شہر علم الہی کا محافظ اس کی شہر پناہ کا سنگ تعمیر بنجاتا ہے نہیں نہیں جز و شہر علم الہی قرار پاتا ہے۔ ناصر رسول ہو کر ناصر خدا ہو جاتا ہے شریعت کی صداقت پر ہر ایک نفس نے اپنی شہادت سے مہر ثبت کی۔ جوانوں یا بوڑھوں نے نہیں بلکہ نابالغ طفلوں نے بھی۔ اگر ایک کی شہادت شرعاً ناکافی ہوئی تو دو طفل اکٹھے ہو کر نکلے۔ اپنے پاؤں میں چلنے کی طاقت نہ ہوئی تو باپ کی گود میں سوار ہو کر دین الہی کی نصرت کی اپنے عمل سے اپنے فعل سے، اپنے استقلال سے انہوں نے دنیا کو دکھلا دیا کہ امام منصوص کی اطاعت، دین الہی کی حفاظت، فرزند رسولؐ کی نصرت میں جان دینا ایسی ابدی عزت و راحت ہے۔ جو جھوٹے قرابتمندوں، منافقوں اور اجماع یا قہر وغلبہ سے تخت سلطنتِ خلافت حاصل کرنیوالے کی اطاعت سے بدرجہا افضل تر ہے۔ ع الموت اولیٰ من رکوب العار ÷ والعار اولیٰ من دخول النار بے شرمی بیحیائی کی شاہانہ ٹھاٹھ کے ساتھ زندگی بسر کرنے سے موت ہی بہتر ہے۔ اور آتش دوزخ میں داخل ہونے سے بہتر کسی عار کا برداشت کرنا ہے۔

یہ محافظ یہ شہر پناہ معمولی اینٹ پتھر یا عوام الناس سے مرتب نہیں ہوئی بلکہ نہایت بیش قیمت جوہر الماس سے تعمیر ہوئی۔ جس کا کاٹنا مشکل جس کی ضیاء کو تاریک کرنا ناممکن۔ یہ جانباز غازی اپنے ہمعصروں میں وہی منزلت رکھتے ہیں جو مٹی، پتھر اینٹ وغیرہ میں الماس کو حاصل ہے۔ غور کرنیوالے کے لئے ان کی تعلیم اندھیر نگری میں مشعل ہدایت سے کم نہیں، پیشتر مذکور ہوا شناخت اولیاء اللہ یہ ہے کہ وہ آرزوئے مرگ کریں۔ اعدائے الٰہی کے سامنے سیسہ پلائی ہوئی دیوار کے مانند مستحکم ہو جائیں اپنے کارنامہ کی بدولت وہ اولیاء اللہ بنے۔ اور اطاعت رسول کرتے ہوئے رسالت کی تاسی نے ان کو محبوب الہی بنا دیا اولیاء اللہ یا محبوب اللہ کا توازن غیر اولیاء اللہ سے یا مغضوبان الہی سے ایسا ہی ہے جیسا کہ ہیرے کا مقابلہ پتھر یا کوڑی سے۔

وہ شہر جس کی حفاظت اس شہر پناہ نے کی معمولی درجہ کا شہر نہیں تھا وہ صاف وشفاف سونے یا کندن کا بنا ہوا تھا۔ شہر پناہ کی دیواریں جواہرات سے تعمیر کی گئی تھیں۔

اسفار قدیمہ میں سونے سے مراد مقدس علوم ہیں اور بعض اوقات مقدس خود علم معرفت ہے اور مقدس علم معرفت الہی ہے پس یہ شہر کمال معرفت الہی کا شہر تھا۔ لہذا محافظ عارف تھے۔ ہدایت کا سرچشمہ بنے۔ عارف وجاہل میں آسمان وزمین کا فرق ہے۔ عارف ہادی بنتا ہے۔ جاہل گمراہ کرنیوالا۔ عارف نزول رحمت الہی کا مقام بنتا ہے اور جاہل

استعاذہ کیا جاتا ہے۔ خدا سے پناہ طلب کیجاتی ہے۔ اهدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیهم غیر المغضوب علیهم
ولا الضالین کہکر ان عارفوں کے طریق مستقیم پر چلنے کی توفیق مطلوب ہوتی ہے جو نعمات الٰہی بیپاسر ور و موفور ہیں رحمت
الٰہی کا گھر بنے ہوئے ہیں جن کا بنایا ہوا راستہ صراط مستقیم کہلاتا ہے۔ اور ان لوگوں کے راستوں یا طریقوں سے بیزاری
مقصود ہوتی ہے جنپر خدا کا غضب نازل ہوتا ہے اور جو گمراہ کرنیوالے ہیں یعنی عارفوں کا طریقہ رحمت الٰہی سے ملاتی
کرتا ہے۔ اور جاہلوں کا راستہ گمراہ بنا کر غضب الٰہی میں گرفتار کرتا ہے۔

ذرا گہری نظر سے دیکھیں تو نعمات الٰہی اس کی رحمت معلوم ہوں گی۔ خداوند عالم کی رحمت نعمتوں کی
صورتیں میں اس کی مخلوقات پر نازل ہوتی ہے۔ لہذا انھیں اجزائے رحمت یا رحمت کی مختلف شکلیں قرار پائیں
خداوند عالم اپنے رسول سے ارشاد فرماتا ہے وما ارسلناک الا رحمۃ للعلمین۔ اے ہمارے رسول
ہمنے تو تجھے تمام مخلوقات کے لئے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔ بفرمان الٰہی رسول رحمت الٰہی ہے تو رسول کی مختلف
صورتیں بھی ضرور ہوں گی جن میں یہ رحمت ظاہر ہوئی۔ اور خدا کی نعمت کہلائی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ
وسلم انسان تھے یعنی رحمت کو خلعت انسانی پہنا کر اللہ تعالیٰ نے دنیا میں بھیجا تو ضرور ہے کہ نعمات الٰہی جو رحمت
کی ظاہری صورتیں ہیں جامۂ انسانی میں ہی دنیا میں آئیں لیکن رحمت مجسم کے اجزا اسکے انسانی وجود کے ٹکڑے ہی
ہو سکتے ہیں جنمیں انسان کی بقا ہوتی ہے لہذا نسل رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وہ صورتیں قرار پائیں
جنمیں یہ رحمت مخلوقات پر نازل ہوئی یہی نعمات الٰہی ہوئیں۔

ان نعمات الٰہی کی حفاظت، رعایت، عزت، احترام، خدمت بندگان الٰہی پر فرض ہوئی۔ احسان
کا بدلہ "احسان" ہوتا ہے "کفران" نہیں ہوتا۔ وہ طریقہ اور سیدھا راستہ جو کربلائی ۲، نفوس نے نعمت الٰہی کے
شکریہ کے ادا کرنے کا قائم کیا۔ اپنی نظیر نہیں رکھتا۔ انھوں نے عملاً ثابت کر کے دکھلا دیا کہ وہ لوگ جنپر انعام
الٰہی ہوا جو رحمت الٰہی کے مورد اور جنت کے وارث ہیں "ہم ہیں" ہمارے طریقہ پر عمل کرو تم بھی اسی انعام
کے حقدار ہو جاؤ گے۔ اور اگر تم ہمارے مخالفین کی روش اختیار کرو گے۔ نعمات الٰہی کا شکریہ ادا کرنے کی بجائے
مقام نزول رحمت یعنی خانۂ ظہور نعمات الٰہی کو آگ لگاؤ۔ تلواروں سے تیروں سے نیزوں سے گرزوں سے اس
گھر کو گراؤ تو رحمت سے دور ہو جاؤ گے غضب الٰہی میں گرفتار ہو جاؤ گے۔ ہدایت سے پھر کر گمراہ کہلاؤ گے۔

مکان کی مضبوطی دیواروں کے ساتھ ہے۔ اور دیواروں کا استحکام بنیاد کی خوبی پر۔ اسی طرح معرفت
کا کمال، ایمان کے استحکام کا باعث ہوتا ہے اور معرفت کا حصول علم پر منحصر ہے۔ لہذا مومن وہ ہے جو عارف معلم یا امام ہو
نہ کہ وہ جو اس سے جاہل ہو۔ اور شریعت وہ علم، قانون یا طریقہ ہے جسپر عارف عمل کرتے ہیں۔

پس بیان مکاشفہ کے مطابق شریعت، شہر معرفت الٰہی، محافظان شریعت، عارفان حدود الٰہی معلمان شریعت
بنیاد شہر پناہ ثابت ہوئے یعنی اس نحو پر وسلم یا شریعت کے لئے ایک رسول ۱۲، امام اور ۲، عارف و شاہد تھے۔

(۱) یشب یا یشم جسکو فارسی میں شب چراغ و انگریزی میں جسپر (Jaspar) کہتے ہیں۔ ہیرے (الماس) کی قسم کے جواہرات میں سے ہے۔ بعض کا رنگ سبز کاہی ہوتا ہے۔ قدیم یشب یا یشم روشن ہوتا ہوگا۔ زمانہ حال میں یہ ایسا روشن نہیں ہوتا۔ بلکہ دُھندلا سا ہوتا ہے۔ اس سے خیال پیدا ہوتا ہے کہ یشم زمانۂ حال کے نہایت ہی کمیاب سبزی مائل ہیرے کا نام ہے۔ اس کے ذرّے مثمّن متساوی الاضلاع کی صورت میں منجمد ہوتے ہیں جس کے باعث اس میں چوبیس زاویہ پیدا ہو جاتے ہیں۔ اور ایک دوہرے مینار کی صورت بنجاتی ہے۔"

یہ پہلی بنیاد کا تذکرہ ہے جس کو ہر قسم کے صدمات سے سابقہ پڑتا ہے۔ الماس اپنی سختی اور خوبصورتی میں بے نظیر ہوتا ہے۔ لہذا پہلی بنیاد نہ صرف مضبوطی میں بلکہ نورانیت میں بھی لاجواب ہوئی۔

خاکہ الماس

خاکہ مینار

خاکہ مینار اور خاکۂ الماس پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مثمّن مخروطی دوہرا مربّع مینار ہے۔ جس کا ہر ایک نصف دوسرے نصف کے مساوی میناری شکل پیدا کرے گا۔ اور ایک جزو دیگر دوسرے کا دھوکہ ہوگا۔ یعنی ان میں سے ہر ایک جزو دوسرے جزو کا نفس کہلائے گا۔
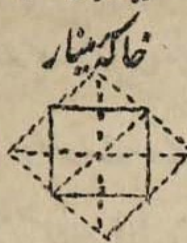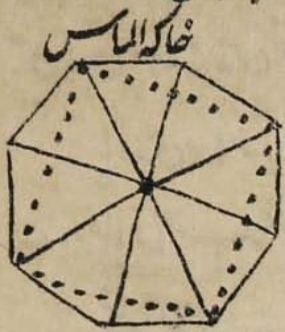
یا دوسرے طریقہ سے یوں سمجھنا چاہئے کہ مربّع کے قاعدے کے زاویہ مساوی ہوتے ہیں ہر ایک زاویہ ۹۰ درجہ کا۔ اگر اس مربّع کو اس کے مرکز پر اس طرح گھمادیں کہ مربّع کے زاوے پہلے مقام سے ۴۵ درجہ آگے یا پیچھے ہو جاویں تو مربّع کے پہلے اور دوسرے مقام سے شکل مثمّن پیدا ہو جائے گی۔ مربّع وہی ہے صرف زاویوں کی جگہ بدل گئی۔ یعنی مینار کا مقصد ہدایت ہے۔ رسالت بھی ہدایت ہے۔ اور خلافت بھی۔ رسول بھی امام اور نائب رسول بھی۔ رسول اپنے نائبوں کے لئے اور نائب رسول اُمّت کے لئے۔

مینار کی چوٹی کو مرکز قرار دیکر اس کے قاعدے کو ۴۵ درجہ گھمائیں تو الماس کی صورت ظاہر ہو جائے گی (خاکہ مینار ملاحظہ ہو) یعنی پہلی شکل دوسری شکل کا نفس ہوگی۔ یا دوسرے الفاظ میں نبوّت صورت ظاہری ہدایت اور خلافت روح ہدایت جسم پہلے تیار ہوتا ہے۔ روح بعد میں نفخ ہوتی ہے۔ لہذا نفس رسول کے ہوتے ہوئے اگرچہ رسول نہ ہو۔ مدعائے رسالت کی تکمیل نفس رسول سے وابستہ ہوگی۔

الماس علامت مخصوص جناب امیر علیہ السلام ہے جو بحکم آیہ مباہلہ نفس رسول مقبول قرار پائے جو کام رسول اللہ سے رہگیا وہ نفس رسول اللہ نے انجام دیا۔ مثلاً حکم الٰہی ہے۔ یا ایھا النبی جاھد الکفار والمنفقین واغلظ علیھم رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے کفار سے جہاد کیا۔ اون پر سختی بھی کی لیکن منافقین سے قولی جہاد کے سوائے اور کچھ نہیں کیا۔ حالانکہ آیہ کے مطابق دونوں سے جہاد کا حکم ہے۔ جناب امیر علیہ السلام نے منافقین سے جہاد کرکے فرضِ رسالت کو پورا کر دیا اور

اسی طرح تبلیغ سورہ برارت کے وقت آنحضرت قائمقام رسول مقبول قرار پائے کیونکہ تبلیغ قرآن رسول کر سکتا ہو یا وہ جس پر رجلٌ منی صادق آئے۔

علاوہ نورانیت کے یشب سخت ترین وقتال ترین معدنیات ہے۔ نہ کبھی اپنی صورت بدلتا ہے اور نہ خاصیت۔ جناب امیر علیہ السلام نہ صرف عالم علم رسول ہی تھے۔ بلکہ ایمان مجسّم اور قاتل الکفرۃ والفجرہ اپنے اوصاف کے باعث الماس سب جواہرات سے برتر و اعلیٰ ہے۔ برتر و اعلیٰ ہی "بلند تر ہوتا ہے۔ اسم مبارک "علیؑ" خود بخود روشن ہو۔

(۲) نیلم کی "نیلم علامت وفا ہے۔ قدیم نیلم سنگ اسمانجوئی زمانہ حال ہو۔ یہ ایک معدنی شئ ہے جو اسمانی رنگ کی شعاعوں کی وجہ سے بڑی قیمتی خیال کیجاتی ہے۔ اس میں خاکستر طلا کے ذرّے چھڑکے ہوئے نظر آتے ہیں۔ نیلاہٹ میں سنہرے ذرّوں کی چمک آسمان کے ستاروں کا سماں یاد دلاتی ہے۔ اس کے ذرّے بھی بارہ اضلاع میں منجمد ہوتے ہیں۔ نیلا رنگ علامت وفا ہے۔ اور سنہری جھلک علامتِ ہدایت ہے"۔

پادری صاحب موصوف کے بیان سے ثابت ہے کہ نیلم اخلاقِ حسنہ اور ہدایت خلق کی علامت ہے۔ اخلاق حسنہ خُلق حسنؑ پر دال ہو۔ جو ائمہ اثناعشر علیہم السلام سے دوسرے امام ہیں۔

نیلم الماس سے دوسرے درجہ پر سخت ہوتا ہے۔ سختی بردباری وجفاکشی کی علامت ہو۔

گہرا سبز رنگ نیلے رنگ میں زرد رنگ ملانے سے بنتا ہے۔ نیلم میں دونوں رنگ موجود ہیں۔ سبز رنگ آنحضرت علیہ السلام سے منسوب ہے۔

(۳) شب چراغ کی۔ شب چراغ یشب کی خاص قسم ہوتی ہے۔ تاریکی میں اس کی شعاعیں روشنی دیتی ہیں۔ یہ علامت اطاعت و فرمانبرداری ہو۔

شب چراغ وہ خاص قسم کا الماس ہو جو تاریکی میں روشنی دیتا ہے اسمیں جلوۂ نور پرتو فگن ہوتا ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ "سراجاً منیرًا" روشن چراغ تھے۔ ایسے زمانے میں آپ نے تعلیم دینا شروع کیا جبکہ ظلمت کفر و شرک دنیا پہ چھائی ہوئی تھی۔ تعلیم پھیلی۔ ظلمت دور ہوئی۔ خدا کی وحدانیت اور متابعت رسول کے زبانی اقرار ہوئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آنکھ بند ہوتے ہی تمام وعدے کُل اقرار بھول بھلیاں ہو گئے۔ لوگ اپنے پچھلے پاؤں پھرنے لگے۔ خلفائے رسول نے حقیقت جتلا کر رسول کے اقوال یاد دلا کر دلائل سے بتلا کر راہ راست پر لانا چاہا لیکن رسول کو رسول برحق سمجھا ہوتا تو شنوا ہوتے وہ تو یہی سمجھے ہوئے تھے کہ یہ سب حصول شاہی کے کھیل تھے کہاں کی رسالت اور کیسی مودۃ قربیٰ جس کی لاٹھی اسکی بھینس۔ علی الاعلان ان خیالات کا اظہار کرنا اپنے پاؤں پر کلہاڑی چلانا تھا۔ لہٰذا ایسی ایسی مثالیں پیش کر کے جن سے رسولؐ و آل رسولؐ کی توہین ہو۔ اور ایسی ایسی تجاویز دستور العمل بنا کر جس سے خاندان رسالت تباہ وبرباد ہو جائے۔ ایک تحریک چھوڑ گئے۔ ایک تعلیم دے گئے جس نے مخالفت رسول [illegible]

درارت کا نائب بنا دیا۔ ہزاروں کو نجات سخت لوان سے جلوا دیا۔ انتخاب رسول کی تعذیر و تکفیر کا حکم جاری کرا دیا
بدکار نابکار۔ بدشعار۔ فساق و فجار کو عمال بنوا کر دیار و امصار میں بھجوا دیا ان کے افعال و اقوال نے عوام کالانعام
میں رسول و آل رسول کی کیا وقعت رہنے دینی تھی۔ کچھ لوگ رسول اللہ کی آنکھیں دیکھے ہوئے تھے۔ اس روش
سے گھبرائے اپنی پہلی غلطی پر پچھتائے۔ جن ہاتھوں خلعت خلافت عطا کی تھی اونھی سے اوتار لی اور یہی خلعت آل رسول
کی خدمت میں پیش کی۔ یہ استقرار حق کے داعی ادھر اہل بیت رسول سے رجوع لائے اودھر دشمنان اہل بیت
رسول نے علم مخالفت بلند کیا۔ وہ یہ سمجھے ہوئے تھے حکومت و کتاب جمہور کا مال ہے رسول کی بادشاہی پہلے ایک نہج پہ تقسیم
ہوئی۔ اب ایک فریق نے ہمارے بنائے ہوئے خلیفہ کو معزول کیا ہم انکے بنائے ہوئے خلیفہ کو معزول کر سکتے ہیں۔
اور موقع پاکر ایسا کر گذرے۔

اس واقعہ نے رہی سہی وقعت آل رسول بھی نظروں میں کم کر دی۔ رسالت کی قدر اور آل رسول کی عزت کا
اندازہ اسی سے ہو سکتا ہے کہ امام حسن علیہ السلام کو مخالفوں نے تو چھوڑا ہی تھا غیروں سے کیا توقع ہو سکتی تھی جب
کہ اپنے عزیز زر کی کشش سے آنحضرت کا ساتھ چھوڑ کر دشمن سے مل گئے۔
آل رسول کے لئے اس وقت یہی بہتر تھا کہ رہی سہی جمعیت کو تفرقہ سے بچائیں خونریزی و تباہی سے نجات دلائیں
اور نیابت کریں کہ یہ حکومت جس کو تم نیابت رسالت سمجھے ہوئے ہو تمہیں مبارک۔ ہم تعلیم رسول کے نشر کرنیوالے ہیں شاہی
کا حصول ہمارا مدعا نہیں تبلیغ احکام شریعت اور اس پر عمل درآمد چاہتے ہیں شریعت کے احکامات یہ ہیں جو اس معاہدے
میں تحریر ہیں تم اس پر عمل کرو عمل کراؤ اور تاج شاہی سنبھالو۔
ابن رسول اللہ نے گوشہ نشینی اختیار کرکے ان کے عقاید کی اصلاح کی کوشش کی معاہدے کی شرائط کی
پابندی عائد کرکے ان کو جگانا چاہا۔ لیکن تعلیم مخالف دلوں میں گھر کر چکی تھی جن کی محبت خدا نے فرض قرار دی جن کی تعظیم
و تکریم کو باعث فلاح اُخروی گردانا ان پر علی الاعلان مسجدوں میں بازاروں میں۔ گلیوں میں دربار میں جمعہ و جماعت
میں گوشۂ تنہائی میں سب و شتم کرنا علامت تقرب قرار پایا یہاں تک کہ جوان بوڑھے ہو گئے اور بوڑھے اسی سنت کی تعمیل
کرتے عدم آباد جا پہونچے۔ قتل و غارت کے بازار گرم ہو گئے ولائے اہل بیت جرم گردن زدنی تھا۔ مخالفت آل رسول
مال دنیا کی ٹکسال تھی جس وقت ظاہر کی گئی سونے کی جھڑی لگ گئی۔
فرزند رسول زہر ہلاہل کا نشانہ بنا۔ اس اندھیر کا کیا کہنا۔ مخالفت کا بیج کشت قلب میں بویا گیا سطح قلب سے زبان پر پھیلا
اقوال کی صورت میں نمودار ہوا بڑھا پھولا پھلا اب افعال کے ثمر آ گئے۔
اعلان نبوت سے رسول اللہ کی مخالفت شروع ہوئی بائیکاٹ ہوا قتل کی کوشش ہوئی دشنام دہی جاری ہوئی
آل رسول پر یہی واقعہ گذر رہا تھا۔ درجات امتحان ترقی میں سوائے قتل کے کوئی جگہ باقی نہ رہی تھی جس کو رسول اللہ صلی اللہ
علیہ والہ وسلم ... نہ کر سکے ... قول کی تصدیق آنحضرت نے مدنی نہیں کی۔

رسول اللہ اور دوستم کی شہادت۔ اور مختلف شکلوں میں اس کا ظہور ممکن۔ گلا گھونٹ کر تلوار چلا کر زہر کھلا کر بھوکا پیاسا رکھ کر قیدی بنا کر گھر میں زہر کھلا کر۔ دربار میں بلا کر۔ سجدۂ خالق میں۔ میدان دعا میں۔ مجلس وعظ میں۔ محفل اکل وشرب میں۔ بیشمار ذریعوں سے شہادت ہو سکتی تھی۔ ان میں سے رسول اللہ کو ایک ہی ملتی اگر آپ شہید ہو جاتے الولد سر لابیہ بیٹا باپ کا راز ہوتا ہے ہر انچہ پدر نتواند پسر تمام کند۔ باپ کی کمی بیٹا پوری کر سکتا ہے۔

ایک فرزند نے شہادت خفی سے نانا کی حقانیت پر مہر لگائی۔ لیکن ظلمت کی لہریں آسمان سے ٹکرا رہی تھیں ایسا واقعہ ان میں کب سکون پیدا کرتا۔ زندہ پر تو ظلم وستم ہوتے ہی رہے مردے پر تیر کی بارش زمانے کے رنگ اور تعلیم کے ڈھنگ کا پتہ دیتی ہے۔

حاشر دنیائے قدیم یعنی حضرت نوح علیہ السلام کے تذکرے میں معلوم ہو چکا ہے کہ ان کی امت نے بڑا زبردست فریب پھیلا دیا یعوق و یغوث و نسر کی متابعت اور ودّ و سواع کے احکام کی تعمیل۔ انہوں نے آپس میں فیصلہ کر لیا کہ نوح جو چاہے تعلیم دے پرواہ نہ کرو تم یعوق و یغوث و نسر کی سنت پر چلتے رہو نوح کو ستاؤ اس کی نسل قطع کر دو ممکن ہو تو اسے بھی قتل کر دو ودّ و سواع کا حکم سنو۔ ان کی اس مکاری سے نوح علیہ السلام کو نجات ملی لیکن نسل نوح علیہ السلام نہ بچ سکی۔

حاشر دنیائے جدید اپنے زمانے کے شیاطین کے منصوبوں سے محفوظ رہا لیکن نسل پر خوب ہاتھ صاف ہوئے سنت سنت کی ہر طرف پکار تھی اور لاشۂ فرزند رسول پر تیر برس رہے تھے۔

اس طغیانی کے وقت یہی مناسب تھا کہ رسول کے روحانی ملک اور دنیاوی بادشاہی میں ایسا فرق قائم کیا جائے کہ ایک طرف صداقت دعوے رسالت پر گواہی ہو جائے اور دوسری طرف اس بڑے مکر کا حال ظاہر ہو جائے جو منافقین نے کھیلنا چاہا۔ قرآنی شہادت موجود ہے۔ انهم یکیدون کیدا واکید کیدا فمهل الکفرین امهلهم رویدا یہ لوگ بڑا مکر کر رہے ہیں اور ہم بھی ان کے مکر کا جواب دینگے۔ اے ہمارے رسول تجھے ضرورت نہیں کہ ان کا بندوبست کرے ان کو تشہیر کرے بلکہ) تو ان کافروں کو مہلت دے جو چاہیں کریں اور اتنی ڈھیل دے کہ حالت اخفا سے نکل کر علی الاعلان) کفر ظاہر ہو جائے۔

ابتدائے عالم سے نبوت پر یہی شک ہوتا چلا آیا کہ حصول شاہی و تفوق کا ڈھکوسلہ ہے اس لئے ابنائے زمانہ حکومت کے حصول میں کوشش بلیغ کرتے اور نبیوں کا خون بہاتے رہے ان کی شہادت ان کی صداقت ادعا کا ثبوت بنتی رہی۔ رسول مقبول صلی اللہ علیہ والہ بھی آخر نبی ہی تھے آنحضرت پر شکوک کیوں کر نہ ہوتے نبوت کا زمانہ ختم ہو گیا شک کرنے والے موجود۔ صداقت نبوت پر گواہی کون دے یہ کون ظاہر کرے کہ وہ عبادت جو رسول نے تعلیم کی افضل عبادت ہے جان کی اس کے سامنے حقیقت نہیں روحانی بہبودی کے حصول کا اس سے بہتر کوئی ذریعہ نہیں کہ اطاعت رسول میں عبادت الٰہی میں جان چلی جائے۔ لیکن قدم پیچھے نہ ہٹے کیفیت نہ چھوٹے خود رسول اس پر گواہی دے یا وہ جو رسول سے ہو اور اسکی جان کے برابر عزیز ہو جس کی بقا یا حیات قول و فعل۔ رسول کا قول و فعل اور حیات و ممات کہلاوے حسین منی و انا من الحسین" کا قول صادق آئے جس پر رسول کو بھروسہ ہو۔ ایسے نفوس طیبہ جن پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ بھروسہ کر سکتے تھے جن میں تعلیم رسول کی

کیا اور انفسنا ابناءنا کسا کٹ آخر دنیاوی تیغ پر ٹھہرا دیا گیا۔ رسول اللہ کے مصائب کی شریک بیٹی باپ
کے اقوال اور امت کے طریق وسلوک کا اعلان کرتی ہوئی صدمۂ ستم برداشت کر کے دنیا سے سدھاری۔ امت نے
خیال نہ کیا۔ نفس رسُول نے سجدے میں سر دینے کے لئے اپنے قاتل کو خود جگایا شہادت پائی۔ امت کو خبر نہ ہوئی۔ سبط اکبر
رسول اللہ پر زخم کیا ممبر سے کھینچکر نیچے اتارا۔ زہر سے شہید کیا نعش پر تیروں کی بارش برسائی۔ پھر بھی بیداری نہ ہوئی ایک
حسین علیہ السلام ان چار صورتوں میں سے باقی رہ گئے تھے۔ ان کے قتل کی تجویز ہوئی۔ مدینۂ رسُول میں فرزند رسول کے
قتل کی کوشش ہوتی ہے یہ وہی شہر ہے جس کا چھوٹا بڑا ادب کے لئے سر جھکاتا تھا۔ لیکن اب ٹس سے مس بھی نہیں ہوتی
رسول کی وصیت یاد ہوتی تو اُٹھتے اور یاد کیوں نہ ہوتی وصیت تو بھلی چنگی یاد تھی لیکن تعلیم مخالف تعلیم رسول نے رنگ جمایا ہوا
تھا۔ بادشاہی کے حُصول کا ڈھنگ خیال کیا ہوا تھا۔ رسالت پر یقین نہ رہا تھا اس لئے اپنی جان کون دے۔ فرزند رسُول نے
اپنی عزلت گزینی سے ہزار یقین دلایا کہ بادشاہی کے حُصول کی طرف ہماری توجہ نہیں۔ ہم تو احکام شریعت کے معلّم ہیں لیکن
اعتبار کس طرح آئے دلوں پر مخالف کی تدبیریں پتھر کی لکیریں بن چکی تھیں۔ اُمت کو اپنے رسُول کی ہجر مٹی گوارا ہو فرزند رسول
مدینۂ رسُول میں اپنے قتل سے اپنے نانا کے نام کی تحقیر نہیں کرا سکتا مدینہ میں شہادت ہوتی۔ مخالف بڑے دھڑلّے سے کہتے
نانا کے تابعین کے بھروسہ پر حسینؑ نے مقابلہ کیا۔ فساد ہوا قتل ہو گیا۔ رسالت کی صداقت پر شہادت نہ ہوتی۔ فرزند رسول
مدینہ سے روانہ ہوتا ہے اپنے طرز عمل سے بزبان حال گویا ہے کہ یہ قوم جس کے کارن مجھے اپنے وطن سے بیوطن ہونا پڑا
حُرمت رسول کی وقعت سے ناواقف ہے وہ حقیقت رسالت کی مُنکر ہے۔ مدینہ سے مکّہ کی طرف رُخ کیا تاکہ یہ شبہ بھی نہ رہ
کہ یہ لوگ موحّد ہیں۔ شاید اسی پر اُمت کو احساس ہو اور ان کی تعلیم کی تقلید چھوڑیں ایّام حج میں مکّہ داخل ہوئے لیکن
رسالت کے دشمن سایہ کی طرح ساتھ ساتھ لگے ہوئے تھے حج کے دن قتل کا منصوبہ کیا ہوا تھا نہ حُرمت بیت اللہ کا خیال
نہ عزت احرام کا نہ وقعت شہر الحرام کا۔ آخر مکّہ سے کوچ کا ارادہ کیا۔ خیمہ و خرگاہ شہر سے باہر نصب ہوا پوشیدہ سفر نہیں تھا
علی الاعلان ڈنکے کی چوٹ بتلا دیا کہ اس تعلیم والے نہ مسلمان ہیں نہ موحّد۔ انہیں نہ رسول کا اعتبار ہے نہ خدا کا یقین۔
مجھ جیسے صلح پسند گوشہ نشین سے برسر پرخاش ہونا تمھارے عقاید کے خلاف ہے تم نے اب تک یہی سمجھا کہ رسُول نے حکومت
کی بنیاد قایم کرنے کے لئے نبوّت کا دعویٰ کیا اور اپنی متعدد وصیّتوں کی بنا پر اس حکومت کو اپنے اقربا میں محدود کرنا چاہا تمہارا
یہ خیال ہے کہ ہماری ابتدائی جدوجہد کا مقصد منافع دُنیاوی کا حصول تھا کیا میرے بھائی کا سلطنت سے دست بردار
ہو کر گوشہ نشین ہونا اور میرا صُلح دامن کی زندگی بسر کرنا اس امر کی کافی شہادت نہیں ہے کہ ہمیں دنیاوی حکومت سے مطلب
نہیں اب یزید جیسے فاسق و فاجر کی بیعت پر مجھکو مجبور کرنا تم کو ثابت نہیں کرتا کہ یہ تحریک ابتدا سے پولیٹیکل اور اسلام کو ہلاک
کرنے کے لئے ظہور میں آئی میرے نانا نے مجھ سے کہا ہے کہ بیت اللہ کی حُرمت ایک مینڈھے کے خون سے ضائع کیجائیگی
میں نہیں چاہتا کہ وہ مینڈھا میں بنوں۔ میں ایک مقصد کو لئے ہوئے موت کی وادی کی طرف جاتا ہوں اپنے اہل و عیال
اپنے ہمراہ اس لئے لیجاتا ہوں کہ میرے مقصد میں کامیابی ہو۔

میں حسینؑ سے ہوں۔ حسینؑ علیہ السلام فرزند رسول تھے نواسۂ رسول تھے آپ کا رسول اللہ سے ہونا ظاہر ہے لیکن انا من الحسین
ایک عجیب بات ہے بیٹا باپ سے ہوتا ہے باپ بیٹے سے نہیں ہوتا۔

اس اندھیر نگری چوپٹ راجا" عہد میں رسول اللہ، رسول اللہ متصور نہیں ہوتے تھے بلکہ قانون اجماع کے مطابق جمہوریت اسلام (بلکہ جمہوریت قریش یا عرب) کے پریزیڈنٹ کی حیثیت رکھتے تھے چنانچہ خود یزید کا شعر اس کے۔ اس کے اسلاف کے۔ اور اسکے ہم عصروں کے خیالات و عقائد کی ترجمانی کرتا ہے۔

لعبت ہاشم بالملک فلا ملک جاء ولا وحی نزل

اس ہاشمی نے بادشاہی کا کھیل بنایا ہوا تھا نہ فرشتہ آیا نہ وحی نازل ہوئی آخر اس نے تو زمانۂ رسول میں آنکھ کھولی ہی نہیں پھر اُسے کیسے یقین آگیا کہ یہ محض ڈھکوسلہ تھا! تاریخ بتلاتی ہے کہ ہر زمانے کے حالات اس وقت کے باشندوں کے طرزِ عمل سے معلوم ہو جاتے ہیں یزید نے بھی واقعات سنے۔ رسولؐ کے دعوے اور وصیت پر غور کی۔ اس زمانے کے لوگوں کے افعال پر تنقیدی نظر ڈالی جو اصحاب رسول کہلاتے تھے ایک طرف مودۃ فی القربیٰ کے احکام اور عزت و احترام والے کلام نظر آئے اور دوسری جانب انہی اقربائے رسول کے ساتھ اصحاب رسول کا طرفہ سلوک دکھلائی پڑا۔ آخر نبوتؐ کا منکر نہ ہوتا تو اور کیا ہوتا اس نے سمجھ لیا اگر نبی سچا ہوتا تو اس کے اصحاب اس کے اقوال کی تصدیق کرتے اور ان کی تعمیل پر فخر کرتے اُن کا ارشادِ رسول کی تعمیل سے پہلوتہی کرنا اور خانۂ دخترِ رسولؐ میں آگ لگانا اُس کی رائے میں تکذیب رسالت تھا۔
اُس نے منافقانہ روش اختیار نہیں کی بلکہ علی الاعلان نبوتؐ کا منکر ہوا۔

رسول کی بعثت کا مقصد ہدایت تھا ۲۳ سالہ محنت رائیگاں جاتی اگر رسول کی رسالت پر شہادت نہ گذرتی۔ اور ایسی زبردست شہادت جو اس بڑے گھرے مکر کو کھولدے۔ اس تمام تحریک کو طشت از بام کر دیوے اور اس تحریک کو جو آغاز نبوت سے ظاہر ہوتی رہی تھی ہمیشہ کے لئے اچھی طرح بٹھا دیوے اور نہ صرف اسی وقت بلکہ آئندہ بھی ضرورت کے وقت اپنی قربانی پیش کر کے حقیقت و صداقتِ رسالت کو قایم رکھے۔

وہ بڑی سی بڑی قربانی ہی سبطِ اصغر امام حسین علیہ السلام کا منصوبہ تھا۔ کہ ایک صحرائے لق و دق میں اپنے عزیز و اقارب یار و انصار بچے جوان اور بوڑھے کو نہایت غربت کی صورت میں قربان کرے جہاں پر سلطنت جمانے کا خیال کسی کے ذہن میں نہ آئے۔ اس شہادت کے بعد وہ بھروسہ کے نفوس جن کو ہمراہ لیا تھا اسیر ہو کر دربدری کی حالت میں دشمنوں کے منصوبوں کی قلعی کھولنے میں معاون ہوں۔ اور یہ ظلمتِ کفر کی تحریک مستاصل ہو۔

امام علیہ السلام کا منصوبہ پورا ہوا۔ دشتِ غربت میں شہید ہو کر چھ مہینہ کا شیر خوار علی اصغرؑ آٹھ نو سال کے عمر والے بھانجے عونؑ و محمدؑ۔ تیرہ چودہ سالہ بھتیجا قاسم بن حسنؑ۔ اٹھارہ برس کا جوان ہم شبیہ پیغمبر علی اکبرؑ۔ عباسؑ سا کڑیل جوان بھائی علمبردار ماہ بنی ہاشم۔ مسلم بن عوسجہ صحابی رسول سا متبرک نفس ۱۱۵ سالہ سن اسیی اسیی کل ۷۲ قربانیاں پیش کرنیکے بعد سجدۂ خالق میں تین دن کی بھوک پیاس کے ساتھ شہادت گوارا کر کے ثابت کر دیا کہ کوئی صاحب عقل و تمیز ایسا نہیں

وہی کرسکتا ہے جس کو اپنی صداقت۔ رسالت کی صداقت اور خدائی وعدوں کی صداقت کا یقین کامل ہو امام حسینؑ علیہ السلام کے اسی مقصد اور غایت شہادت کی نسبت خواجہ اجمیریؒ فرماتے ہیں ؎

شاہ است حسینؑ بادشاہ است حسینؑ — دین است حسینؑ دیں پناہ است حسینؑ
سر داد نداد دست در دست یزید — حقا کہ بنائے لا الہ است حسینؑ

حسینؑ بادشاہ بلکہ شاہنشاہ ہے۔ دین (اسلام) حسینؑ ہی تو ہے جس نے دین کی دستگیری کی۔ حسینؑ تاجدار بادشاہ نہیں بلکہ ایسا بادشاہ ہے۔ جس نے سر دیدیا لیکن یزید (خلیفۂ اجماعی و نصّی و قہر و غلبہ والے) کی بیعت نہیں کی خدا کی قسم بنائے کلمہ لا الٰہ الا اللہ حسینؑ ہی ہے۔ یعنی اگر حسینؑ علیہ السلام اسلام کے لئے جان نہ دیتے اور منافقین کی تحریک کی قلعی کھولتے تو اس وقت مسلمانوں کا وجود ہی نہ ہوتا)

امام حسین علیہ السلام کی ذات والا صفات الہٰیہ شب چراغ ہدایت ہے جس نے ظلمت کفر و نفاق کے پرخچے اڑا دیئے اور رسالت کی صداقت پر مُہر لگادی آپ کے ۲، رفقا آپ کے دعوے کے شاہدین کرامامت حقہ آنحضرت کے کے مصدق ہوئے۔ لہذا نبوت و امامت دونو منافقانہ و مشرکانہ حملوں سے محفوظ ہو گئیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ بانی اسلام تھے امام حسینؑ مجسم اسلام اور ناصران حسینؑ علیہ السلام معاونین اسلام بانی اسلام و دین اسلام کے درمیان کامل الایمان کا سلسلہ موجود ہے۔

لہذا رسول تک وہی پہونچ سکتا ہے جو اسلام میں آئے اور ایمان حاصل کرے۔ حسینؑ علیہ السلام کا دشمن اسلام کا دشمن اور ایمان کا دشمن ہے رسول تک نہیں پہونچ سکتا۔ خدا سے ملنا تو اور بھی ٹیڑھی کھیر ہے۔

خلاف پیمبر کسے رہ گزید — کہ ہرگز بمنزل نخواہد رسید (سعدی)

شہادت حسینی نے نہ صرف یزید کی خلافت کو غلط ثابت کیا اور اس کے طریقہ و اطوار کو مردود و مذموم بلکہ اس قاعدے اور قانون کی قلعی کھولدی جس کے باعث یزید کے قدم تخت خلافت تک پہونچے۔ بقول شاعر

خشت اول چوں نہد معمار کج — تا ثریا میرود دیوار کج

اگر معمار پہلی اینٹ عمارت میں ٹیڑھی لگائے تو اس کجی کا سلسلہ ترقی ہی کرتا رہیگا۔ چاہے دیوار کو ثریا تک لیجادیں اس کی کجی نہیں جاسکتی۔ بلکہ زیادہ تر روشن نظر آئیگی۔ اس لئے کہ معیار اس جگہ موجود ہے۔ ثریا کے آویزے غلطی فاش کئے دیتے ہیں۔

اسی طرح قانون اجماع جسکے باعث یزید تخت نشین ہوا پہلی غلطی تھی۔ دیواریں بلند ہوئیں۔ اساس غلط تھا دیواریں کج اٹھیں یزید کا حسینؑ علیہ السلام سے برسر پرخاش ہونا اور آنحضرتؐ کا شہید ہونا تھا کہ قاعدے کی غلطی ظاہر ہوگئی قاتل اور اس کے اسلاف کی حقیقت روشن ہوگئی کذب و صدق ظاہر ہوگیا۔ واذا تولّٰی سعی فی الارض لیفسد فیھا ویھلک الحرث والنسل کی تفسیر معلوم ہوگئی۔

بیّن شہادت ہے جس سے انکار نہیں ہو سکتا وہ مُفسِد کون تھا جس نے والی (حاکم) ہو کر ایسا فساد پھیلایا کہ اس فساد کا آخری نتیجہ تباہیِ نسلِ رسُول و زراعتِ رسُول کی شکل میں ظاہر ہوا! کلام مجید سے پتہ لگتا ہے کہ وہ الدّ الخصام ؎ تنازعات کی جڑ یا نزاع مجسّم تھا جس نے اس فساد کے دُنیا میں رائج کرنے کی کوشش کی۔ یہ شخص زمانۂ رسُول میں بھی موجود تھا اس کی منافقیت پر خود کلام پاک شاہد ہے۔ ومن الناس من یعجبک قولہ فی الحیوٰۃ الدنیا ویشہد اللہ علی ما فی قلبہ وھو الد الخصام واذا تولی الآیۃ۔ اس کی زبان اس کے قلب کی ترجمان نہ تھی اس صفت کا نام نفاق ہے۔

شہادت قبول کر کے گھر لٹا کے حسین علیہ السلام نے اس آیہ کی صداقت ظاہر کر دی ان رازوں کو کھول دیا جس کا ذکر خداوند عالم نے اپنے رسُول سے فرمایا تھا۔ یعنی تدابیر استیصالِ نسلِ رسُول و تخریبِ دینِ رسولؐ دعوئے قرابتِ رسُول پر دوسری آیات سے بیشتر روشنی ڈالی گئی ہے۔

اے حسینؑ۔ آفریں باد بریں ہمتِ مردانۂ تو
عزم عزمانۂ تو شرحِ حکیمانۂ تو
ایں حسینِؑ توشہا نظرِ کریمانۂ تو

رندِ میخانۂ تو سامعِ افسانۂ تو
تشنۂ جامِ ولا بر درِ کاشانۂ تو
از سرِ لُطف نگر قائلِ مستانۂ تو

چوتھی زمرد کی "زمرد حیات ابدی کی علامت ہے۔ یہ نہایت ہی خوبصورت جوہر ہے۔ رنگت صاف۔ گہری ہلکی سبز۔ یہ مسدس شکل میں منجمد ہوتا ہے۔ جب سخت حرارت پہونچے تو رنگت میں فرق آجاتا ہے"۔

حیات ابدی ہدایتِ روحانی ہی ہے جس کو امامت و نبوّت و رسالت کہتے ہیں۔

خوبصورتی کمال جوہر کی نشانی ہے اور رنگت کی صفائی قدس یا حُسنِ ظاہری کی ضیا۔

سبز رنگ علامتِ وفا و ہدایت ہے
شکل مسدسی سجدے کی نشانی ہے
حرارت سے رنگ میں فرق آجانا "تقیہ"، کی حالت کو ظاہر کرتا ہے۔

شکل مسدسی سے لقب سجّاد برآمد ہوتا ہے (التقیہ دیگر اوصافِ زمرد) آنحضرت کے مشہور اوصاف میں "تقیہ" کی علامت آنحضرت کے زمانہ کی مخدوش حالت کا ثبوت ہے جس کے باعث آنحضرت کو تقیہ کی ضرورت پڑی۔

تعلیم دین کا وہ اعلیٰ طریقہ جس نے حقیقی اسلام کو ایسے مخدوش زمانے میں استقامت بخشی مجالس عزا کے نام سے آنحضرت کا رائج فرمایا ہوا ہے۔ یہ وہ طریقہ ہے جس نے علمائے یورپ کو حیرت میں ڈالدیا ہے اور ایسا نصاب ہے کہ اس سے عبور کرنیوالا کبھی راستہ گم نہیں کرسکتا۔

(۵) عقیق کی "عقیق علامت حلم و عصمت و شہادت ہے"۔ یہ ایک قسم کا زیبائشی پتھر ہوتا ہے جس کو مُہر کند بکثرت استعمال کرتے ہیں۔ متقدمین کا خیال تھا اس کی تین سطحیں ہوتی ہیں (۱) قاعدہ سیاہ رنگ کا (۲) درمیانی حصّہ سفید رنگ (۳) سطح بالا سُرخ رنگ۔ سیاہی عجز و انکسار و حلم (عبدیت) کی علامت ہے۔ سفید رنگ عفت

یہ اس شخص نے تحقیق کی شرح کی ہے جو اسلام کا مخالف۔ عیسائیت کا واعظ اور بروکلن (امریکہ) کی کلیسا کا پادری تھا۔

پہلی سطح پر غور کرنے سے آیہ قرآنی انا عرضنا الامانۃ علی السموٰت والارض والجبال فابین ان یحملنہا واشفقن منہا وحملہا الانسان انہ کان ظلوماً جھولا پیش نظر ہو جاتی ہے خداوند عالم ارشاد فرماتا ہے کہ ہم نے اپنی امانت کو (جو بندگان مخصوص کا حصہ تھا) آسمان اور زمین کے رہنے والوں پر پیش کیا (اور ان کی رائے پوچھی کہ آیا وہ اس امانت کا بوجھ ایسی حالت میں اٹھانا چاہتے ہیں جو ان بندگان خاص پر عارض ہونگی آیا راضی ہو کہ تمکو خلیفہ یا نائب بنایا جاوے) پس سب نے انکار کر دیا اور اس بار اٹھانے سے عاجزی ظاہر کی درانحالیکہ اسی بار کو انسان نے اٹھا لیا کیوں کہ وہ جفاکش و بردبار تھا۔

لہذا خلافت یا بادشاہی یہ بار نہیں تھا جس سے فرشتوں نے پہلو تہی کی۔ بلکہ یہ خلافت اسی کو مل سکتی تھی جو اس بار کو اٹھائے اور اپنے مالک کی روش پر چلتا رہے۔

نہ ہی یہ خواہش اولاد و بقا ہو سکتی ہے اس لئے کہ پہلی خواہش حیوانات میں موجود ہے اور دوسری ملائکہ کو حاصل تھی۔

پھر یہ کون سی امانت تھی جس کو نہ ملائکہ اٹھا سکے اور نہ دوسری مخلوقات۔ وہ اٹھایا بھی کس نے انسان ضعیف البنیان نے لہذا یہ وصف دوسری مخلوقات کی نسبت اس میں زیادہ تھا۔ اپنی شان عبدیت سے واقف تھا۔ خود اپنی حالت کو جانتا تھا۔ اور شان معبود کا عارف تھا۔ سمجھتا تھا۔ السعی منی والاتمام من اللہ کوشش کرنا میرا کام ہے خداوند عالم جو میرے حال سے واقف ہے۔ وہ خود استکمال کی توفیق دیگا اسی امید پر نظر جمائے ہوئے میدان رضا میں آ کھڑا ہوا۔ عبد کی شان یہی ہے جو مالک کہے بجا لائے۔ طاقت ہو یا نہ ہو انکار کی مجال نہیں۔ اس کا فرض ہے تحمل و بردباری کام میں لائے جفاکشی کا عادی ہو۔

یہ معلوم ہو چکا کہ یہ امانت خلافت نہ تھی بادشاہی دنیا نہ تھی خواہشات نفسانی نہ تھی بلکہ خلافت خود اُس کا (امانت کے اٹھانیکا) انعام تھی۔ مگر ایک شرط کے ساتھ۔

کلام پاک میں خداوند عالم اس امانت کا ذکر فرماتا ہے واذ ابتلے ابراھیم ربہ بکلمات فاتمھن قال انی جاعلک للناس اماما ۔ اور جس وقت ابراہیم کی اس کے پروردگار نے کلمات کے ساتھ آزمائش کی اور اُس نے ان کو پورا کر دیا تو (خدا نے) کہا البتہ میں تجھکو لوگوں کا امام بنانیوالا ہوں۔

آیہ محولہ بالا سے یہ معلوم ہوا کہ وہ امانت الٰہی جس کا اٹھانا مخلوقات ارضی و سماوی کو دشوار نظر آیا امامت تھی جس کے لئے ابتلا لازمی تھی جو اس امتحان میں پورا اترا وہ امام ہوا۔ ابتلا ایک ایسی کٹھن منزل تھی جس سے کل مخلوقات گھبراتی تھی ورنہ امامت کا درجہ حاصل کرنے کو کس کا دل نہ چاہتا ہوگا جب کہ خلافت پر سب نے دانت تیز کئے ہوئے تھے۔

کی جو ابتدا سے ہدایت خلق کے لئے مقرر ہوا ہدایت کے لئے علم کی ضرورت تھی قدرت نے عطا کیا۔ امتحان میں کامیاب ہوا لیکن امامت بذات خود ایک عہدہ تہا جس کا تعلق اعمال سے تھا جب تک عملاً قابلیت ثابت نہ ہو پیشوائی ملنی مشکل ہے۔ اعمال کے لئے ابتلا لازمی ہے۔

آدم علیہ السلام نے اس مرتبے کے حصول کی خواہش کی۔ امتحان میں پڑے۔ کہاں وہ نعمات بہشت اور کہاں یہ دنیا کی مصیبت۔ رو دیئے۔ اور آخر یہی کہتے نظر آئے ربنا ظلمنا انفسنا وان لم تغفر لنا وترحمنا لنکونن من الخسرین۔ خدایا ہم نے اپنے نفسوں پر ظلم کیا۔ پس اگر تو معاف نہ کرے۔ اور ہم پر رحم نہ لائے۔ تو البتہ ہم خسارہ اٹھانے والوں سے ہو جائیں گے۔ (یعنی امامت کے حصول کے لئے آزمائش میں پڑے جسکو ہم برداشت نہیں کر سکتے۔ اگر تیرا رحم شامل حال نہ ہو۔ اور تو ہمیں معاف نہ کرے۔ تو خلافت بھی ہاتھ سے جاتی ہے۔ دعا قبول ہوئی۔ ابتلا برطرف ہوئی۔ خلیفہ تھے خلیفہ ہی رہے۔ اور اسکے ساتھ نبوت کا کام بھی کرنا پڑا کیسی آیندہ زمانہ میں پیدا ہونے والے آئمہ کی خبر دینے والے بنے۔ جان بچی لاکھوں پائے۔)

نوح علیہ السلام کی ابتلا ہوئی بیٹا جاتا رہا۔ بارگاہ الٰہی میں استغاثہ بلند کیا۔ رب ان ابنی من اھلی نتیجہ یہ نکلا کہ امامت نہ ملی۔ نبی رہے۔ رسول رہے۔ اولوالعزم پیغمبر ہوئے لیکن امامت نہیں۔

ادم علیہ السلام فراق جنت میں بیقرار ہوئے۔ نوح علیہ السلام نے اپنی تنہائی اور مصیبت پر صبر کیا لیکن پسر کا صدمہ ایسا تھا جس نے بے صبر کر دیا حالانکہ راضی برضائے الٰہی رہنا اولیٰ تہا۔ اگر خداوند عالم دوزخ میں اپنے خاص بندے کو رکھنا چاہے تو اس کی جنت وہی دوزخ ہے جس میں خدا اس کو رکھنے سے خوش ہے۔

تیسرا دور ابتلا کا ابراہیم علیہ السلام پر وارد ہوا۔ آگ میں جلنے کا حکم ہوا۔ اسی میں خوش وخرم نظر آئے مخلوقات الٰہی سے مدد کی تمنا نہ کی۔ دنیا کی راحت کے مقابلہ میں آگ زیادہ اچھی معلوم ہوئی۔ پیری میں بیٹا ملا۔ اور وہ بھی ایک۔ اسی کی قربانی طلب ہوتی ہے۔ رضائے الٰہی پر راضی۔ اپنے ہاتھ سے بیٹے کے گلے پر چھری پھیری اپنی لاولدی میں رضائے الٰہی پائی۔ فوراً لاولد بننے کے لئے تیار ہو گئے۔ لیکن آنکھوں پر پٹی باندھنی پڑی

ایسا عزم راسخ رکھنے والا البتہ اسی قابل تھا کہ امام خلق مقرر کیا جاوے۔ ایسا شخص البتہ اس قابل ہے کہ ظلم وستم دیکھے پھر بھی انتقام کے لئے ہاتھ نہ اٹھائے۔ بد دعا نہ کرے بلکہ ہر وقت یہی کوشش کرے کہ دوسرے اس کے طرز عمل کو دیکھکر سبق حاصل کریں۔ اور ہدایت پائیں۔

آدم علیہ السلام سے لیکر ابراہیم علیہ السلام تک نبی و رسول تو بہت ہوئے لیکن امامت کی قابلیت اگر ظاہر ہوئی تو ابراہیم علیہ السلام سے۔

ان تمام واقعات کا کلام پاک میں تذکرہ کرنا عبث نہیں تھا۔ بلکہ یہ دکھلانا مقصود تھا کہ امامت کی قابلیت ہر ایک میں نہیں ہوتی۔ یہ امامت ایسوں کی امانت ہے جو رضائے الٰہی پر ہر وقت راضی رہیں۔ انی اعلم مالا تعلمون

آپنے ابتلا میں پڑ کر اس راحت کو حاصل کیا جنکو یہ نعمت عطا کی گئی ہے۔ وہ اپنے افعال سے اس کا استحقاق ثابت کر دکھلائیں گے۔ وہ اس امانت کے اٹھانے والے ہیں۔

کربلا کے منظر نے امین کو اُمت کے سامنے پیش کر دکھلایا۔ بتلا دیا۔ امام کس طرح اُمت کے ظُلم پر صبر کرتا ہے وہ ستم ڈھاتے ہیں یہ ان کو نصیحت دیتا ہے وہ اس کا گھر تباہ کرتے ہیں یہ ان کو دعا دیتا ہے۔ وہ گلے پر خنجر پھراتے ہیں یہ اُمت کی مغفرت چاہتا ہے۔

ان واقعات کو امام محمد باقر علیہ السلام نے اپنی آنکھ سے دیکھا ہوا تھا۔ اسیریٔ شام کے مصائب جھیلے ہوئے تھے ہدایت کے نشان بلند کر چکے تھے آئندہ جو کچھ آنحضرت نے ہدایت فرمائی وہ اسی ہدایت کا نقش تھی۔ جو مدت العمر ظاہر ہوتی رہی جیساکہ عقیق پر کھُدے ہوئے حروف ہمیشہ اپنی اصلی حالت میں ظاہر ہوتے ہیں۔

واقعات تاریخی بتلا رہے ہیں کہ جو امور آپ کے پدر بزرگوار پر لاحق ہوتے رہے وُہی آنحضرتؑ پر بھی آئے۔ قید شام بار دیگر طلبی بعہد عبد الملک امام زین العابدین علیہ السلام پر واقع ہو چکی تھی۔ یہی مدینہ سے طلبی کے احکامات سلاطین جور نے آنحضرت پر جاری کئے۔ آخر شہید کر کے رہے۔

(۶) لعل کی۔ "سُرخ رنگ کا پتھر ہے جس کو متقدمین جواہر کی جگہ استعمال کرتے تھے زمانۂ قدیم میں ہر ایک مُہر کند اس مشہور پتھر کو استعمال کرتا تھا۔

لعل اور عقیق ایک ہی مطلب کے لئے ہیں عقیق کا قایم مقام لعل ہے یعنی معرفت کا معلّم ہے حضرت باقر العلوم عقیق ہوئے اور حضرت صادق علیہ السلام لعل۔

آیمہ اہلبیت علیہم السلام میں نشر علوم کا موقعہ کسیقدر ملا تو جناب امیر علیہ السلام کو حاصل ہوا یا حضرت صادق علیہ السلام کو سلطنت میں خانہ جنگیوں سے ضعف پیدا ہو گیا تھا اس لئے آپ سے پرخاش کرنے والا کوئی نہ ہو چنانچہ اس موقعہ سے فائدہ اٹھا کر آنحضرت نے تعلیم رسُول کے پھیلانے میں جد و جہد فرمائی "دین حنفہ کی تدوین و ترویج میں کوئی دقیقہ چھوڑا حتّیٰ کی آنحضرت کے متبعین کا نام شیعہ کے بجائے جعفری ہی ہو گیا۔

عوام الناس کے آیمہ بھی اپنا سلسلہ تلمذ آنحضرت علیہ السلام تک پہونچاتے ہیں۔

(۷) سنہرے پتھر کی۔ سنہرہ پتھر (سنگ ستارا۔ مولف) علامت حجت الٰہی ہے۔

"یہ سنہرے رنگ کا پتھر ہے جس پر سبز خط یا نشان ہوں اور بہت ہی شفاف ہوتا ہے۔ سنہرا رنگ کامل معرفت الٰہی کی علامت ہے سبزی حیات ابدی پر دال ہے۔ شفافیت کمال تقوی و پرہیزگاری پر شہادت دیتی ہے۔

متقی و پرہیزگار کامل، صالح یا عبد صالح کہلائیگا۔ حیات ابدی کا وارث امام ہی ہوگا۔

کیوں کہ شریعت (قرآن) ترکہ رسول ہے جو قانون ہدایت ہے اس کی وارث اہل رسول یعنی امام ۔یا

عبد صالح لقب امام موسیٰ کاظم علیہ السلام ہے۔ ہارون رشید عباسی نے مدت العمر قید رکھا۔ اور آخر زہر سے شہید کرادیا۔

حالتِ اسیری میں بھی آنحضرت کارِ ہدایت انجام دیتے رہے۔

(۸) فیروزہ کی "فیروزہ علامت محبت ہے"

یہ ایک نیلے سبز رنگ کا تاریک جوہر ہے جو متقدمین کے نزدیک عزیز تھا۔ مسدس شکل میں ہوتا ہے جسکے چھوٹے بڑے ۶ ضلعے ہوتے ہیں۔ اصلی ضلعوں پر جو چھ ہوتے ہیں۔ ہیرے کے سے نشان پائے جاتے ہیں۔ ترتیباً فی ضلع پانچ یا آٹھ۔

ہیرے کی علامات سے پنجتن امام ہشتم مراد ہیں۔ یا پانچ و آٹھ یعنی تیرہ کا وکیل (۱۰) یعنی امام دہادی بھی اور وکیل بھی۔ جیسا کہ زیارت آنحضرت میں اسکا ذکر موجود ہے۔ السلام علیك یا مغیث الشیعة والزوار فی یوم الجزاء مغیث فریاد رس کو کہتے ہیں۔ اور وکیل وہ ہے جو دوسرے کی جگہ حاضر ہو یا اس کے معاملہ کا کار مختار ہو یا کسی خاص معاملہ میں اس کی امداد کرے پس وکیل و مغیث ہم مطلب الفاظ ہیں۔

کلام پاک سے ظاہر ہوتا ہے کہ دربار الٰہی میں کچھ عہدے ہیں جو مقربین کو تفویض کئے گئے ہیں۔ ہر ایک عہدہ دار اپنے فرض منصبی کی ادائیگی پر کمربستہ ہے۔ مثلاً ایک درجہ مقام محمود ہے۔ جو انتہائے قرب عبد و معبود ہے (دنی فتدلی فکان قاب قوسین او ادنی) یہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کو عطا ہوا جیسا کہ آیہ عسی ان یبعثك ربك مقاماً محمودًا سے ظاہر ہے۔

مقرب بارگاہ وسیلۂ دربار ہوا کرتا ہے۔ اور جس قدر مقرب تر ہوگا۔ اسی قدر اس کی وساطت زیادہ قبول ہوگی۔ شفیع وہی ہوتا ہے جو مزاج میں دخیل ہو۔ جسپر بھروسہ ہو۔ اعتبار ہو۔ ہر ایک درباری اگرچہ مقرب ہے۔ لیکن شفیع نہیں جب تک اجازت نہ ہو۔ البتہ یہ ممکن ہے کہ یہ مقرب شفیع سے سفارش کرے۔ اور اس کی وکالت پر شفیع بارگاہ سلسلہ جنبانی کرے۔ آیات ذیل سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ

(۱) شفاعت ہر ایک نہیں کرسکتا۔ من ذالذی یشفع عندہ الا باذنہ۔ اس کے حضور کس کی مجال ہے کہ شفاعت کرے۔ مگر اس کے حکم سے۔ لہذا شفیع وہی ہوگا جسکو حکم ہو۔

(۲) رسول اللہ شفیع ہیں۔ وکیل نہیں۔ وما انت علیھم بوکیل۔ لہذا شفاعت وکیل کی سلسلہ جنبانی پر منحصر ہے

(۳) گواہوں پر گواہ ہیں۔ وکذالك جعلنٰکم امة وسطاً لتکونوا شھداء علی الناس ویکون الرسول علیکم شھیدا۔ لہذا شفیع ان گواہوں کی شہادت پر شفاعت کرے گا جنپر اس کو بھروسہ ہے۔

جیسے شفاعت انتہائی حد ہے ایسے ہی اعانت یا نصرت اس حد کی ابتدا ہے۔ اعانت اور شفاعت کے درمیان شہادت و وکالت کا سلسلہ ہوتا ہے جس کی بنیاد صداقت ہوتی ہے۔ اس لئے خداوند عالم نے صادقین

صادق وہ ہی جسپر جھوٹ کا شبہ بھی نہ ہو سکے۔ دوست دشمن سب ہی اس کو صادق سمجھیں۔ اس امت میں ایسا نفس طیب جسکو دوست، دشمن حتیٰ کہ قاتل بھی صادق سمجھے۔ امام حق ناطق حضرت جعفر صادق علیہ السلام ہیں آنحضرت کا لقب مشہور صادق ہی۔ آنحضرت سے پہلے ایک رسول اور پانچ امام ہوئے یعنی چھ ہدایت کرنیوالے۔ اور آپ کے بعد بھی چھ ہدایت کرنے والے ہوئے۔ اس بیترہ کے سلسلہ میں اول امین آخر عادل اور وسط صادق وسط شے اپنے اول و آخر کا پتہ دیتی ہی بس صداقت کی ابتدا بھی صداقت ہی اور انتہا بھی۔ کیونکہ امین وہ کہلاتا ہی جس کی صدق نیت اور خوش معاملگی پہ بھروسہ ہو۔ وہ صادق ہوا۔ اسی طرح عادل وہ کہلائیگا جو سچ سچ فیصلہ کرے۔ اور حق سے بال برابر تجاوز نہ ہو۔ لہذا وہ بھی صادق ہی۔ شہید حق وہ ہی جو سچائی کے لئے قتل ہو۔ وہ بھی صادق ہی۔

جس سلسلہ کی ابتدا صداقت، وسط صداقت، آخر صداقت اور درمیانی تسلسل صداقت ہو، وہی سلسلۂ صادقین کہلائے گا۔ اور شفاعت شہادت وکالت یا عدالت اسی سلسلہ میں ہو گی۔ اس کے باہر نہیں ہو سکتی۔ لہذا کل معروضات آپ کی وکالت کے بغیر ولی نعمت کی بارگاہ تک نہیں پہونچ سکتیں۔

(۹) زبرجد کی "زبرجد علامت سخاوت ہی"

"یہ ہلکا سبز رنگ کا جواہر ہے۔ اس کی عجیب خاصیت یہ ہی اگر سانپ کی نظر اسپر پڑ جائے تو اندھا ہو جاتا ہے"۔ سخاوت سخی کی صفت ہوتی ہی جسکو جواد کہتے ہیں۔ یہ لقب مشہور امام محمد تقی علیہ السلام ہے۔ رنگت کے مطابق زمرد سے ملتا جلتا ہے لہذا وہ کل اوصاف یہاں بھی پائے جاتے ہیں جو امام زین العابدین علیہ السلام سے متعلق ہیں

(۱۰) یمنی کی "مراد عقیق یمنی ہے جو علامت بردباری و جفاکشی ہے"۔

"عقیق یمنی زردی یا سبزی مائل ہوتا ہے۔ زردی علامت عرفان و سبزی حیات ابدی کی علامت ہے۔ یہ سخت ترین اقسام جواہرات سے ہی۔ ہیرے اور یاقوت کے سوا اور کوئی اس سے سخت تر نہیں ہوتا"۔ عقیق کے متعلق پیشتر تذکرہ ہو چکا۔ یمنی اسی کی ایک خاص قسم ہے جو اپنے مخصوص علامات سے عرفان، امانت اور بردباری و جفاکشی کا خیال دلاکر اپنے ممدوح کا پتہ بتلاتی ہے۔

یمنی سے مراد امام علی النقی علیہ السلام ہیں۔ آنحضرت اپنی مدت العمر تسر من راے (سامرہ) میں بحکم خلیفہ عباسی نظر بند رہے سخت سے سخت اذیتوں میں مبتلا رہے اور اسی نظر بندی کیحالت میں شہادت پائی۔

(۱۱) سنگ سنبلی کی "اسکو زمانۂ حال میں نیلم کہتے ہیں۔ رنگ شفاف ہلکا کبود (نیلا) ہوتا ہے سختی میں ہیرے سے دوم درجہ پر ہے۔ یہ علامت استقلال و جفاکشی و بردباری ہی۔ نیلا رنگ علامت وفا ہے۔ شفافیت کمال تقویٰ کو ظاہر کرتی ہے۔

نیلم پیشتر علامت حسن مجتبیٰ علیہ السلام معلوم ہوا۔ سنبلی نیلم ثانی ہی یعنی امام حسن عسکری علیہ السلام آنحضرت بھی اپنے

(۱۲) یاقوت ی۔ یاقوت زردی مائل سونے رنگ کا یعنی پتھر ہوتا ہے۔ جس میں تیز نیلا اور لہر اس طرح رنگ ملا ہوا ہو۔ متقدمین کا یہ خیال تھا کہ اگر یاقوتی پیالے میں شراب پی جاوے تو نشہ نہیں ہوتا۔ جو اس امر کو ظاہر کرتا ہے۔ کہ باطل کا اثر حق کی موجودگی میں زائل ہو جاتا ہے"۔

چھٹی صفت امام صاحب العصر علیہ السلام ہیں آپ کے ظہور سے دنیا عدل و انصاف سے پُر ہو جاوے گی۔ اور اور باطل کا نشان مٹ جائے گا۔ قل جاء الحق وزہق الباطل ط ان الباطل کان زہوقا۔"

پس یاقوت علامت حق ہے۔

یہ بیان بنیادی خصوصیات سے تھا جس دین کے معلم اس درجہ کے ہوں اسکے سچے پیرو البتہ بنیان مرصوص ہی ہوں گے۔

اب شہر کی خصوصیات سے دیکھئے۔ تو اس شہر علم کے بارہ دروازے تھے۔ جن کے ذریعہ اس شہر میں پہونچ سکتے تھے۔ راستہ یا سڑک یعنی شریعت کامل و اعلیٰ تھی۔

اس شہر میں مقدس کا نہ ہونا ظاہر کرتا ہے کہ شہر خود ہی مقدس ہے۔ جو معرفت الٰہی سے بھرا ہوا ہے۔ جو برّہ مذبوح (حسین علیہ السلام) نے اپنا سر دیکر دنیا کو سکھلائی۔ پس جو کوئی بھی کلام خدا میں غور کرے۔ وہ خدا کی الوہیت و ربانیت پر ایمان لے آئیگا۔ اور شہادت حسین علیہ السلام پر غور کرے تو سچے اسلام میں داخل ہوئے بغیر نہیں رہتا یعنی تعلیم قولی و فعلی ہر دو کامل ترین تعلیم ہیں۔ ان ہیں سچے دل سے انصاف کیساتھ سوچیں تو رسالت کی تصدیق اور رسول بھیجنے والے کے اقوال کی صداقت صاف دکھلائی پڑیگی۔ نہ کسی ملّاں سے پوچھنے کی ضرورت نہ مولوی سے۔ نہ پیر سے نہ فقیر سے۔ آیات قرآنی پڑھتے رہو۔ واقعات کربلا پر غور کر کے مطالعہ کرو تو ایک شاہراہ حقیقت ظاہر ہوگی۔ جو سچائی تک پہونچائے بغیر نہیں چھوڑتی۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قرآن و اہلبیت کو امت میں اپنے بعد چھوڑا۔ ان کو اس طرح پیوست چھوڑا کہ قیامت تک ایک دوسرے سے علیحدہ نہیں ہو سکتے۔ لیکن قرآن قولی تعلیم ہے۔ اس تعلیم کو عملاً سکھلانے والے وہی اہلبیت رسول ہیں جن میں سے ایک شاہ کربلا ہے۔

اس شہر کی مخصوص علامت یہ ہے کہ بلور کیطرح چمکتا ہوا آبحیات کا دریا جو خدا اور برّے کے تخت سے نکلتا ہے۔ اس شہر کی سڑک کے بیچ میں بہتا تھا۔ اور دریا کے وار پار زندگی کا درخت تھا۔

بلور اپنی شفافیت اور چمک یا صفا میں صداقت کی مانند ہے۔

آبحیات یا آبدی زندگی کا ذریعہ امام ہوتا ہے جس کی معرفت نجات کا باعث ہے۔ دریا کو جعفر کہتے ہیں خدائے خداوند فیض یا رسولِ موعود (محمد مصطفیٰ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم) مراد ہے۔

برّہ یعنی برّہٗ مذبوح جو بنائے عالم سے مذبوح قرار پایا۔ یا حسین علیہ السلام

تخت سے نسل مراد ہے جس کو آرام و راحت ... ملتی ہے

زندگی کا درخت۔ ہادی۔ نجات۔ دہندہ۔ امام۔

اس شریعت نو کے ایک ستم۔ امام جعفر صادق (علیہ السلام) تھے۔ جو رسول مقبول کے فرزند حسینؑ علیہ السلام کی نسل سے تھے۔ اور آنحضرت تیرہ ہادیوں کے وسط میں تھے۔ چھ ہادی آپ سے پیشتر ہوئے۔ اور چھ آپ کے بعد۔ آپ کے دونوں طرف نور ہدایت تھا

لہذا بیان مکاشفہ سے معلوم ہوا کہ اس چودہ (چہاردہ معصومین) کے سلسلے میں ایک نبی اور بارہ امام ایک نسل سے ہوئے۔

دوم یہ بھی معلوم ہوا کہ اس سلسلۂ نورانی ہیں کی اطاعت فرض ہے۔

سوم یہ بھی ظاہر ہوا کہ اس نورانی سلسلہ کا دشمن اور مخالف دوسرا سلسلہ ہے جس میں سترہ کس سربرآوردہ ہیں۔ انہوں نے اس پہلے سلسلے کے چار افراد کو شہید کیا۔ ان کی نسل اور ان کی تعلیم کو مٹانا چاہا۔ ان میں (سترہ میں) سے آٹھواں یا وسطی شخص عبدالملک بن مردان بن حکم ہے۔

چہارم یہ بھی معلوم ہوا کہ اس سترہ کے سلسلہ کی متابعت کفر ہے۔ اور بہت مخلوقات اس کی مطیع ہے۔

پنجم یہ بھی ثابت ہوا کہ چودہ کے سلسلے کے ۷۲ شہیدوں کے ۱۴۴ ہاتھ ان کی تعلیم کے محافظ ہیں۔ ان کی شاہراہ شاہراہ ہدایت ہے۔

اس کا لُب لباب یہ ہے کہ ایمان و کفر کے اماموں کو خداوند عالم نے ان کے وجود میں آنے سے پیشتر ہی بیان فرمادیا۔ اب ہماری مرضی۔ ہم ایمان اختیار کریں یا کفر۔ اس لئے خداوند عالم نے سورۂ دہر میں ارشاد فرمایا۔ انا ھدینہ السبیل اما شاکرا و اما کفورا۔ ہم نے تو انسان کو دونوں راستے واضح کردیئے ہیں اس کی مرضی ہے۔ شکر کرنیوالوں میں شامل ہو یا کفر کرنیوالوں میں لا اکراہ فی الدین قد تبین الرشد من الغی فمن یکفر بالطاغوت ویومن باللہ فقد استمسک بالعروۃ الوثقی۔ دین میں زبردستی نہیں۔ گمراہی سے ہدایت کو متمیز کردیا گیا ہے پس جو شخص طاغوت سے کافر ہو کر خدا پر ایمان لاوے پس البتہ اس نے مضبوط رسی (لنگر) سے تمسک اختیار کیا۔ آیہ مذکورہ کے مطابق طاغوت سے کفر اختیار کرنے اور خدا پر ایمان لانیوالا اس امر پر مجبور ہے کہ اسکو ایک وسیلہ یا ذریعہ بھی ملے جس کے سہارے سے منزل مقصود پر پہنچے یہ وسیلہ وہی صادقین ہیں جن کی رفاقت کا حکم ہے یہی حکم رسول ہے۔

مثل اھل بیتی کسفینۃ نوح من رکب فیھا نجی ومن تخلف عنھا غرق وھوی میری اہلبیت کشتی نوحؑ کی مانند ہیں کہ جو اس میں سوار ہوا وہ بچا۔ اور جو اس سے پھرا وہ غرق و ہلاک ہوا۔ وما علینا الا البلاغ

اسلامی دنیا میں ۱۱ھ بھی یادگار زمانہ ہے جس کے واقعات نے ایک طرف حقیقت نجات اور دوسری طرف مصائب کا آغاز کردیا۔ باپ کی رحلت بیٹی کے لئے کوئی کم صدمہ نہ تھا۔ اسپر اصحاب رسول کے

جو پدر بزرگوار سے سُن رکھے تھے آنکھوں کے سامنے پھر گئے۔ اپنے گھر کے دروازے میں آگ لگاتے
ہوئے دیکھکر اپنی اولاد کے خیام کا جلنا۔ سیدہ مظلومہ کو یاد آگیا ہوگا۔ حضرت ام المصائب جناب زینب
علیہا السلام کی اسوقت کی پریشانی کا خیال سوہان روح بن گیا ہوگا۔ ان سب امور پر غور کرنے کے بعد
جب ہم جناب سیدہ کی گریہ و زاری پر نظر کرتے ہیں تو کوئی تعجب نہیں معلوم ہوتا۔ باپ کی رحلت ہوتے ہی اصحاب
رسول کا دشمن بنجانا اپنے مصیبت اور مشقت کے پارے ہوؤں کی شہادت کا پیش خیمہ تھا۔ چنانچہ آنجنابۂ ممدوحہ
کے ایک شعر میں ان خیالات کی جھلک نظر آتی ہے فرماتی ہیں صُبّت علیّ مصائبٌ لو انّہا صُبّت علی الایام صِرن
لیالیا۔ اے بابا آپ کے انتقال کے بعد مجھ پر ایسی ایسی مصیبتیں آنی شروع ہوگئیں کہ اگر وہ روز روشن پر پڑتیں
تو دنوں کی رات بنجاتی۔

دنیا کا دستور ابتدا سے یہی چلا آتا ہے اولاد باقی رہتی ہے۔ ماں باپ مرجاتے ہیں کیا جناب سیدہؑ اس
دستور سے ناواقف تھیں؟ لا واللہ ہرگز نہیں۔ والدۂ ماجدہ کا انتقال دیکھ چکی تھیں۔ روزانہ مشاہدات میں والدین
کا انتقال آرہا تھا۔ پھر اس طرح رونے کیوجہ بجز اس کے اور کیا ہو سکتی ہے۔ کہ امت کی مروت جا چکی تھی۔ کوئی پرسا
دینے کیلئے بھی نہ آتا تھا۔ دعوتِ قولی ضروری تھی۔ وہ آنجنابہ نے پوری کی۔ لیکن واہ ری امت۔ آواز آئی تو یہ
حضرت سیدہ کو منع کرو وہ ہمارے آرام میں خلل آتا ہے۔ آہ۔

ہیچ کافر نکند آنچہ مسلماں کردند

تاریخ عجیب عجیب منظر پیش کرتے ہماری رہبری کرتی ہے یہی تاریخ بتلاتی ہے۔ وہ پہلا شخص جس نے
صداقت کے لئے آگ میں جلنا قبول کیا۔ باطل کے سامنے گردن نہ جھکائی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام تھے جلانے
والا نمرود تھا۔ پھر یہی تاریخ بتلاتی ہے کہ جس گھرانے نے آگ میں جلنا منظور کیا۔ تلواروں سے تیروں سے نیزوں
سے برچھیوں سے کٹنا منظور کیا مگر باطل کی اطاعت سے متنفر رہے۔ یہی رسول عربیؐ کا گھرانہ تھا جس کی آنکھ بند
ہوتے ہی زمانہ کا رنگ بدل گیا۔ تیسرے ہی دن اس گھر میں آگ لگائی جس میں رسول اللہ کی دختر اور آنحضرت
کے نواسے موجود تھے۔ پچاس سال بعد یعنی ۶۱ھ میں یہی فرزند رسول تھا جو تین دن کا بھوکا پیاسا ذبح ہوا۔
آخر یہ معاملات کیوں ہوئے۔ اسلئے نہ کہ ابتدا میں انہوں نے اجماع سے مخالفت کی۔ اور انتہا میں اس اجماعی
تخت کے وارث کے طریقے سے تخالف کیا جلنے والے یا قتل ہونیوالے آل رسول۔ جلانیوالے یا قتل کرنیوالے
اصحاب رسول یا ان کی اولاد۔

اوّل الذکر ملتہ ابیکم ابراہیم کے مصداق اور دوسرے سنت نمرودی کے تابع۔

واللہ اے امت رسول سے جو بات کی خدا کی قسم لاجواب کی

یہی صدمۂ جانکاہ آخر وفات سیدۂ معصومہ کا باعث ہو کر رہا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

گناہ ہوتے ہیں اور بعضے دیگر ایک خیالی خاکہ ہوتے ہیں۔ صداقت سے معرّا لیکن زمانہ کی رفتار یہ ہی ہے کہ راز قدرت کی تلاش کرے۔ عالم ہوں یا جاہل سب ہی اس زمانۂ رجعت کے منتظر ہیں۔ زمانہ و وقت کا تعین بھی کیا جاتا ہے جو محض عقلی ڈھکوسلہ ہے۔ آئمہ برحق علیہم السلام نے اس راز کو سربمہر بند رکھا۔ اگر کہیں اس کا تذکرہ ہوا بھی تو وہ بھی ایسا ہے کہ جس کا سمجھنا مشکل۔ ہندی منجم نے البتہ اس زمانہ کی میعاد ۱۵۰۰ سال مقرر کی ہے جسکا ذکر رامائن تلشی داس کے حوالے سے بشارت احمدی صفحہ ۱۸ میں موجود ہے۔

نجومی ۱۵۰۰ سال شمسی، قمری ۱۵۴۵ سال کے برابر ہوں گے۔ اور زمانۂ رجعت اس قول کے مطابق بعثت سے ۱۵۴۵ سال بعد ہوگا یعنی ۱۵۳۲ھ میں۔

اسی طرح اگر نبوت دانیال علیہ السلام میں مدت ۱۳۳۵ سال شہادت امام رضا علیہ السلام سے شمار کریں تو بھی ۱۵۳۵ھ یا ۱۵۳۶ھ سال رجعت یا سال فرج وکشایش نکلتا ہے

چونکہ ہجرت کے وقت سن ۹۰،۷۴ آدمی تھا۔ اس لئے ۱۵۳۲ھ میں ۳۲۴ آدمی ہوگا

میناری پیمایش بھی ضیافت طبع کے لئے پیش کیجاتی ہے۔

دنیائے قدیم

(۱) میر عمارت نے دنیائے قدیم کی کل مدت کو ایک ایسے مینار سے ظاہر کیا ہے جسکے قاعدے کا طول تقریباً ۹۰۱،۲۸۰ انچ اور عرض ۶۵۷،۷۰۰ انچ عمودی بلندی ۴۱۳،۴۴۶ انچ ہے۔ قاعدۂ مینار کا رقبہ نکالکر عمودی بلندی میں ضرب دیا۔

میناری انچوں میں یہ طول وعرض وبلندی ۹۰۰،۳۸۶، ۶۵۷،۱۱۱، ۶۴۲،۵۱۹ ہوئی۔ اور حجم مینار ۹۰۰،۳۸۶ × ۶۵۷،۱۱۱ × ۶۴۲،۵۱۹ = ۲۵۳۵،۷۴۱،۴۱،۲۴۲،۱۴،۰۰۱،۳۸ ہوا۔

توریت کے مطابق دنیائے قدیم کی مدت ۳۸۰۱۲۰۰۰۰ سال ہوئے۔

افق مینار

ب

د

ج

طول

قاعدہ

مینار

عرض

۲۲ + ۲۳۲۳ + ۶۶۸،۵۱۸

= ۹۰۱،۲۸۸

(۹۰۱ ۱/۴)

اگر پیمایشوں کے درجات اعشاریہ کاٹ لئے جادیں تو ہر دو اعداد برابر ہو جائینگے۔

(۲) عمر آدم ثانی (حضرت نوح علیہ السلام) ۹۵۰ سال ہوئی میر عمارت نے دنیائے قدیم کے اختتام کی حدود سے اس مدت کو شروع کیا۔ اور زینۂ اول کے سنگ سیاہ کے آغاز تک اسکو پورا کر دکھایا۔ نقشہ میں راہ تنزلی کا طول مقام تقاطع
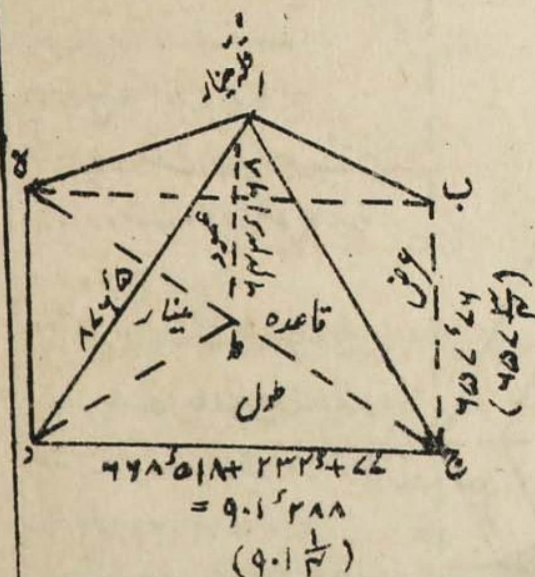
۷،۳۴ انچ ہوا۔ اسیطرح مقام تقاطع سے سنگ سیاہ تک ۲۵،۴۴،۷
انچ ہی اس قطر سے ½ ۶۶ انچ قاعدہ ہوا (زاویہ ۲۶ درجہ ۱۸ دقیقہ ۶، ۹ ثانیہ)
دونوں کا مجموعہ ½ ۵۰۰ انچ ہوا۔ اس کے میناری انچ بنائے (۹۹۹
میناری انچ ۱۰۰۰ انگریزی انچ کے برابر ہوتا ہی) ۵،۹۵۰۔۵،۹۵
=۹۴۹،۵۴۹۵ میناری انچ ہوئے۔ لیکن ایک میناری انچ
سے ایک سال مراد ہے اس لئے ½ ۹۴۹ سال یا ۹۵۰ھ برآمد ہوا۔
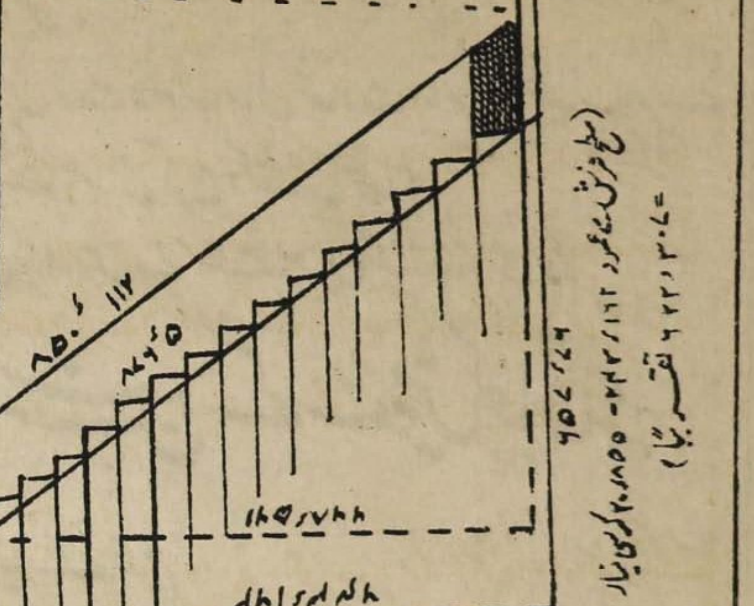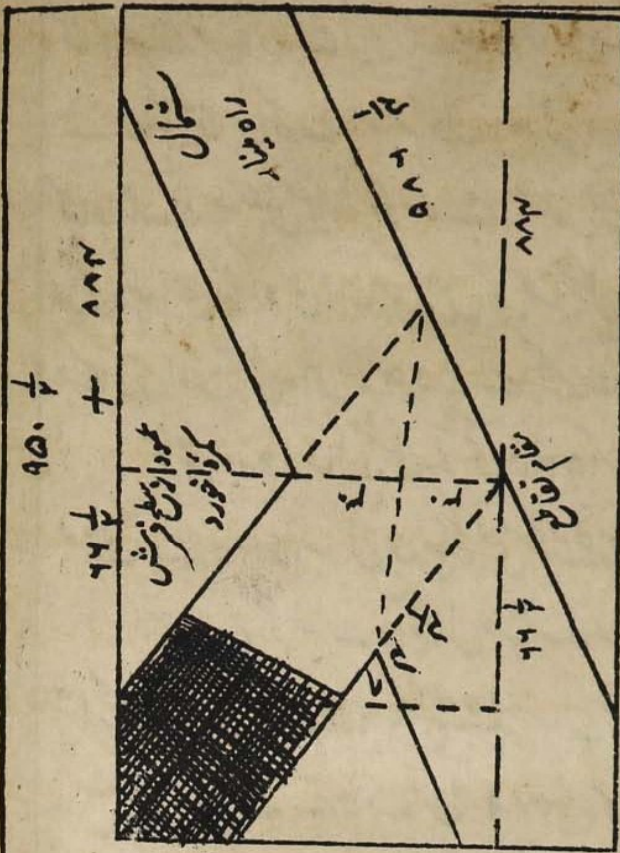
نوٹ:- عمر دنیائے قدیم۔ اس نقشہ سے ہی
ظاہر ہوتی ہے۔ قاعدہ منیار ۶۵،۱،۶ انچ مربع
قائم کرکے اسپر ۱۶۸،۴۳،۶ انچ کی عمودی
بلند کا منیار، بنایا اس صورت میں نقشہ
گذشتہ کے بموجب ا ط ج مثلث قائمہ کا
رقبہ میناری انچوں میں معلوم کیا، مربع
قاعدہ کا قطر ۱۲۰۰۰۰، ۹۲۹ میناری انچ
(تقریباً) ہوا اور رقبہ مثلث،
ا ط ج = ا ط × ½ ط ج،
لیکن ایسے دو مثلث اس منیار میں بنتے ہیں
لہذا دو نو مثلث یا مخروطی شکل کا رقبہ،
ا ط × ط ج ہوا،
قاعدہ ۶۵۷،۹ میناری انچ مربع ہے
لہذا کل مینارے ا ط × ط ج رقبہ کے ۶۵۷،۹
مثلث بن سکتے ہیں جن کا مجموعی رقبہ منیارہ کا حجم ہوگا یعنی
۹۲۹،۲ × ۶۳۳،۴ × ۶۵۷،۰۹
= ۲۴۴،۲۸۲۳۸۵۶۹۹۰۳۰ تقریباً کامل اعداد
کے لئے درجات عشاریہ ...

(۳) حضرت نوح ... علیہ السلام کے درمیان تقریباً ۵۵۰ سال کا فاصلہ ہے۔
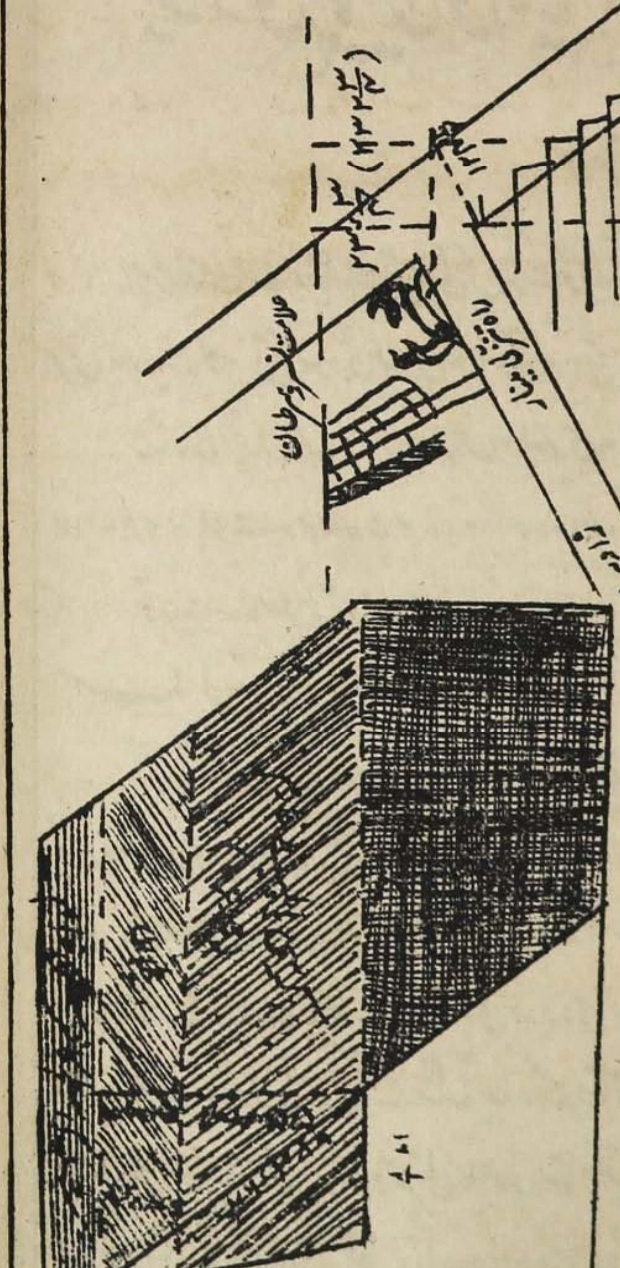
مینار میں سنگ سیاہ کے آغاز سے پہلی محراب (میخ آہنی) زینۂ اول تک (۱۷۸ + ۴۶۳٫۰۳ - ۳۲) ۶۰۹٫۰۳ انچ فاصلہ ہے۔ اس قطر سے ۵۴۵٫۶۶۹۰ انچ قاعدہ بنا۔ جس کے ۵۴۵٫۱۴۵ میناری انچ ہوئے۔ پیمائش گذشتہ میں جمع کیا ۹۴۹٫۵ + ۵۴۵٫۱۴۵ = ۱۴۹۴٫۶۴۵ میناری انچ یا ۱۴۹۵ء

(۴) اگر پیمائش ۳ میں نصف محراب شامل کر دیں تو یہ فاصلہ (۶۲۵٫۰۳ × ۸۹۶) = ۵۶۰٫۰۲۶ انچ ہوگا۔ اور اس سے ۵۵۹٫۴۶۶ میناری انچ بنیں گے۔ ۲ کے اعداد میں اضافہ کرنے سے ۱۵۰۸٫۹۶۶ یا ۱۵۰۹ء برآمد ہوگا

نوٹ ۳:- ۱۵۰۰ سال سے ۹ سال کم اور ۴ میں ۹ سال زیادہ ہے۔ آیندہ حسابات سے معلوم ہوگا ۴ زیادہ قرین قیاس ہے۔)

(۵) محراب اول کے وسط سے محراب دوم کے آخر تک ۲۲۲٫۷۶۴ انچ فاصلہ ہے اس فاصلہ کو قاعدہ سمجھکر قطر دریافت کیا۔ ($\frac{۲۲۲٫۷۶۴}{٫۸۹۶}$) ۲۴۸٫۶۲ انچ نکلا یعنی ۲۴۸٫۳۷۲ میناری انچ ۔ تاریخ عرب سے حضرت صالح علیہ السلام سے تقریباً ۲۵۰ سال بعد حضرت ہود علیہ السلام کا زمانہ معلوم ہوتا ہے۔ جو قریب قریب میناری پیمائش سے ملتا ہے۔ سن بعثت کے لئے ۴ کی پیمائش کیساتھ (۲۴۸٫۳۷۲ + ۱۵۰۸٫۹۶۶ = ۱۷۵۷٫۳۳۸) یہ اعداد جمع کر کے ۱۷۵۷٫۳۳۸ معلوم کئے جس سے ۱۷۵۸ء نکلا

(۶) محراب دوم کے آخر سے محراب سوم کے آخر تک ۲۰۶٫۱۷۳ انچہ ہے۔ محراب سوم کا عرض (۳۲ انچہ) کم کر کے باقی کو قاعدہ تصور کیا۔ اور قطر دریافت کر کے بعد از تحویل ۵ میں جمع کیا۔ ($\frac{۲۰۶٫۱۷۳ - ۳۲}{٫۸۹۶}$ = ۱۹۴٫۳۸ انچہ۔ ۱۹۴٫۱۸۶ میناری انچ) ۱۷۵۷٫۳۳۸ + ۱۹۴٫۱۸۶ = ۱۹۵۱٫۵۲۴ یا ۱۹۵۲ء ہوا۔
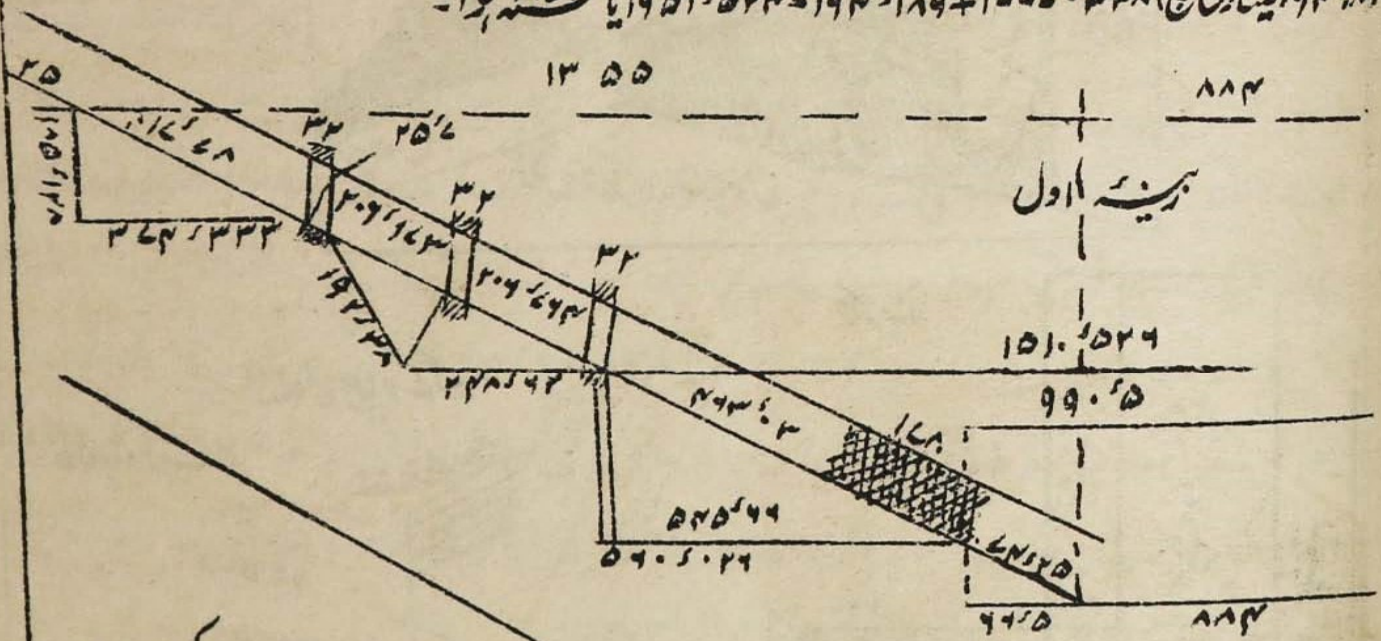
توریت کے مطابق سن ولادت ابراہیم علیہ السلام ۱۹۴۹ء ہے حضرت ہود علیہ السلام اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے درمیان تاریخ عرب تقریباً ۲۰۰ سال کا فاصلہ دکھلاتی ہے۔ یعنی تاریخ عرب کے مطابق پیدائش آنحضرت تقریباً ۱۹۵۰ء کا واقع ہوا۔ جو قریب قریب درست ہے۔

۱۹۸۰

برآمد ہوا۔ (۱۹۸۷٫۱۸۹)

(۷) شریعت ابراہیمی کے بعد شریعت موسوی کا دور دورہ ہوا۔ محراب سوم سے مقام تقاطع سقف زینۂ دوم تک ۴۱۷٫۴۸۳ انچ فاصلہ ہے اسکو قطر بنا کر حسب قاعدہ "عمود و قاعدہ" معلوم کیا (۴۱۷٫۴۸۳ × ۴۴۳۱۲٫ = ۱۸۵٫۱۲۸) (۴۱۷٫۴۸۳ × ۸۹۶٫ = ۳۷۴٫۳۳۳ قاعدہ) مقام تقاطع کے بعد ۲۵ انچ کا فاصلہ ہے جو فرش شکستہ پر منتہی ہوتا ہے اسکو قاعدہ سمجھکر قطر (۲۵ / ۸۹۶٫ = ۲۷٫۸۹) اور عمود (۲۷٫۸۹ × ۴۴۳۱۲٫ = ۱۲٫۳۵۸) معلوم کئے قطر چھوڑکر بقیہ اعداد جمع کئے۔ ۱۸۵٫۲۸ + ۳۷۴٫۳۳۳ + ۱۲٫۳۵۸ = ۵۷۱٫۸۱۹ انچ ہوئے۔ بیناری انچوں میں تحویل کرکے ۱/۳ کی آخری رقم میں جمع کیا۔ ۱۹۸۷٫۱۸۹ + ۵۷۱٫۲۴۷ = ۲۵۵۸٫۴۳۶ یا ۲۵۵۹ سنہ نکلا۔ توریت سے یہی سال ولادت حضرت ہارون علیہ السلام (خلیفۂ حضرت موسیٰ علیہ السلام) ہے۔
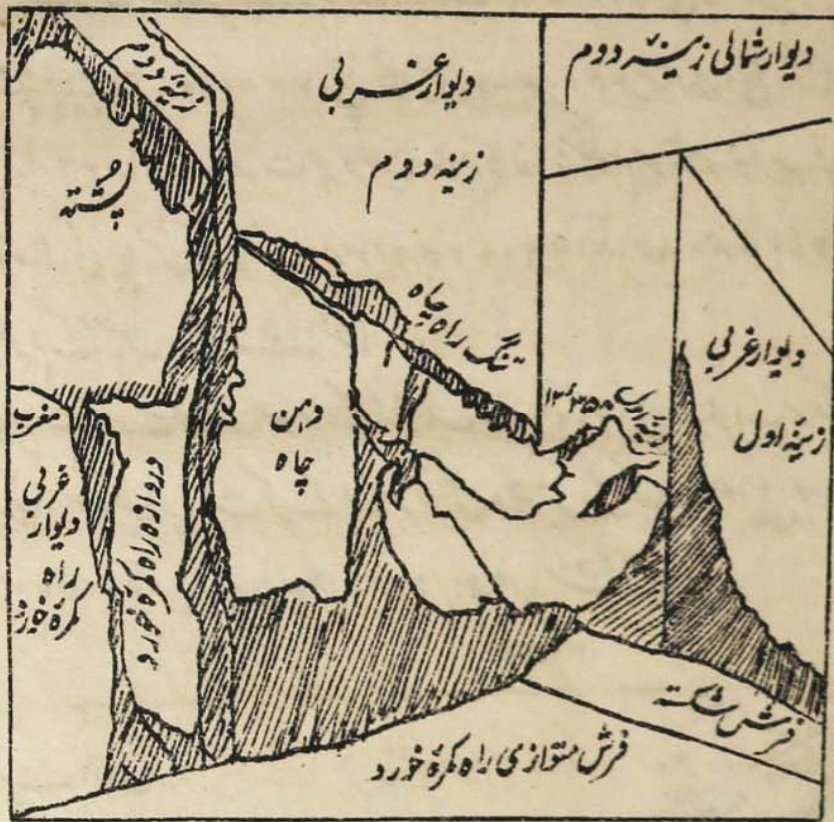
دیوار شمالی زینۂ دوم
دیوار غربی
زینۂ دوم
پشتہ
تنگ راہ چاہ
دہن چاہ
مغرب
غربی دیوار راہ کمرۂ خورد
دیوار غربی
زینۂ اول
فرش شکستہ
فرش متوازی راہ کمرۂ خورد

خاکۂ چاہ
(ا)

خاکۂ چاہ
(ج)
زینۂ دوم

زینۂ اول سے چاہ کے گرد
خاکۂ چاہ (ب)
سقف زینۂ دوم
۲۹٫۵۷۵
۱۲٫۳۵۸
۲۵

۶۰۶ ۲۰۰

کمرۂ خورد

۲۵۹

۱۵۲۱ر۷۵

دیوار شمالی زینۂ دوم

۱۶ دیوار ورود زینۂ دوم

۱۵

سطح فرش متوازی فرش راہ کمرۂ خورد

سطح متوازی فرش کمرۂ خورد
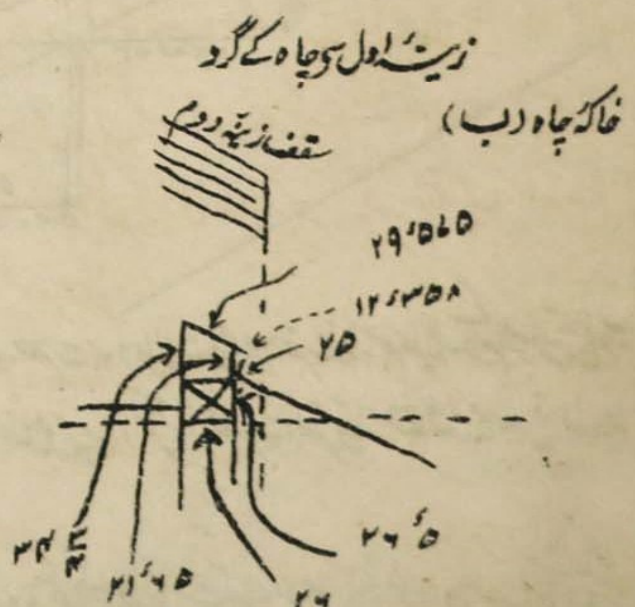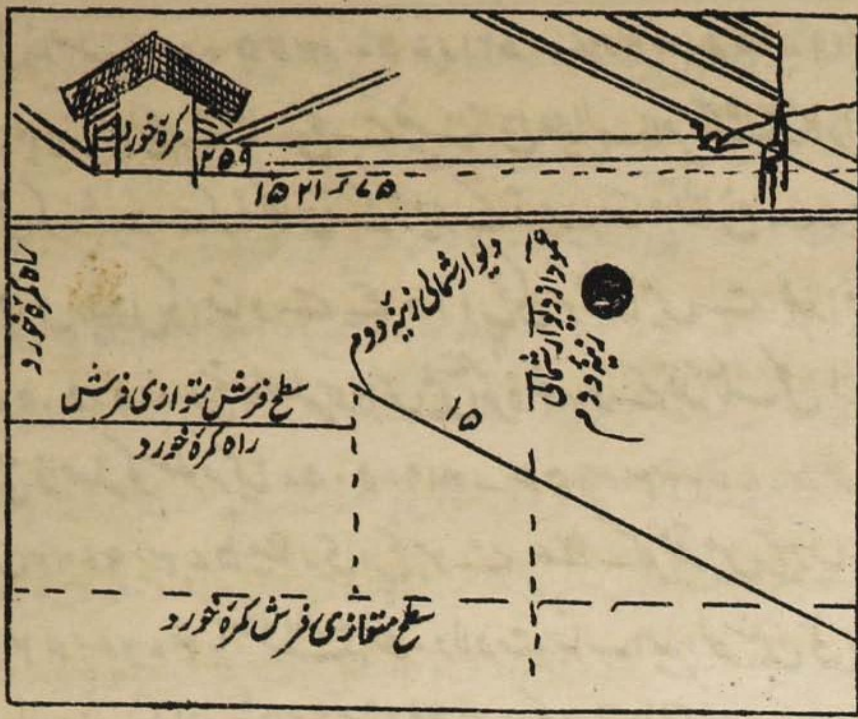
چاہ سے دروازۂ راہ کمرۂ خورد تک

(۸) نقشہ سے معلوم ہوگا کہ زینۂ اول سے کمرۂ خورد کو جانے کے لئے چاہ کے گرد گھوم کر جانا پڑتا ہے۔ اس کے لئے (ملاحظہ ہو نقشہ و خاکہ) ۶۵ر۲۱ + ۵۷ر۲۹ ۱۵ ۲ر۲۵۱۱۳ = ۷۴ر۹ انچ فاصلہ طے کرنا ہوتا ہے۔ جس کے ۸۹ر۳۰ میناری انچہ بنتے ہیں۔ گذشتہ پیمائش میں جمع کیا تو نزول توراہ کا سن نکلا۔

۳۶ر۲۵۵۸ + ۷۴ر۸۹ = ۲۶۳۷ر۸۰۶ یا ۲۶۴۸ سنہ ۲۶۴۷ر۸۰۶ ۲۵۵۸ر۴۳۶ ۸۹ر۳۷

(۹) راہ فرش کمرۂ خورد تک پہنچنے کے لئے شکستہ پشتہ نصف عرض راہ زینۂ اول اور نصف عرض چاہ عبور کرنا پڑتا ہے جسکا مجموعی فاصلہ ۲۵ر۲۰ + ۲۱ + ۱۳ = ۲۵ر۵۴ انچہ ہے۔ میناری انچوں میں ۱۹۶ر۵۴۔ ۸ میں جمع کرنے ۶۰۶ر۲۶۴۷ + ۱۹۶ر۴ ۲۶ + ۱۹۶ر۵۴ = ۲۷۰۲ر۰۰۲ یا ۲۷۰۳ سنہ ہوا۔ وفات یوشع بموجب توریت ۲۷۰۳ سنہ میں ہوئی۔

(۱۰) نقشہ پر غور کرنے سے ظاہر ہوگا کہ ابتدار سے کمرۂ خورد کے محاذ تک سطحی فاصلہ (۸۸۴ + ۱۳۵۵ + ۱۵۲۱ر۷۵) = ۳۷۶۰ر۷۵ انچ ہے۔ نیز یہ بھی معلوم ہوگا کہ کمرۂ خورد سے تقریباً ۲۱۱ر۹ انچ کے فاصلہ سے راستہ بقیہ راہ سے تقریباً ۱۴۸ر۳ انچ نیچا ہے۔ لہذا مسافت راہ میں اسی قدر اضافہ ہوگیا۔ اور کل فاصلہ تقریباً ۳۷۷۵ر۵۹ انچ ہوا۔ اس سے ۲۱۱ر۹ انچ کم ہوا۔ ۳۵۶۳ر۶۹ انچ باقی رہا۔ میناری انچوں میں تحویل کیا۔ ۳۵۶۰ر۱۲۷ یا ۳۵۶۱ سنہ برآمد ہوا۔ اسیریٔ بابل ۳۵۶۰ سنہ کا واقعہ ہے جبکہ بخت نصر نے یروشلم کو مسمار کیا اور تمام بنی اسرائیل کو قید کرکے بابل لے گیا۔ اسکو "دائمی قربانی کا بند ہونا" بھی کہتے ہیں۔ حضرت دانیال علیہ السلام کی پیشگوئیوں میں اسی تاریخ سے مدت شمار ہوئی۔

(۱۱) کمرۂ خورد کی دیواروں کے پتھر تقریباً ۱۰۶ انچہ چوڑے ہیں۔ بقیہ طول راہ ۲۱۱ر۹ میں سے یہ کم کئے تو ۱۰۵ر۹ انچ باقی رہا اور میناری انچوں میں ۱۵۰ر۷۵ انچ ہوا۔ ۱۰ میں جمع کیا ۳۵۶۰ر۱۲۷ + ۱۵۰ر۷۵ = ۳۷۱۰ر۸۷۷ یا ۳۷۱۱ سنہ ہوا۔ یہ تاریخ ختم تعمیر ہیکل عزیر علیہ السلام کی۔

خورد تک کل فاصلہ (۸۸۴ + ۱۳۵۵ + ۱۵۲۱٫۷۵ + ۴۳۷ =) ۴۱۹۷٫۷۵ انچ ہے بعد از تحویل
۴۱۹۳٫۵۵۳ میناری انچ ہوئے۔ تاریخ سے غیبت مسیح علیہ السلام سنہ ۱۹۴ کا واقعہ ہے۔

(۱۳) فرش کمرہ خورد سے کمرہ کلاں کے زینہ کے قریب مقام تقاطع تک ۸۳۴٫۵۰۵۷ انچ فاصلہ ہے
فرش کمرہ کلاں دیواروں کی بنیاد سے نیچے ۱۵ انچ کی موٹائی میں ہے۔ لہذا فرش کمرہ خورد سے فرش کی
تہہ تک ۸۱۹٫۵۰۵۷ انچ فاصلہ ہوا اس میں سے کمرہ خورد کے قلہ تک کل بلندی منہا کرنے سے دونوں کے
درمیانی فاصلہ کو معلوم کیا ۸۱۹٫۵۰۵۷ ـ ۲۴۴٫۹۵۵ = ۵۷۴٫۵۵۰۷ ہوئے۔ اس سے
بعد از تحویل ۵۷۳٫۹۷۶۲ میناری انچ ہوئے۔ عدد ۱۲ کے نتیجہ میں جمع کیا۔ ۴۱۹۳٫۵۵۳ + ۵۷۳٫۹۷۶۲
= ۴۷۶۷٫۵۲۹ یا سنہ ۴۷۶۸ نکلا۔ ولادت جناب امیر المومنین علی بن ابی طالب علیہ السلام سردار
سوعود اول از سرداران اثنا عشر سنہ ۴۷۶۸ میں دکھلائی جاتی ہے۔

(۱۴) سطح فرش کمرۂ خورد و فرش کمرۂ کلاں میں ۸۳۴،۵۰۵.۰۷ انچ فاصلہ گذشتہ بیان سے معلوم ہوا۔ اگر بنیاد فرش سے دیواروں کی بنیاد کا طول صرف اس پیمائش سے کم کیا جائے۔ تو دیواروں کی بنیاد تک یہ فاصلہ ۸۲۹،۵۰۵.۰۷ انچ رہجائیگا۔ اور قلّہ کمرۂ خورد سے یہ فاصلہ ۵۸۴،۵۵۰.۷ انچ ہو جائے گا۔ جس کے (۵۸۴،۵۵۰.۷ - ۵۸۴،۵۵۰.۷ = ۵۸۴،۵۸۴) ۵۸۳،۹۶۶ میناری انچ ہوئے ۱۲ کے اعداد اس میں شامل کئے (۴۱۹۳،۵۵۳ + ۵۸۳،۹۶۶ =) ۴،۷۷۷،۵۱۹ یا ۴۷۷۷ء

یہ سن بعثت محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے اسی سال آنحضرت نے فانذر عشیرتک الاقربین کی تعمیل کرتے ہوئے (حسب تواریخ اہل اسلام) جناب امیر علیہ السلام (حضرت علیؑ) کو اپنا بھائی، وزیر، اور خلیفہ مقرر فرمایا۔ ھذا اخی ووزیری وخلیفتی فی الدنیا والاخرۃ فاسمعوا لہ کے الفاظ تواریخ میں اب تک موجود ہیں (یہ میرا بھائی میرا وزیر، اور میرا خلیفہ ہے۔ دنیا و آخرت میں۔ بس اس کی (بات) سنو۔

اس موقعہ پر ہمیں کتاب خروج کی مذکورہ ذیل آیت یاد آتی ہے۔ (جو بنی اسرائیل کے لئے حکم تھا)، کتاب خروج ب ۲۳ آیۃ ۲۰-۲۲ + "دیکھ میں ایک فرشتہ تیرے آگے بھیجتا ہوں۔ کہ راہ میں تیرا نگہبان ہو۔ اور تجھے اس جگہ جو میں نے تیار کی ہے۔ لے آوے۔ اس کے آگے ہوشیار رہ اور اس کا کہا مان۔ اسے مت چڑھا۔ کیونکہ وہ تیری خطا نہ بخشے گا۔ کہ میرا نام اس میں ہے"

اس امت کے لئے فاسمعوا لہ اور بنی اسرائیل کے لیے "اس کا کہا مان" بالکل ایک ہی مضمون ہے۔ اور ایک ہی طرز تقریر۔ کتاب خروج کی آیۃ کے متعلق پیشتر مذکور ہو چکا کہ یہ حکم اطاعت جناب علی مرتضیٰ علیہ السلام ہے۔ اور قول بالا میں کسی تاویل کے بغیر یہ قول آنحضرت کے متعلق بیان فرمایا۔

(۱۵) کمرۂ کلاں کی دیواروں کی بلندی بشمول بنیاد ۲۳۵،۳۸۰ انچ ہے۔ اور چھت کے پتھر کی موٹائی ۴۷ انچہ تقریباً (۴۷،۰۷۷)، لہذا کل بلندی ۲۸۲،۴۶۵ انچہ ہوئی۔ یا میناری انچوں میں ۲۸۲،۱۸۲۵ انچ ۱۴ میں جمع (۴،۷۷۷،۵۱۹ + ۲۸۲،۱۸۲) ۵،۰۵۹،۷۵۱ یا ۵۶ھ ہوا۔ تاریخ سے سن غیبت کبرےٰ امام صاحب العصر والزمان علیہ السلام خاتم دوازدہ سرداران موعود از اولاد اسمٰعیل علیہ السلام ۵۶۱ءمطابق ۳۲۹ھ ہے۔ (آغاز سن ہجری ۶۲۲ء میں ہوا۔ بعثت ۶۱۰ء میں تقریباً ۱۲ سال پہلے۔ لہذا بعثت سے غیبت کبریٰ تک تقریباً ۳۸۳ سال ہوئے۔ میناری حساب سے ۲۸۲،۱۸۲ سال نکلتے ہیں سن بعثت ۲۸۳ کہلائے گا۔
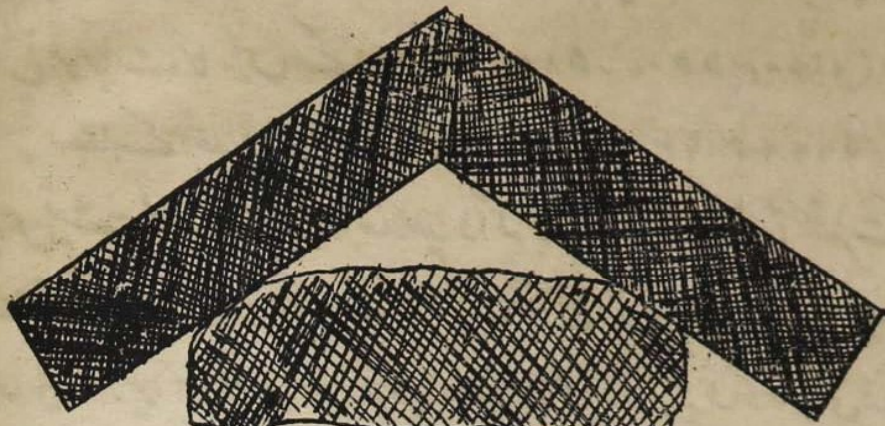
کرۂ کلاں

راہ تنگ برسقف

محراب

ہوائی نالیاں

راہ تنگ

راہ تنگ

۱۸۸۳

۶۱

۳۶

۸۱۵

تکملہ

یہ امر ابتدا ہی میں فیصلہ ہو چکا کہ علامات مینار مذکور کا تعلق سنین بعثت انبیا سے ہے۔ نیز یہ بھی مطالعہ توریت سے ثابت ہے کہ دنیا کسی وقت ہادی برحق سے خالی نہیں رہی۔ ایک نبی کے بعد دوسرا فوراً ہی اس منصب ہدایت پر مامور ہوتا رہا۔ نہ صرف توریت بلکہ خود کلام پاک (قرآن مجید) کا دعویٰ بھی یہی ہے جیساکہ آیہ وافی ہدایہ ولقد وصلنا لھم القول لعلھم یتذکرون سے ثابت ہے۔ لہٰذا اس نئی دنیا میں جسکا ظہور بعد از طوفان ہوا کوئی زمانہ ایسا نہیں ہوا جس میں دُنیا نبی یا وصیٔ نبی (ہادیان برحق) کے وجود سے خالی رہی ہو۔ عقل بھی یہی کہتی ہے کہ اُمت (مخلوق) موجود ہے۔ امام النار (گمراہ کنندہ۔ شیطان) موجود۔ لہٰذا اثر ضلالت کے مٹانے کے لئے امام الرحمہ بھی موجود رہنا ضروری ہے تاکہ مخلوق الٰہی سے جو کوئی بھی طالب ہدایت ہو محروم نہ رہ جائے اور حجت الٰہی غالب رہے (وحجۃ اللہ ھی البالغۃ) مخلوقات الٰہی کو عذر کا موقعہ نہ ملے۔ ورنہ بصورت دیگر سزائے اعمال عدل الٰہی کے منافی ہے۔ کیونکہ گمراہ کنندہ تا قیام قیامت موجود ہے اور اُس کے ہتھکنڈوں کی قلعی کھولنے والا موجود نہیں رکھا۔ اب اگر یہ مخلوق فریب کھا جائے۔ گمراہ کنندہ کے دلائل و براہین سے اُس کے اِدّعا کو سچ مان لے۔ تو معذور قرار پائیگی۔ عدل کے یہ معنی نہیں کہ ایک مجبور و بے بس کو دشمن دین و غارتگر ایمان کے حوالے کر دیا جائے اور پھر اُس سے اُس کے اعمال زشت کی بازپرس کی جائے۔

یہی وجہ تھی کہ مخلوقاتِ الٰہی کسی وقت بھی حجۃ اللہ سے خالی نہ رہی۔ ہر ایک بڑھتی ہوئی طغیانی کا انسداد ہوتا رہا۔ مثلاً انتہائے دنیائے قدیم کی طغیانی اس درجہ بڑھ گئی تھی کہ اُن سے کسی عمل خیر کی توقع باقی نہ رہی۔ اسکا علاج حکیم مطلق نے قطع حیات تجویز کیا تاکہ وہ نفوس جو اُس وقت تک فساد سے محفوظ تھے محفوظ رہ سکیں۔ یہی حالت قوم عاد و ثمود و فرعون کی ہوئی۔ قوم لوطؑ و شعیبؑ بھی اس قسم کی بازپرس سے مستثنیٰ نہیں رہے۔ خود بنی اسرائیل کا یہ عالم رہا۔ کہ اگر دو روز آزاد رہے تو چار دن غلام۔ تازیانۂ عقوبت پڑا ہوش آ گئی۔ ہادیٔ حق کی آواز کے شنوا ہوئے۔ آزادی ملی اور پھر وہی تمرّد و سرکشی۔ یہ اذکار قصے اور کہانیاں ہی سہی لیکن نصیحت کے خزانے ہیں۔ انسان دیگر مخلوقاتِ عالم سے عقل کے باعث ممتاز ہے۔ اس عقل کا تقاضا ہے کہ ہم گذشتہ امتوں کے تذکروں سے نصیحت حاصل کریں۔ اُن کے تجربوں سے سبق لیں اور ترقی کے زینے طے کرتے جائیں۔ خداوند عالم اپنے کلام پاک میں ارشاد فرماتا ہے افلا یتدبرون القرآن ام علٰی قلوب اقفالھا۔ کیا یہ لوگ قرآن میں تدبّر نہیں کرتے یا اُن کے دلوں پر قفل لگے ہوئے ہیں۔ جو درجہ قرآن کا اہل اسلام کیلئے ہے وہی درجہ صُحفِ ماسبق کا اُنکی امتوں کے لئے۔ عیسائیوں کی نظروں میں اناجیل کی۔ یہود کیلئے توریت کی۔ اہل ہنود کے دل میں ویدوں کی وہی قدر و منزلت ہے جو مسلمانوں کے قلوب میں قرآن پاک کی۔ لہٰذا اُن اُمتوں کے لئے وُہی قرآن ہے۔ لفظ قرآن اگرچہ نوشتۂ پاک، اہل اسلام سے مخصوص ہو گیا ہے لیکن لُغوی حیثیت سے اسکا مفہوم عام ہے۔ اندریں صورت آیۂ ماسبق کا مفہوم اہل اسلام سے مخصوص نہیں رہا۔ بلکہ تمام مذاہب عالم کے لئے عام ہو گیا۔ اُنکی غفلت اور عدم توجہی پر تازیانۂ تنبیہہ۔ فی الحقیقت امر واقعی بھی یہی ہے۔ ہندو ہوں یا مسلمان، مجوسی ہوں یا صابئی، یہودی ہوں یا عیسائی، اپنے اپنے مذہبی نوشتوں سے قطعاً غافل ہیں۔ وہ اپنے نوشتوں میں تدبّر نہیں کرتے اور نہ غور و خوض سے کام لیتے ہیں۔ خداوند عالم نے اس انسان کو خاطی و گنہگار پیدا نہیں کیا۔ بلکہ ایسی حالت میں خلق کیا کہ متبرک ہستیاں اُسکی عظمت و شان، اُسکے علوِ مراتب، اور اسکے کمالات ظاہری و باطنی کی معترف ہوئیں۔ کامل کسی ناقص کی فضیلت کا ابتدائے آفرینش سے اِسوقت تک، نہ کبھی معترف ہوا۔ نہ ہو سکتا ہے۔ نہ آئندہ کبھی ہو گا۔ لہٰذا یہ کیونکر تسلیم ہو سکتا ہے کہ صانع مطلق نے اپنی اِس مخلوق کو کس مپرسی کی حالت میں چھوڑ دیا اور رازِ نجات سے بے بہرہ رکھا۔ اس رازِ نجات کا تذکرہ اُس سے پوشیدہ رکھا۔

یوڈ ورڈ (یجُر) کی تعلیم سے قطع نظر کر کے اُن معلمین کے اقوال پر غور کیجے جو فی زمانہ تمام دیار و امصار میں کلیسیا کی سعی سے رائج ہیں۔ اگرچہ ان اقوال میں بھی تقریباً ۱۶۰۰ سال کے عرصے میں ہزاروں تبدیلیاں وقوع میں آئیں۔ لاکھوں تحریفیں کی گئیں۔ کروڑوں ترمیمیں ظہور پذیر ہوئیں۔ لیکن لُبِّ لباب ہدایت یعنی رازِ نجات کا تذکرہ قادرِ مطلق نے اپنے حفظ و امان میں رکھا۔ یہ راز نجات کیا تھا؟ کتاب خروج سے پیشتر مذکور ہوا۔ اسکے بموجب بنی اسرائیل پر فرض ہوا کہ وہ اس فرشتے کی اطاعت کریں جسکو خداوند عالم نے اُنکی حفاظت کے لئے تعیین فرمایا۔ اور تاکید کر دی کہ اُسکی نافرمانی کی مُعافی ممکن نہیں۔ یہ فرشتہ ہمنام خدا تھا عبرانی میں خدا کو ایل کہتے ہیں۔ لہٰذا رازِ نجاتِ بنی اسرائیل "ایل" نامی فرشتہ کی اطاعت تھی۔ "ہوئیل" یا "ایل" وہ متبرک ہستی ہے جسکو رازِ نجاتِ بنی اسرائیل" خداوند عالم نے ارشاد فرمایا۔ یہ متبرک وجود تجیع رجس وغیرہ سے پاک و پاکیزہ تھی کیونکہ "فرشتہ" کی تعریف یہی ہے کہ ایک طرفۃ العین بھی معصیت الٰہی اُس سے سرزد نہ ہو۔ یا دوسرے الفاظ میں معصوم ہو۔

(۲) کتاب سموئیلؑ (تذکرۂ داؤد علیہ السلام و تابوت سکینہ یا عہد کا صندوق) سے پیشتر مذکور ہوا۔ کہ عہد کے صندوق کے اندر پتھر کی دو لوحیں تھیں، جنکے ایک طرف دس احکام درج تھے اور دوسری طرف دو کروبیوں کی تصویریں تھیں۔ جن کے توسّل سے دعا کرنیکا حکم تھا۔ اِسی حوالہ سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ خداوند ربّ الافواج کا نام اُنکے درمیان ہے۔ یہ دو کروبی، مربّی بنی اسرائیل یا وسیلۂ بارگاہ ایزدی تھے۔ اُنکے اسماء میں اسم اعظم الٰہی "رب" پوشیدہ تھا۔ کتاب خروج سے ایک مربّی بنی اسرائیل کا نام "ایل" یا "ہوئیل" ثابت ہوا صحیفۂ اِرماطش علیہ السلام سے دوسرا نام "سماطیل" ظاہر ہوتا ہے۔ "سماطیل و ہوئیل یا ایلیا کے اعداد "رب" کے اعداد کے برابر ہیں۔ ایلیا، ہوئیل، ملکِ صدق، (سیّد الصادقین) اسمائے جناب علی مرتضیٰ علیہ السلام ہیں جو اناجیل و توریت مروجہ زمانہ حال میں اسوقت تک موجود ہیں۔ "سماطیل" (رسول موعود) "عہد کا رسُول" "مثیل موسیٰ" "بادشاہ" اسمائے پاک محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم ہیں جو صحیفہ اراطش، صحیفۂ ملاکی، کتاب استثنا (ناموس) اور زبور میں موجود ہیں۔ خود اعداد اسمائے پاک "محمد" و "علی" بھی اعداد "رب" کے برابر ہیں۔ لہٰذا وہ دو کروبی جو وسیلۂ بارگاہِ الٰہی قرار دئے گئے جنکی نافرمانی کی معافی ناممکن ہے یا بالفاظِ دیگر جو رازِ نجاتِ عالم قرار پائے وہ محمدؐ رسولِ خدا (جو ابتدائے آفرینش سے منصب ہدایت پر فائز تھے) اور علی مرتضیٰ (امام ازلی و ابدی حسب ہدایت انجیل) ہیں۔ تعجب پر تعجب یہ ہے کہ قول پولوس کے مطابق علمائے نصاریٰ جس بزرگ ہستی کو مقتدائے مسیح تسلیم کریں اور بیانگ دُہل اعلان فرمائیں کہ مسیح کو یہ رتبۂ عالی محض متابعتِ ملکِ صدق سے حاصل ہوا اُسی ملکِ صدق سے روگرداں ہوں۔ اُسکو وسیلۂ نجات تسلیم کرنے سے احتراز کرنا

مینارِ اعظم کے بنانیوالے نے علاماتِ مینار میں حضرت نوح علیہ السلام کو دُنیائے قدیم کی آخری یادگار شمار کیا۔ آپکی حیات دنیاوی کی مدت ۹۵۰ سال کو راہ داخلہ مینار کے زینۂ اول تک ملنے کے مقام کے طول سے ظاہر کیا۔ نقشہ میں مقام تقاطع کا فاصلہ ۹۸۶½ انچہ دکھلایا گیا ہے جو زینۂ اول اور راہ مینار کے تقاطع کی انتہائی حد ہے۔ سقفِ راہ مینار اور سقفِ زینۂ اول کے ملنے کے مقام تک راہ مینار کا کل فاصلہ تقریبًا ۳۶½ (۳۶٫۵۸) انچہ کم ہے پس ۹۸۶½ میں سے ۳۶½ تفریق کرنے سے راہ مینار کا وہ کل فاصلہ معلوم ہوتا ہے جو زینۂ اول تک ہے اور اس فاصلہ کا میناری انچوں میں تحویل کرنے سے عمر نوح علیہ السلام برآمد ہوتی ہے۔ یعنی ۹۸۶٫۲۵ - ۳۶٫۵۸ = ۹۴۹٫۶۷ انچہ انگریزی۔ انکو میناری انچوں میں تحویل کیا ۹۴۹٫۶۷ ÷ ۹۴۸٫۷۲ = ۹۴۸٫۷۲ میناری انچہ یا ۹۴۹ شمسی برآمد ہوا۔ جسمیں صرف ایک سال کا فرق ہے۔ ممکن ہے یہہ فرق پیمائش میں ہو۔ بہرحال تقریبًا ۹۵۰ سال میں ایک سال کا فرق کچھ زیادہ توجہ کے قابل نہیں۔

تاریخ عرب سے ظاہر ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کے بعد دسویں پشت میں حضرت ابراہیم علیہ السلام ہوئے جو بعد از زمانۂ حضرت ہود علیہ السلام منصب ہدایت پر مامور کئے گئے۔ پیدائش نوح علیہ السلام سے بعثت ابراہیم علیہ السلام تک تقریبًا ۲۰۰۶ سال کی مدت ہوئی ہے جو روایت کے مطابق ہے۔ یہ مدت دو چار سال کم و بیش بھی ہو سکتی ہے کیونکہ حضرت نوح علیہ السلام کی عمر ۹۴۹ سال کچھ مہینہ کی تھی جبکہ آپ کا انتقال ہوا۔ آپ کے انتقال اور حضرت صالح علیہ السلام کی بعثت کے درمیان ۵۵۰ سال کے قریب عرصہ تھا۔ اس کل زمانے کا مجموعہ پورے ۱۵۰۰ سال نہیں ہو سکتے۔ تقریبًا ۱۵۰۰ سال ہونگے۔ اسی طرح حضرت صالح و ہود علیہما السلام کے درمیان بھی تقریبًا ایک سال کی کمی ہو جائیگی علی ہذا ہود و ابراہیم علیہما السلام تک۔ اس طرح ۲۰۰۶ سال کی مدت میں تین چار سال کی کمی ہو جانا ممکن ہے۔ مینار کے مطابق یہ مدت ۲۰۰۱ برآمد ہوتی ہے جو قریب قریب درست ہے۔

تفصیل پیمائش اس طرح پر ہے + گذشتہ پیمائش (۹۴۹٫۶۷) میں زینۂ اول کی تیسری میخ سنگ (محراب) تک کی پیمائش (۱۷۸ + ۱۰۳٫۶۲ + ۴۴٫۸۰ + ۲۰٫۶۴ + ۲۰٫۶۱۷ = ۱۰۵۲٫۹۸) جمع کئے تو کل فاصلہ ۲۰۰۲٫۶۵ انچہ نکلا۔ اسکو میناری انچوں میں تحویل کیا تو ۲۰۰۰٫۶۴۸ میناری انچہ یعنی ۲۰۰۱ سنہ برآمد ہوا۔ اگر ہم یہ بھی تسلیم کرلیں کہ اصلی زمانہ ۲۰۰۶ سال ہی تھا تب بھی اس دو ہزار سال کے طویل عرصہ میں کُل فرق پانچ سال سے زیادہ نہیں، یا یوں کہئے کہ سو سال میں تین ماہ کا فرق ہوا اور فی سال ایک یوم سے کچھ کم فرق ہوا۔ یہ فرق کچھ اس قدر زیادہ نہیں جبکہ پیمائشیں بھی کم و بیش ہو سکتی ہیں۔

وفات حضرت ابراہیم علیہ السلام اور بعثت حضرت موسیٰ علیہ السلام کے درمیان تقریبًا ۴۵۲ سال کی مدت ہے تاریخ توریت کے مطابق یہ کل مدت ولادت حضرت نوح علیہ السلام سے خروج بنی اسرائیل یا بعثت حضرت موسیٰ علیہ السلام تک ۲۶۴۸ سال ہے۔ میناری مدت اس کے مقابلہ میں ۲۶۴۴ سال نکلتی ہے جسمیں صرف چار سال فرق ہے۔ اسقدر مدت کے مقابلہ میں ہونے کے برابر + میناری پیمائش اس طرح پر ہے۔ پیمائش گذشتہ میں قدمچۂ اول زینۂ دوم کے محاذ تک کل فاصلہ (۲۰۰۲٫۶۵ + ۲۰۰ + ۸۳٫۰۷ + ۴۱۴ + ۲۵ + ۶۰۶ = ۲۰۰۶٫۰۶) جمع کیا تو ۲۶۴۴٫۰۳۹ انچہ انگریزی فاصلہ ہوا۔ جب میناری انچوں میں تحویل کیا تو (۲۶۴۴٫۰۳۹ - ۲٫۶۴۴۰۳۹ = ۲٫۶۴۱۳۹۲۹۶۱) ۲۶۴۳٫۳ میناری انچہ نکلا یعنی ولادت حضرت نوح علیہ السلام سے بعثت موسوی تک ۲۶۴۴ سنہ ہوا۔

وفات حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد زمانۂ حضرت داؤد علیہ السلام چھوڑ کر بعثت حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہے۔ قرآن پاک کے مطابق آنحضرت علیہ السلام نے اپنے ولادت کے دن ہی اعلان نبوت کیا جیسا کہ آیہ وافی ہدایہ فاشارت الیہ قالوا کیف نکلم من کان فی المہد صبیا۔ قال انی عبد اللہ۔ اتنی الکتاب وجعلنی نبیا وجعلنی مبارکا این ما کنت واوصنی بالصلوٰۃ والزکوٰۃ ما دمت حیًا و برًا بوالدتی ولم یجعلنی جبارًا شقیًا سے ظاہر ہے۔ آیات مبارکہ سے ظاہر ہے کہ جب یہودیوں نے حضرت مریمؑ پر بعد از ولادت حضرت عیسیٰؑ زبان طعن دراز کی تو آنجنابہ نے محض اُس ننھی سی جان کی طرف اشارہ کردیا۔ کہ اس سے پوچھو۔ یہود کو یہ کہنا پڑا ہم اُس سے کس طرح کلام کریں جو ابھی شیر خوار بچہ ہے۔ وہ تو ابھی گفتگو نہیں کر سکتا۔ اُسوقت اُس شیر خوار نے زبان کھولی اور ارشاد کیا میں بندۂ خدا ہوں۔ مجھے کتاب ملی ہے اور نبی مقرر ہو کر آیا ہوں۔ جس جگہ پر میرا قیام ہو برکت کا باعث ہوگا۔ خداوند عالم نے مجھے تا مدت حیات نماز و زکوٰۃ اور ماں کے ساتھ نیکی کا حکم دیا ہے (کتاب شریعت عیسوی کے اُصول) اور خدا نے مجھکو ظالم و بدبخت نہیں بنایا۔ اس طویل آیہ کے تذکرے سے ہمارا مقصد صرف یہ ثابت کرنا تھا کہ حضرت مسیح علیہ السلام یوم پیدائش سے ہی ہدایت خلق پر مامور ہوئے اور یہی تاریخ بعثت مینار سے نکلتی ہے اُس قاعدے کے مطابق جس سے پیشتر سنین بعثت معلوم ہوتے آئے۔ حساب توریت سے سن ولادت حضرت عیسیٰ علیہ السلام ۴۱۶۱ سنہ ہے یہی مدت پادری صاحب (ایڈگر مارٹن) نے اپنی تصنیف میں تسلیم کی ہے۔ میناری پیمائش سے بھی ٹھیک یہی مدت ولادت حضرت نوح علیہ السلام سے قرار پاتی ہے جو اس طرح پر ہے۔ پیمائش گذشتہ (۲۶۴۴٫۰۳۹) میں کمرۂ خورد تک باقی فاصلہ (۱۲۹۱٫۴۴) بشمول طول کمرۂ خورد (۲۲۶٫۹۷۳) جمع کیا تو ۴۱۶۴٫۱۵۶ انچہ انگریزی ہوئے اور ان سے بعد از تحویل (۴۱۶۴٫۱۵۶ - ۴٫۱۶۴۱۵۶ = ۴۱۵۹٫۹۹۱۸۴۴) میناری پانچ یا سنہ ۴۱۶۰ نوحی نکلا۔ ایک سال کا فرق چار ہزار سال میں قابل توجہ نہیں ہو سکتا۔

بموجب انجیل مروجہ سلسلۂ نبوت بنی اسرائیل حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ختم ہوا۔ اسی طرح راہ کمرۂ خورد بھی اس کمرہ تک پہونچکر بند ہوتی۔ اس کمرہ کی انتہائی بلندی ۹۵٫۴۴۲ انچہ ہے۔ اور فرش کمرۂ خورد کی سطح سے فرش کمرۂ کلاں کے آغاز تک ۵۹۵٫۸۳۴ انچہ کا فاصلہ لہذا کمرۂ خورد کی انتہائی بلندی (غیبت مسیح) اور آغاز فرش کمرۂ کلاں (بعثت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) تک ۵۸۹٫۵ انچہ یعنی ۵۸۸٫۹۵۵۲۵۵ میناری انچہ ہوئے یعنی غیبت عیسوی سے ۵۸۹ سنہ سال بعد بعثت مصطفوی عمل میں آئی۔ تواریخ سے (ملاحظہ ہو تاریخ گبن۔ تاریخ محمدی وغیرہ) ۶۰۹ سنہ و ۶۱۸ سنہ بھی ثابت ہوتا ہے۔ جو شمسی، شمسی قمری حساب سے درست نکلتا ہے۔ بعثت مصطفوی ۴۷۴۸ سنہ نوحی ہے ولادت عیسوی ۴۱۶۱ سنہ اسلئے ۶۱۸ سنہ سال بعثت ہے لیکن ۳۲۵ سنہ میں سنین شمسی رائج ہوئے جسکے باعث آیندہ ۳۰۰ سال میں ۹ سال کم ہوگئے اور ۶۰۹ سنہ سن بعثت قائم ہوا۔

بیان گذشتہ سے ثابت ہے کہ راہ نجات عالم محمد و علی ... [illegible] ... اعظم سے بعثت مصطفوی مراد ہے

شجرۂ مبارکۂ زیتونہ

آدم

قابیل — شیث — ہابیل

انوش
قینان
مہلائیل
یارد
اخنوخ
متوسلح
لامک
نوح

حام — سام — یافث

ارفخشد
شالخ
عابر
فالغ
ارغو
شاروغ
ناحور
تارخ
ابراہیم

اسمعیل — اسحٰق

اسحٰق
یعقوب

لاوی
قہات
عمران
موسیٰ۔ ہارون

یہودا
فرض
حصرون
رام
عمیناداب
نحسون
سلمون
بوعز
عوبید
یسی
داود
سلیمان
رحبعام
ابیاہ
آسا
یہوسفات
یورام
عزیاہ
یوتام
آحاز
حزقیاہ
منسّی
عمون
یوشیاہ
یہویقیم
یہویقین یا یکنیاہ
شلتی ایل
زروبابل
ابیہود
الیاقیم
عازور
صدوق
اخیم
الیہود
الیعازر
متان۔ متھان
عمران — یعقوب

یوسف
افرائیم
نون
یوشع

اسمعیل
قیدار
جمیل
بنات
سلامان
الہمیسع
الیسع
اود
اد
عدنان
معد
نزار
مضر
الیاس
مدرکہ
خزیمہ
کنانہ
نضر
مالک
فہر
غالب
لوی
کعب
مرہ
کلاب
قصی
عبدمناف۔ یا مغیرہ
ہاشم
عبدالمطلب
عبداللہ — عمران
محمدؐ — علی
فاطمہ زوجہ علی
حسن — حسین
علی
محمد
جعفر
موسیٰ
علی
محمد
علی

۱ ۲ ۳ ۴ ۵ ۶ ۷ ۸ ۹ ۱۰ ۱۱ ۱۲ ۱۳ ۱۴ ۱۵ ۱۶ ۱۷ ۱۸ ۱۹ ۲۰ ۲۱ ۲۲ ۲۳ ... ۲۶ ۲۷ ۲۸ ۲۹ ۳۰ ۳۱ ۳۲ ۳۳ ۳۴ ۳۵ ۳۶ ۳۷ ۳۸ ۳۹ ۴۰ ۴۱ ۴۲ ۴۳ ۴۴ ۴۵ ۴۶ ۴۷ ۴۸ ۴۹ ۵۰ ۵۱ ۵۲ ۵۳ ۵۴ ۵۵ ۵۶ ۵۷

شکریہ

ہزار ہزار شکر قادرِ ذوالجلال جس نے مجھ سی ناچیز ہستی کو ایسے غوامضِ علمیہ و اسرارِ قدیمہ پر دسترس عطا فرمائی فللہ الحمد حمداً کثیراً دائماً ابداً،

اس کے بعد میں، اُن جمیع حضرات کا تہ دل سے مشکور ہوں جن کی حوصلہ افزائی، مشوروں اور اصلاحوں کی بدولت اِن اوراق کو پبلک کے روبرو پیش کرنے کی جرأت ہوئی، خصوصاً اخی مکرّم جناب خان صاحب افتخار احمد خاں صاحب سابق اسسٹنٹ پولیٹکل افسر متعیّنہ کاشغر جنھوں نے ہمّت افزائی میں از حد سعی فرمائی،

نیز مکرّم و معظّم جناب مولوی صاحب ابوالصّفا احمد علی صاحب کربلائی کا رہینِ منّت ہوں، حضرت ممدوح نے اِن اوراق کی تصحیح میں کامل جد و جہد فرمائی،

آخراً کرم فرمائے سید عاشق علی صاحب منیجر "الامان" پریس کا بھی دل سے مشکور ہوں، میر صاحب موصوف نے ان اوراق کی کتابت، طباعت اور صحت میں سعی بلیغ فرمائی خداوند عالم سب کو جزائے خیر عطا فرمائے ؏

مصنف

حقیقت معرفت